قرآن مجید

آسان ترین ترجمہ و تفسیر

(جلد دوئم)

قرآن مجید

آسان ترین ترجمہ و تفسیر

(جلد دوئم)

تالیف

ڈاکٹر محمد فاروق خان

مآخذ

”ترجمہ و تفسیر قرآن“ از مولانا محمود الحسن ومولانا شبیر احمد عثمانی

”معارف القرآن“ ازمولانا مفتی محمد شفیع

”تفہیم القرآن“ از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

”تدبر قرآن“ از مولانا امین احسن اصلاحی

”تفسیر احسن البیان“ از مولانا محمد جونا گڑھی

”البیان“ از جناب جاوید احمد غامدی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں
[اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، اسکیننگ یا کسی بھی قسم
کی اشاعت مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی]

ناشر: ڈاکٹر محمد فاروق خان
ڈیفنس کالونی بالمقابل گرلز کالج مردان
فون: 0345-9008119, 0300-5718119, 0341-8000007

طابع: فائن پرنٹرز، لاہور

طبع دوم: جولائی 2012/ شعبان/ رمضان 1433ھ

تعداد: دو ہزار

ھدیہ: 400 روپے

فِہرسْت

شمار سورہ	نام سورہ	صفحہ
۱۰	یونس	۷
۱۱	هود	۳۳
۱۲	یوسف	۶۲
۱۳	الرعد	۹۱
۱۴	ابراهیم	۱۰۶
۱۵	الحجر	۱۱۹
۱۶	النحل	۱۳۱
۱۷	بنی اسرائیل	۱۶۱
۱۸	الکهف	۱۸۷
۱۹	مریم	۲۰۹
۲۰	طٰهٰ	۲۲۴
۲۱	الانبیاء	۲۴۴
۲۲	الحج	۲۶۳
۲۳	المومنون	۲۸۲
۲۴	النور	۲۹۷
۲۵	الفرقان	۳۲۸
۲۶	الشعراء	۳۴۳
۲۷	النمل	۳۶۴

شمارسورہ	نام سورہ	صفحہ
۲۸	القصص	۳۸۲
۲۹	العنکوب	۴۰۳
۳۰	الروم	۴۱۸
۳۱	لقمان	۴۳۲
۳۲	السجدہ	۴۴۰
۳۳	الاحزاب	۴۴۶

تیسری منزل مکیۃ

سورۂ یونس ۱۰ تا سورۂ نور ۲۴

یہ قرآن مجید کی سورتوں کا تیسرا گروپ ہے۔ اس گروپ میں پہلی چودہ سورتیں مکی ہیں۔ البتہ، سورۂ حج (22) اور سورۂ مومنون (23) کی بعض آیات مدنی ہیں، کیونکہ یہ سورتیں ہجرت کے بالکل قریب زمانے کی ہیں۔ اور آخری سورۂ نور (24) پوری کی پوری مدنی ہے۔

ان سورتوں میں دین کے بنیادی امور، یعنی توحید، رسالت اور آخرت پر سیر حاصل بحث کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے اخلاق و کردار کے بارے میں ان کو رہنمائی دی گئی ہے اور آخری سورۂ نور میں اخلاقیات کے معاملے میں ریاست کے کردار اور اس کے قانونی پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔

رکوعاتها ۱۱ | سورۃ یونس مکیۃ | اٰیاتها ۱۰۹

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ
النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ وقف النبی ﷺ
اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ
شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ
اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً
وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ا۔ل۔ر۔[1] یہ حکمت ودانائی سے لبریز کتاب کی آیات ہیں۔[2]

کیا ان لوگوں (یعنی باشندگان مکہ) کو اس بات پر حیرانی ہے کہ ہم نے انھی میں سے ایک شخص (یعنی حضورؐ) پر وحی کی کہ لوگوں کو ہوشیار کردو اور جو ایمان لائیں، ان کو خوش خبری دے دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔ (اسی بات پر) ان منکرینِ حق نے کہا کہ بے شک، یہ تو کھلا جادوگر ہے۔[3]

اے[4] لوگو، بے شک تمھارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا اور پھر وہ حکومت کے تخت پر متمکن ہوا اور کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔ اُس کے ہاں اُس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں۔ یہی اللہ تمھارا رب ہے، اس لیے اسی کی بندگی

کرو۔ کیا تم اس بات سے نصیحت حاصل نہیں کرو گے؟

اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ بے شک، تخلیق کی ابتدا وہی کرتا ہے اور پھر وہی (قیامت کے دن) دوبارہ پیدا کردے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کو پورے انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جنھوں نے (حق کی دعوت ملنے کے بعد اس سے) انکار کیا، ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک سزا ہے۔

وہی ہے جس نے سورج کو روشن بنایا، چاند کو چمک دی اور اس (کے گھٹنے بڑھنے) کی منزلیں ٹھہرا دیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کرسکو۔ اللہ نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ جو لوگ جاننا چاہیں، ان کے لیے وہ اپنی نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے۔

رات اور دن کی آمد و رفت میں اور آسمان و زمین کی تمام مخلوقات میں تقویٰ والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ ۱-۶

[۱] ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے، اس عاجز کے نزدیک ان کی تلاوت سے اللہ ہمیں زبان و بیان اور تحریر کی عظیم نعمت خداوندی کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔

[۲] کتاب حکیم کا مطلب ہے دانائی سے لبریز کتاب۔ یعنی یہ کتاب بذات خود اپنی صداقت کی کسوٹی اور اپنے ہر دعوے پر دلیل ہے۔

[۳] شرک کی گہری تاریکیوں میں جب حضورؐ نے توحید کی صدا بلند کی تو ہر شخص کے کان کھڑے ہوگئے کہ یہ صادق و امین اور بے غرض انسان کیا کہہ رہا ہے۔ ایسے عالم میں جب قرآن کے بے مثل کلام کی صدا حساس دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی تو عام لوگ سوچتے کہ شاید اس کی زبان میں جادو ہے۔

[۴] اب قرآن بتا رہا ہے کہ یہ جادو نہیں ہے، بلکہ عظیم ترین حقائق بیان کرنے والی کتاب ہے اور اس کا پیش کرنے والا اللہ کا پیغمبر ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا

غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۹﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ

اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى

ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

جولوگ (قیامت کے دن) ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے، اسی دنیا کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہوگئے ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، ان کی کمائی کی کے نتیجے میں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ انھیں ان کا رب ان کے ایمان کی بدولت منزل پر پہنچائے گا، ان نعمت بھری جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہاں ان کا ترانہ یہ ہوگا کہ ''اے اللہ تو پاک ہے۔'' وہاں ان کی دعا یہ ہوگی کہ ''سلامتی ہو۔'' اور ان کا آخری کلمہ یہ ہوگا کہ ''ساری شکر و تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

اگر اللہ لوگوں کو سزا دینے کے معاملے میں ایسی ہی جلدی کرنے والا ہوتا، جس طرح وہ ان کے ساتھ رحمت میں جلدی کرتا ہے تو ان کی (عمل کی) مہلت تمام کر دی گئی ہوتی۔ اسی لیے ہم ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی توقع نہیں کر رہے، ان کی سرکشی میں بھٹکتے رہنے کے وقت ڈھیل دیتے رہتے ہیں[5]۔

انسان کا اپنا حال تو یہ ہے کہ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب تو لیٹے، بیٹھے یا کھڑے ہم کو پکارتا ہے۔ اور پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح چل دیتا ہے گویا اس نے کبھی اپنے کسی بُرے وقت پر ہم کو پکارا ہی نہ تھا[6] اسی طرح حد سے تجاوز کرنے والوں کی نگاہوں میں ان کے برے عمل خوش نما بن جاتے ہیں[7]۔ ۷-۱۲

[۵] پروردگار ہمیشہ انسانوں کو ڈھیل دیتا ہے، تاکہ وہ کسی بھی وقت اپنے شعور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حق کی طرف پلٹ آئیں۔ اور یا پھر ان پر اتمام حجت ہو جائے۔

[۶] قرآن مجید جہاں بھی انسان کا لفظ استعمال کرتا ہے، وہاں اس سے مراد انسانوں کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے۔ چونکہ انسان کے ذہن میں اللہ کی ذات کا شعور موجود ہے، اس لیے غفلت میں پڑے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کا حال یہ ہوتا ہے کہ مصیبت کے وقت تو ان کو اللہ یاد آ جاتا ہے، لیکن جب تکلیف کا وقت گزر جاتا ہے تو وہ دوبارہ آخرت کی جواب دہی کی حقیقت سے غافل ہو جاتے ہیں۔

[۷] اس دنیا میں ہر آزمائش دودھاری تلوار کی حیثیت رکھتی ہے۔ باشعور لوگ تو تکلیف کے بعد سنبھل جاتے ہیں، لیکن عیاشی میں مگن رہنے والے مصیبت کے خاتمے کو اپنے لیے ایک لائسنس سمجھ لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ
تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ
بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ
رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا
مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٧﴾

اے لوگو، تم سے پہلے گزرے ہوئے عہد[8] کے لوگوں کو ہم نے اس وقت ہلاک کر ڈالا، جب وہ اسی طرح ظلم کے مرتکب ہوئے کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور پھر بھی وہ ایمان لانے والے نہ بنے۔ ایسی مجرم قوم کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں متمکن کیا، تاکہ یہ دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔[9]

جب ہماری واضح آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو قیامت کے دن ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ ''اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کر دو۔''[10]

اے نبیؐ، (ان سے) کہو کہ ''مجھے کیا حق ہے کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم کر دوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر آتی ہے۔ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔''

اے نبیؐ، (ان سے) یہ بھی کہہ دو کہ ''اگر اللہ کی مرضی یہی ہوتی تو میں یہ قرآن تمھیں کبھی نہ سناتا اور نہ وہ اس سے تمھیں باخبر کرتا۔ میں اس سے پہلے ایک عمر تمھارے درمیان گزار چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟[11] پھر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کے نام پر ایک بہتان گھڑے یا اس کی آیات کو جھٹلائے؟ یقیناً ایسے مجرم کبھی کامیابی حاصل کرنے والے نہیں بنیں گے[12] ۱۳-۱۷

[۸] 'قرن' کا مطلب ہے ''ایک عہد کے لوگ''۔ یہاں اس سے مراد سابقہ رسولوں کے نافرمان مخاطبین ہیں۔

[۹] مکی دور میں، جب کہ اسلام کے غلبے اور مخالفین کی ہلاکت کا دور دور تک کوئی نشان نہ تھا، قرآن مجید نے دعویٰ کیا کہ جس طرح پچھلے رسولوں کے جو براہ راست مخاطبین نافرمان بنے، انھیں ہلاک کر دیا گیا، اسی طرح حضورؐ کے مخالفین کو بھی ایک مہلت کے بعد ختم کر دیا جائے گا۔

[۱۰] یعنی اس قرآن میں ہمارے شرک اور ہماری خواہشات نفس کی رعایت بھی ہونی چاہیے۔

[۱۱] حضورؐ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ ان چالیس برسوں میں وہ پوری سوسائٹی میں صادق، امین اور بے غرض انسان کی حیثیت سے مشہور تھے۔ چنانچہ قرآن مجید نے یہ دلیل پیش کی کہ اگر کوئی انسان چالیس برس تک ایسی پاکیزہ زندگی گزارتا ہے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اچانک اپنی پوری زندگی کو جھوٹ پر استوار کر لے اور جھوٹ بھی ایسا جس سے اس کی ذات کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو۔

[۱۲] یعنی اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو اس کا پول تو اسی دنیا میں کھل جائے گا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اللہ میرے سارے مخالفین کو ہلاک کر دے گا اور اس سرزمین عرب پر اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اگر میں اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہوں تو یقیناً اس مقصد میں اللہ مجھے کامیاب نہیں کرے گا۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِندَ اللّٰهِ ؕ قُلْ
أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ؕ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ
النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾
وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿۲۰﴾ ع

یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔[۱۳]

(اے نبیؐ ان سے) کہہ دو کہ "کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں؟[۱۴] وہ پاک ہے اور بلند و برتر ہے، ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

(ابتدا میں) سارے انسان ایک ہی امت تھے اور پھر انھوں نے اختلاف کیا۔ اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ کر لی گئی ہوتی تو ان کے درمیان اس معاملے میں فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں۔[۱۵]

یہ مشرکینِ مکہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی؟ تو اے نبی، تم جواب دے دو کہ "غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے۔ تو تم لوگ انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔[۱۶]" ۱۸-۲۰

[۱۳] مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جن فرشتوں اور بزرگوں کی ہم پوجا کرتے ہیں، یہ دنیا میں ہمارے کام آتے ہیں اور اگر کوئی آخرت ہوگی تو وہاں یہ ہمارے ایسے سفارشی ہوں گے جو بزور اپنی بات منوانے کی طاقت رکھتے ہیں۔

[۱۴] یہ ایک بہت لطیف انداز بیان ہے کہ ایسی کسی چیز کا وجود کیسے ممکن ہے جس کی اللہ کو خبر نہیں۔

[۱۵] اللہ نے انسان کو توحید کی کامل روشنی میں پیدا کیا۔ مگر بعد میں انسان نے اپنے نفسانی خواہشات، جذبات اور تعصبات کے زیر اثر صحیح راستے سے انحراف کیا۔ اس اختلاف کے فیصلے کے لیے اللہ نے آخرت کا دن مقرر کیا ہے۔ اگر یہ دن مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو آج ہی ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

[۱۶] اللہ کو یہ منظور تھا کہ قرآن مجید کو اور حضورؐ کی زندگی میں سرزمین عرب پر آپؐ کے کامل ترین غلبے کو، ایک عظیم نشانی کے طور پر قیامت تک کے لیے زندۂ جاوید کیا جائے۔ اسی لیے یہ جواب دیا گیا۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ

رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ

وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟

أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿٢٢﴾

فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ

ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

انسانوں کا حال تو یہ ہے کہ کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی جب ہم ان کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری نشانیوں کے معاملے میں چال بازیاں شروع کر دیتے ہیں[۱۷]۔ اے نبیؐ، ان سے کہو کہ ''اللہ اپنی تدبیروں میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ اس کے فرشتے[۱۸] تمہاری سب چالوں کو قلم بند کر رہے ہیں۔''

وہی اللہ ہے جو تم انسانوں کو خشکی اور دریا و سمندر میں سفر کراتا ہے۔ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر موافق ہوا پر خوش خوش سفر کر رہے ہوتے ہو تو اچانک ایک تند و تیز ہوا آتی ہے اور ہر طرف سے موجیں اٹھنے لگتی ہیں۔ اس وقت یہ لوگ گمان کرنے لگتے ہیں کہ اب تو ہم گھر گئے۔ چنانچہ سب کے سب خالص اللہ ہی کی اطاعت کا عہد کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں کہ ''اگر تو نے ہمیں اس آفت سے نجات دی تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے۔'' پھر جب اللہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ زمین میں، حق سے منحرف ہو کر، سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے انسانو، تمہاری سرکشی کی مصیبت تمہارے ہی اوپر آنے والی ہے۔ چند دن دنیا کی زندگی کا مزہ اٹھا لو۔ پھر تمہاری واپسی ہماری ہی طرف ہے۔ اس وقت ہم تمہیں تمہارے غلط کاموں سے آگاہ کر دیں گے[۱۹] ۲۱-۲۳

[۱۷] اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہر مصیبت ایک آزمایش ہے، اسی طرح ہر نعمت بھی ایک آزمایش ہے۔ اگر نعمت ملنے کے بعد انسان عیاشی شروع کر دے اور اپنے مال و دولت سے کمزور طبقات کے کام نہ آئے، تو یہ دراصل اللہ سے چال بازی ہے۔

[۱۸] یہاں ''رسول'' کا لفظ اپنے لغوی یعنی ''پیغام لے جانے والے'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ گویا یہاں اس سے مراد فرشتے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآن مجید بعض اوقات ایک ہی لفظ کو اصطلاحی معنی میں بھی استعمال کرتا ہے اور بعض دوسرے مقامات پر اسی لفظ کو لغوی معنی میں بھی استعمال کرتا ہے۔ سیاق و سباق (context) سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ایک لفظ کس خاص مقام پر، کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

[۱۹] اس آیت میں اوپر کی آیت کی تفصیل ایک مثال کے ذریعے سے کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ہر واقعے سے پوری ہوش مندی کے ساتھ سبق لے اور اسے تربیت کا ایک ذریعہ جانے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اسے آخرت یاد نہیں رہے گی۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ
حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا
فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا
يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ
جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ
الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

(آخرت کی جواب دہی کے احساس کے بغیر) اس دنیا کی زندگی کی مثال یوں ہے جیسے بارش کہ ہم نے اسے آسمان سے برسایا تو اس سے زمین کی نباتات، جسے انسان اور چوپائے سب کھاتے ہیں، خوب گھنی ہو گئیں۔ یہاں تک کہ زمین نے اس سبزے سے اپنا پورا بناؤ سنگھار کر لیا اور اس کے مالکوں نے گمان کر لیا کہ اب ہم اس کھیتی سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہیں تو یکا یک کسی رات کو یا دن کو (طوفان لانے کا) ہمارا حکم آ گیا اور ہم نے اسے ایسا غارت کر کے رکھ دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم غور کرنے والے لوگوں کے لیے اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔[۲۰]

اللہ امن وسلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔[21] وہ جس کو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔[22] جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کرلیا، ان کے لیے (آخرت میں بھی) بھلائی ہے اور اس پر اور بھی زیادہ۔ ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ان پر ذلت (مسلط ہوگی)۔ وہ جنت والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

جن لوگوں نے بدیاں کمائیں تو (آخرت میں) برائی کا بدلہ اس کے برابر ہوگا۔[23] وہاں ان مجرموں پر ذلت چھائی ہوگی۔ اللہ سے ان کو بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر (ایسی تاریکی چھائی ہوگی) جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوں۔ وہ دوزخ والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔[24] ۲۴-۲۷

[۲۰] اگر آخرت پر یقین موجود ہوتو دنیا کا ہر نقصان ایک اچھے انسان کو یہ امید دلاتا ہے کہ آخرت میں اس کا مداوا ہوگا۔ لیکن آخرت پر یقین کے بغیر دنیا کی زندگی ایسے نقصان کے بعد محض حسرت ویاس کی ایک تصویر بن جاتی ہے۔

[۲۱] آخرت تو ہے ہی امن وسلامتی کا گھر۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی صحیح ایمان وعمل انسان کو دلی اطمینان وسکون دیتا ہے۔

[۲۲] جو انسان بھی تعصب وانانیت کے بغیر حق کی تلاش کرتا ہے، اللہ اسے سیدھی راہ کی ہدایت دے دیتا ہے۔

[۲۳] آخرت میں نیکیوں کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا، جب کہ گناہوں کا بدلہ اس کے برابر دیا جائے گا۔

[۲۴] بعض جرائم ایسے ہیں جو انسان کو ہمیشہ کے لیے جہنم کا سزاوار بنا دیتے ہیں۔ ان جرائم کا ذکر قرآن مجید میں جگہ جگہ آیا ہے۔ پھر یہ اللہ پر منحصر ہے کہ وہ ان کے مرتکبین میں کس کو معاف کرتا ہے اور کب معاف کرتا ہے۔ یہاں زیر بحث معاملہ شرک کا ہے اور شرک عظیم ترین جرم ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ
شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ
لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا
يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ النصف
مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ
اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى

الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

ایک دن آئے گا جب ہم سب کو اکٹھا کریں گے۔ پھر ہم شرک کرنے والوں کو حکم دیں گے کہ تم اور تمھارے بنائے ہوئے شریک اپنی جگہ ٹھہرو۔ پھر ہم ان کے درمیان تفریق کردیں گے۔ ان کے شریک کہیں گے: ''تم ہم کو تو نہیں پوجتے تھے۔[۲۵] اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان گواہی کے لیے کافی ہے۔ ہم تمھاری عبادت سے بالکل ہی بے خبر تھے۔'' اس وقت ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پالے گا۔ لوگ اپنے حقیقی مالک کے حضور پیش ہوں گے اور جھوٹ گھڑ کے جو انھوں نے معبود بنائے تھے وہ سب ہوا ہو جائیں گے۔

(اے نبیؐ، ان سے) پوچھو کہ ''کون تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے۔ یہ سننے اور دیکھنے کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو ساری کائنات کا انتظام کر رہا ہے؟'' یہ مشرکین جواب دیں گے کہ ''اللہ''۔ تو (پھر ان سے) پوچھو کہ ''تم (اس اللہ سے) کیوں نہیں ڈرتے۔ وہی اللہ تو تمھارا حقیقی پروردگار ہے۔ حق (کے نہ ماننے) کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ آخر تمھاری عقل کہاں الٹ جاتی ہے؟[۲۶] اے نبیؐ! اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر پوری ہوچکی ہے جنھوں نے نافرمانی کی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔[۲۷] ۲۸-۳۳

[۲۵] یعنی تم نے تو اپنے جرائم کی معافی کے لیے ایک خود ساختہ نظریۂ شرک بنالیا تھا اور اس کے لیے محض ہمارا نام استعمال کرتے تھے۔

[۲۶] حضورؐ کے زمانے کے مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کائنات میں ایسی زورآور ہستیاں بھی موجود ہیں جو پروردگار کی سزا سے، ہمیں، بچاسکتی ہیں، اس لیے ہمیں ان ہستیوں کو خوش کرنا چاہیے۔ عام طور پر مشرکین کے عقائد ایسے ہی توہمات اور بے عقلی پر مبنی ہوتے ہیں۔

[۲۷] جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں، اگر وہ نافرمانی کے راستے پر مستقلاً چلتے رہیں تو ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب ان کے ایمان قبول کرنے کی صلاحیت ختم کردی جاتی ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى
تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى
الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ

إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ أَنْ
يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ
الْعَالَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ قف

(اے نبیؐ، ان مشرکین سے) پوچھو: ''کیا تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہو اور پھر اس کو دوبارہ بھی پیدا کرے؟''

(ان مشرکین سے) کہو: ''وہ صرف اللہ ہے جو تخلیق کا آغاز بھی کرتا ہے اور پھر (قیامت کے دن) دوبارہ تخلیق کرے گا۔ پھر تم کس الٹے راستے پر چلائے جا رہے ہو؟''

(ان مشرکین سے) پوچھو: ''کیا تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے، جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟''[28] (یقیناً تمھارے کسی معبود نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے ان سے) کہہ دو: ''وہ اللہ ہی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پھر سوچو کہ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو رہنمائی کے بغیر خود بھی راہ نہیں پاتے۔ آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے الٹے فیصلے کرتے ہو؟''

(حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر لوگ صرف قیاس وگمان کے پیچھے چل رہے ہیں۔ حالانکہ گمان حق کا بدل ذرا بھی نہیں ہوسکتا۔[29] جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

یہ قرآن کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی کے بغیر گھڑ لیا گیا ہو۔ بلکہ یہ تو تصدیق ہے، ان (پیشین گوئیوں) کی جو اس کے پہلے سے موجود ہیں[30] اور یہ الکتاب کی تفصیل ہے۔[31] اس کے رب العالمین کی طرف سے ہونے میں کسی شک کی گنجائش موجود نہیں ہے۔

۳۴-۳۷

[۲۸] حق کی طرف رہنمائی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے انسانوں پر وحی آئے، جس کے ذریعے سے وہ انسان کو سیدھا راستہ بتائے۔ وحی نام ہی اللہ کی طرف سے آنے والی چیز کا ہے۔

[۲۹] جس چیز پر انسان کی اس دنیا اور آخرت کی پوری زندگی کا دارومدار ہو، اسے دو جمع دو چار کی طرح واضح ہونا چاہیے۔ توہمات کی پیروی انسانوں کو تباہ کرکے رکھ دیتی ہیں۔

[۳۰] ان پیشین گوئیوں کی طرف اشارہ ہے جو تورات وانجیل میں آخری نبی حضورؐ کے بارے میں آئی ہیں۔ ان پیشین گوئیوں پر بحث سورۂ بقرہ میں ہو چکی ہے۔

[۳۱] یعنی اس ضابطۂ حیات کی تفصیل ہے، جس کی اب قیامت تک کے لیے انسانوں کو پیروی کرنی چاہیے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾
بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۴۰﴾
وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴۱﴾

کیا یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اس شخص نے خود گھڑ لیا ہے۔

اے نبی، ان سے کہو: ”اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورہ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور اللہ کے ماسوا جس کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو، بلا لاؤ۔“[۳۲]

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس چیز کو جھٹلا رہے ہیں جو ان کے علم کی گرفت میں نہیں آتی اور جس کی حقیقت ابھی ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوئی۔[۳۳] اسی طرح ان سے پہلے رسولوں کی قومیں بھی جھٹلا چکی ہیں۔ پھر دیکھ لو کہ ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔[۳۴]

ان مشرکین میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ تیرا رب مفسدوں سے خوب واقف ہے۔[۳۵] اے نبیؐ! اگر یہ تجھے جھٹلاتے ہیں تو ان سے کہہ دو: ”میرے لیے میرا عمل اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔ میرے عمل کی ذمہ داری سے تم بری ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے میں بری ہوں۔“[۳۶] ۳۸-۴۱

[۳۲] اگر تمھارے خیال میں یہ کسی انسان کے بس کی بات ہے تو تم سب مل کر کوئی ایسا کلام پیش کرو جو اس کے برعکس کوئی کائناتی حقیقت بیان کر رہا ہو، انسانوں کو انفرادی و اجتماعی قانون دے رہا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا عظیم الشان لہجہ بھی استعمال کر رہا ہو۔

[۳۳] یعنی یہ مشرکین جو باتیں مخالفت میں کر رہے ہیں، یہ محض سطحی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن حضورؐ کے ان براہ راست مخاطبین کو جو دھمکی دے رہا ہے کہ اس رسول کے نہ ماننے کے نتیجے میں تمھیں دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی عذاب ملے گا، یہ بات ابھی ان کا ذہن قبول نہیں کر رہا، اس لیے کہ اس سزا کا کوئی نمونہ ابھی ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوا۔

[۳۴] ان مشرکین کو چاہیے کہ عقل وفہم اور سوچ بچار کی بنیاد پر رسولوں کی پچھلی تاریخ سے سبق لیتے ہوئے یہ بات مان لیں۔ ورنہ جب سزا شروع ہوگی تو پھر ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

[۳۵] ان مشرکین کو یہ مہلت اس لیے دی جارہی ہے کہ جن کے دلوں میں احساس وشعور ہو، وہ ایمان لے آئیں اور دوسری طرف صرف مفسدین رہ جائیں۔

[۳۶] اگر تم انجام کا انتظار کرنا ہی چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ ہم اپنے اپنے عمل کیے جائیں گے حتیٰ کہ نتیجہ سامنے آجائے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ
اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ
خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

(اے نبی)، ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو تمھاری بات پر کان دھرتے ہیں۔ تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں؟ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو تمھاری طرف نظر کرتے ہیں تو اب کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے خواہ وہ کچھ بھی دیکھ نہ رہے ہوں؟[۳۷] حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔[۳۸]

جس دن اللہ ان مشرکین کو اکٹھا کرے گا، (اس دن وہ محسوس کریں گے کہ) گویا بس وہ دن کی ایک ساعت (دنیا میں) رہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ یقیناً نقصان میں رہے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی ملاقات (یعنی روز آخرت) کو جھٹلایا اور ہدایت حاصل کرنے والے نہ بنے۔

جن بُرے نتائج سے ہم ان مشرکین کو ڈرا رہے ہیں، خواہ اس کا کوئی حصہ (اے نبیؐ تیرے جیتے جی) دکھا دیں یا اس سے پہلے تمھیں وفات دے دیں،[۳۹] بہرحال ان کی واپسی ہماری ہی طرف ہوگی۔ جو کچھ یہ کررہے ہیں، اس پر اللہ گواہ ہے۔ ۴۲-۴۶

[۳۷] یعنی جو لوگ آپؐ کی طرف دھیان دیتے ہیں، وہی آپؐ کی توجہ کے مستحق ہیں۔

[۳۸] جو نہیں سنتے اور نہیں مانتے، وہ درحقیقت خود اپنے اوپر ظلم کررہے ہیں۔ آپؐ کو ان کے غم میں ہلکان نہیں ہونا چاہیے۔

[۳۹] رسولوں کے ضمن میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ یا تو ان کی زندگی ہی میں ان کو غلبہ مل جاتا ہے اور ان کے مخالفین کو فیصلہ کن شکست ہو جاتی ہے یا ان کے اٹھائے جانے کے بعد یہ کام ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے وقت میں ہوا۔ یہاں قرآن مجید اسی قانون کو بیان کر رہا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ
هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ
أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ
نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾
ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾

ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔ پھر جب (کسی امت کے پاس) اس کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔[۴۰]

یہ مشرکین کہتے ہیں: ''اگر تمھاری دھمکی سچی ہے تو وہ کب پوری ہوگی۔'' (اے نبیؐ، ان سے) کہو: ''میں تو اپنی ذات کے معاملے میں بھی کسی نفع یا نقصان پر اختیار نہیں رکھتا۔ سب کچھ اللہ ہی کی مرضی پر موقوف ہے۔ (قانون یہ ہے[۴۱] کہ) ہر امت کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے۔ پھر جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو پھر وہ ایک ساعت بھر آگے پیچھے نہیں ہوتی۔''

(اے نبی، ان مشرکین سے) کہو: ''(کبھی تم نے سوچا کہ) اگر اللہ کی سزا تم پر اچانک رات کو آ جائے تو وہ کیا چیز ہے جس کے بل پر مجرمین جلدی مچائے ہوئے ہیں؟ کیا جب وہ عذاب تم پر آ جائے۔ اس وقت تم اس کو مانو گے؟'' (جب وہ سزا اسی دنیا میں ان پر آ جائے گی تو بزبان حال ان سے کہا جائے گا کہ) ''اب تم اسے مان رہے ہو۔ کیا تم اسی کے لیے جلدی مچا رہے تھے؟'' پھر (قیامت کے دن) ان ظالموں سے کہا جائے گا: ''اب ہمیشہ کے عذاب کو چکھو۔ یہ تمھاری اپنی کمائی کا تمھیں بدلہ مل رہا ہے۔'' ۴۷-۵۲

[۴۰] جس بھی قوم کے پاس رسول بھیجا جاتا ہے تو اس قوم کو رسول کی زبانی پہلے دن سے ہی واضح طور پر خبردار کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن اس موقع پر مشرکین عرب کو خبردار کر رہا ہے۔ اس قوم کو بتا دیا جاتا ہے کہ تمھیں ایک مہلت ملے گی جس کے گزرنے کے بعد پورے انصاف کے ساتھ اسی دنیا میں معاملہ چکا دیا جائے گا۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا اور منکرین حق کو ان کے جرم کے تناسب سے سزا دی جائے گی۔ آخرت کی سزا اس سے الگ ہے۔

حضورؐ کی دو بعثتیں تھیں۔ایک بعثت خاص جو خالصتاً سرزمین عرب کے لیے تھی۔وہ لوگ حضورؐ کے براہ راست مخاطبین تھے اور انھی کے لیے دنیوی سزا کی دھمکی بھی تھی۔

حضورؐ کی دوسری بعثت کو بعثت عام کہا جاتا ہے۔اس حیثیت میں حضورؐ کا پیغام قیامت تک کے انسانوں کے لیے ہے۔چونکہ عام انسانوں کو دین کا پیغام حضورؐ کی زبانی نہیں ملا،اس لیے ان کا فیصلہ آخرت میں ہوگا۔

[۴۱] یعنی اب یہ اللہ پر منحصر ہے کہ تم لوگوں کو کتنی مہلت ملتی ہے۔

وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؔ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ

ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا

یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ

هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

یہ مشرکین پوچھتے ہیں کہ کیا (قیامت کی) بات واضح سچ ہے؟ (اے نبی، ان سے) کہو: ”میرے رب کی قسم، یہ بالکل سچ ہے۔(اس وقت) تم قابو سے باہر نہ نکل سکو گے۔(اس وقت) ہر ظلم کرنے والا زمین کی ساری دولت تاوان میں دینا چاہے گا، تاکہ سزا سے بچ جائے۔ جب وہ لوگ اس عذاب کو دیکھ لیں گے تو پچھتائیں گے۔ان کے درمیان پورے انصاف سے فیصلہ ہوگا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔“

سنو! آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔سنو! اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن ان مشرکین میں اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔وہی زندگی بخشتا ہے۔وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم (قیامت) میں لوٹائے جاؤ گے۔

اے لوگو، تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔سینوں میں جو کچھ ہے، (یہ قرآن) اس کی شفا ہے[۴۲] اور جو لوگ اسے قبول کرلیں ان کے لیے رہنمائی ورحمت ہے۔

اے نبیؐ، کہہ دو: ”اس (قرآن مجید کا نزول) اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔چاہیے کہ اس پر لوگ بہت خوش ہوں[۴۳]۔یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جسے یہ لوگ (اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں) سمیٹ رہے ہیں۔“ ۵۳-۵۸

[۴۲] ادب کی زبان میں دل وسینہ سے مراد ذہن ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ ''میں نے دل میں سوچا۔'' ''سینوں میں جو کچھ ہے'' سے مراد انسانی نفس و ذہن کا وہ داعیہ (instinct) ہے جو اسے جائز و ناجائز کی تمیز کے بغیر ہر لذت کے فوری حصول پر آمادہ کرتا ہے۔ نیز اس سے مراد ذہن میں اٹھنے والے وہ سوالات ہیں جن کا جواب انسان کو صرف وحی دے سکتی ہے، مثلاً خالق، آخرت، خالق اور مخلوق کا باہمی تعلق، اخلاقی حدود و قیود وغیرہ۔ قرآن مجید ان سب امور کا تسلی بخش جواب دے کر ذہن کی پاکیزگی یعنی شفا کا کام دیتا ہے۔

[۴۳] قرآن مجید ہمیں کائنات اور انسان کی حقیقت بتا دیتا ہے۔ وہ ہم پر ایسی قیود لگاتا ہے جن کی برضا ورغبت پیروی سے انسان کی زندگی خوشی واطمینان سے بھر جاتی ہے۔

قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ
تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ
وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْہُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ
اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُھُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْہِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ
وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرَ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ
یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ؕ لَا
تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾

(اے نبیؐ)، ان مشرکین سے پوچھو: ''اللہ نے تمھارے لیے جو رزق اتارا، تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ کیا اس کا حکم تمھیں اللہ نے دیا تھا یا تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو؟[۴۴] جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں ان کا کیا گمان ہے کہ قیامت کے دن ان سے کیا معاملہ ہوگا؟''

اللہ انسانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے، لیکن ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد شکرگزار نہیں ہے۔

(اے نبی)، تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہو اور اے لوگو! جو کام بھی تم کرتے ہو، ان سب کے وقت ہم تمھارے پاس موجود ہوتے ہیں۔ تیرے رب سے ذرا برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں، نہ زمین میں نہ آسمان میں، نہ چھوٹی نہ

بڑی۔ یہ سب کچھ ایک واضح رجسٹر میں درج ہو رہا ہوتا ہے۔

سنو، اللہ کے دوستوں کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا، دنیا اور آخرت، دونوں زندگیوں میں ان کے لیے خوش خبری ہے[۴۵]۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۵۹-۶۴

[۴۴] ہر مشرکانہ مذہب میں توہمات کی بنیاد پر حرام وحلال کے کئی قاعدے بنائے گئے ہوتے ہیں جن کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہوتی۔ اسی طرح مشرکین عرب کے ہاں بھی حرام وحلال کے عجیب وغریب ضابطے تھے۔ ان کی تفصیل قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر آئی ہے۔

[۴۵] ایک انسان جب صدق دل سے ایمان لے آتا ہے تو اس کا ذہن اطمینان سے بھر جاتا ہے۔ اور پھر جب وہ اسلام کے قوانین پر عمل کرتا ہے تو اسے دین کی پیروی میں بے انتہا لطف آتا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي (وقف لازم)
الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾
هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا
اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ
بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ ط
مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ ع (الثلث)

(اے نبیؐ)، مشرکین کی باتیں تم کو غم میں نہ ڈالیں۔ عزت ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے[۴۶] وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اے انسانو، آگاہ رہو، آسمان وزمین میں سب کچھ اللہ کا ہے۔ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ صرف وہم وگمان کی پیروی کر رہے ہیں اور محض اٹکل کے تیر تکے چلاتے ہیں۔ وہی اللہ ہے جس نے تمھارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا۔ بے شک، اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو بات کو سنتے ہیں۔

یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے[۴۷]۔ وہ ایسی باتوں سے پاک ہے۔ وہ تو بے نیاز ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اسی کا ہے۔ تمھارے پاس اس بات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے؟

(اے نبی)، کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (ان کے لیے تو بس) دنیا میں چند دن کا فائدہ اٹھالینا ہے۔ پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہوگی۔ اور پھر ہم ان کے حق سے انکار کے نتیجے میں ان کو سخت سزا کا مزہ چکھائیں گے۔ ۶۵-۷۰

[۴۶] جب قرآن مجید میں اس طرح کی آیات نازل ہوتی تھیں کہ اس سرزمین میں حضورؐ کی زندگی میں یا ان کی وفات کے بعد اسلام کا مستقل غلبہ قائم ہوگا تو مشرکین اس بات کا بہت مذاق اڑاتے تھے، کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اس طنز و مذاق سے حضورؐ کو بہت دکھ ہوتا تھا، چنانچہ قرآن مجید نے کئی مقامات پر حضورؐ کے لیے تسلی کے کلمات کہے۔

[۴۷] مشرکین عرب اپنے اوہام کے تحت فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہتے تھے۔ یہ اسی کا بیان ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وقف لازم
فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا
تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا
كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

(اے نبیؐ)! ان کو نوحؑ کی کے حالات سناؤ[۴۸] جب اس نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اگر میرا تمھارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات کی نصیحت تم پر ناقابلِ برداشت ہوگئی ہے تو میں نے بس اللہ پر بھروسا کیا۔ تم ایک اجتماعی فیصلہ کرلو اور اپنے شرکا کو بھی ساتھ ملالو۔ پھر اپنے فیصلہ میں کوئی تذبذب باقی نہ رہنے دو، میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو، کرگزرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ اگر تم میری نصیحت سے منہ موڑو گے تو میں نے تم سے کوئی اجر نہیں مانگا۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے بنوں۔''

نوحؑ کی قوم نے اسے جھٹلایا، چنانچہ ہم نے نوحؑ کو اور اس کے ساتھ اُس کشتی میں سوار لوگوں کو نجات دی، انھی کو جانشین بنایا اور ان سب

لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔

پس دیکھ لو! ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا۔[۴۹] پھر نوحؑ کے بعد ہم نے مختلف رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا۔ وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، مگر یہ لوگ اس چیز پر ایمان لانے والے نہ بنے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں[۵۰] ۷۳-۷۴

[۴۸] یہ تاریخ مشرکین کو اس لیے بتائی جا رہی ہے کہ اس کے آئینے میں وہ اپنے طرزِ عمل پر غور وفکر کر لیں اور ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضورؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں، یہ تاریخ اس سے پہلے بھی کافی مرتبہ اس زمین پر دہرائی جا چکی ہے۔

[۴۹] یعنی جو انجام اپنے رسول کو نہ ماننے والی اقوام کا ہوا تھا، وہی انجام ان مشرکین کا بھی ہوگا جو براہ راست اسلام کی دعوت اور مہلت ملنے کے باوجود حضورؐ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

[۵۰] جب اللہ اپنے علم کے مطابق جان لیتا ہے کہ اب اس شخص کے اندر قبول حق کی صلاحیت بالکل ختم ہو چکی ہے تو اسی دنیا کی زندگی میں اس کے متعلق فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے قبول حق کی صلاحیت واپس لے لی جاتی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا
مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ
لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ
نَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ
سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا
جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ
بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

پھر[۵۱] ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا، مگر انھوں نے غرور کیا۔ وہ

مجرم لوگ تھے۔ پس جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو انھوں نے کہا: ''یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔'' موسیٰؑ نے کہا: ''کیا تم حق کو جادو کہتے ہو، جبکہ وہ تمھارے سامنے آ گیا۔ بھلا یہ جادو ہے۔ جادوگر تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔'' [۵۲]

انھوں نے جواب میں کہا: ''کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اس طریقے سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور اس ملک میں تم دونوں بڑے بن جاؤ؟ ہم تو تم دونوں کو کبھی ماننے والے نہیں۔'' [۵۳]

پھر فرعون نے حکم دیا: ''سارے ماہر جادوگروں کو میرے پاس حاضر کرو۔''

جب جادوگر آ گئے تو موسیٰؑ نے ان سے کہا: ''جو کچھ تمھیں پیش کرنا ہے، پیش کرو۔'' پھر جب انھوں نے اپنا ڈھونگ پیش کیا تو موسیٰؑ نے کہا کہ ''جو کچھ تم لائے ہو، یہ جادو ہے۔ بے شک، اللہ اس کو نیست و نابود کر دے گا۔ اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دیتا۔ اللہ اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کرتا ہے خواہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔'' ۷۵-۸۲

[۵۱] حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی تاریخ کے چند گوشے یہاں اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ جس طرح فرعون اور اس کے درباری غرق ہوئے، اسی طرح مشرکین بھی ختم ہو جائیں گے۔

[۵۲] یعنی جادوگر اس طرح کے چیلنج کبھی نہیں دے سکتے۔ وہ تو محض تھوڑی سی رقم حاصل کرنے کے لیے شعبدہ بازی کرتے رہتے ہیں۔

[۵۳] فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف سے یہ ایک خطرناک سیاسی الزام تھا۔ اس الزام کے ذریعے سے وہ چاہتا تھا کہ اس کی اپنی قوم یعنی قبطی بلحاظ مجموعی اس کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کے خلاف کھڑے ہو جائیں۔ سرزمین عرب میں ابوجہل بھی حضورؐ کے خلاف یہ الزام لگاتا تھا کہ یہ شخص ہمارے قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہے۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي
الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰی يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ
مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ
الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً
وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى

یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

(ابتدا میں) موسیٰؑ کو اس کی قوم کے محض چند نوجوانوں نے مانا،[۵۴] (دوسرے لوگ اس وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ وہ) فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے تھے کہ وہ ان کو کسی آزمایش میں ڈال دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ فرعون اس سرزمین میں نہایت سرکش اور حد سے بڑھ جانے والوں میں تھا۔[۵۵]

موسیٰؑ نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسا کرو اگر تم اپنے آپ کو اس کے حوالے کر چکے ہو۔'' وہ بولے: ''ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا۔ اے ہمارے رب، ہمیں ظالموں کے ظلم کا شکار نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو ان حق سے انکار کرنے والوں سے نجات دے دے۔''

ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ ''اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر مخصوص کر لو، ان گھروں کو قبلہ ٹھہراؤ، نماز کا اہتمام کرو اور ایمان والوں کو بشارت دے دو۔''[۵۶]

موسیٰؑ نے دعا کی: ''اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت اور مال و اسباب سے نوازا ہے۔ (کیا یہ اس لیے ہے) کہ وہ لوگوں کو تیری راہ میں بھٹکائیں؟ اے رب، ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو یوں بند کردے کہ جب تک وہ دردناک سزا نہ دیکھ لیں تب تک ایمان نہ لائیں۔''[۵۷]

اللہ نے فرمایا: ''تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ ثابت قدم رہو اور بے علم لوگوں کے راستے کی پیروی ہرگز نہ کرو۔''[۵۸] ۸۳-۸۹

[۵۴] پرخطر زمانے میں حق کا ساتھ دینے کی جرات عموماً نوجوان ہی کرتے ہیں۔ حضورؐ پر بھی ابتدا میں چند نوجوان ہی ایمان لائے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے ابتدائی دور میں بنی اسرائیل کے صرف چند نوجوانوں ہی کو یہ حوصلہ ہوا کہ وہ ان پر ایمان لے آئیں۔

[۵۵] فرعون واقعۃً اتنا ظالم اور سرکش تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کے قتل کا حکم دے رکھا تھا۔

[۵۶] نماز باجماعت دین کا اہم ترین ستون ہے۔ فرعونیوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ہاں یہ انتظام درہم برہم ہو چکا تھا چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے مختلف جگہوں میں مخصوص گھروں کو مساجد کا درجہ دے دیا اور باقی لوگوں کو ہدایت کی کہ نماز پڑھتے وقت اس کی طرف منہ کر لیا کریں۔

[۵۷] یہ اس وقت کی دعا ہے جب حضرت موسیٰؑ فرعون اور اس کے درباریوں کو دین کی دعوت مکمل طور پر پہنچا چکے تھے اور اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ انھوں نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا، بلکہ وہ بنی اسرائیل پر ایمان لانے کی پاداش میں بہت ظلم و ستم توڑ رہے تھے۔ چنانچہ اس وقت حضرت موسیٰؑ نے یہ دعا کی تا کہ وہ بنی اسرائیل کو اس ظلم سے بحفاظت وادی سینا لے جائیں اور یہ سزا بنی اسرائیل کے لیے آیندہ بہتر طرزِ عمل کی دلیل ٹھہرے۔

[۵۸] بنی اسرائیل کے اندر بہت سے بے صبرے، جلد باز اور بزدل بھی موجود تھے جو ہر وقت حضرت موسیٰؑ پر نکتہ چینیاں کرتے رہتے تھے۔ انھی کو یہاں ''بے علم'' کہا گیا۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ
اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ
وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا
حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرادیا۔ پھر فرعون اور اس کا لشکر ظلم وزیادتی کی غرض سے ان کے پیچھے چلا۔ حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بولا کہ ''میں اسی اللہ پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں فرمانبرداروں میں سے بنتا ہوں۔'' (جواب دیا گیا:) ''کیا اب، حالانکہ تم نے اس سے پہلے نافرمانی کی اور تم فساد برپا کرنے والوں میں سے تھے۔ پس آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے نشانی بنے۔''[۵۹] اگرچہ بہت سے انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غافل ہی رہتے ہیں۔[۶۰]

ہم نے بنی اسرائیل کو (اس واقعے کے بعد) عزت کا ٹھکانا دیا اور انھیں پاکیزہ رزق دیا۔ پھر جب ان کے پاس ''العلم'' آگیا، تب انھوں نے آپس میں اختلاف کیا۔[۶۱] یقیناً تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کردے گا جس میں وہ باہم اختلاف کرتے رہے۔ ۹۰-۹۳

[۵۹] فرعون کی لاش کو سمندر نے قبول نہیں کیا، بلکہ اس کو نشان عبرت بنانے کے لیے باہر پھینک دیا۔ بعد کے لوگوں نے اس کی لاش کو، مقامی رسم کے مطابق ممی کر کے محفوظ کردیا۔ یہ لاش آج بھی قاہرہ کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔

[۶۰] ہر دور کے فرعونوں کے لیے یہ ایک داستان عبرت ہے، لیکن انسان بہت کم اپنے ماضی سے سبق سیکھتے ہیں۔

[۶۱] جس طرح ہمارے پاس قرآن وسنت موجود ہے، اسی طرح بنی اسرائیل کے پاس تورات اور حضرت موسیٰؑ کی ہدایات موجود تھیں۔ بجائے اس کے کہ وہ ان دونوں چیزوں پر متحد رہتے، انھوں نے بلاضرورت اختلاف کے نئے نئے راستے نکالے اور ان کی بنیاد پر علیحدہ علیحدہ فرقے بنا ڈالے۔ اگر وہ

''العلم'' کو بنیاد قرار دیتے، اس پر متحد رہتے اور اختلافات کو محض ضمنی (Secondary) ہی رکھتے تو ان پر اللہ کا فضل جاری رہتا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى
يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۗ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا
عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

(اے نبیؐ)! اگر تجھے اس ہدایت کی طرف سے کچھ بھی شک ہو، جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے[۶۲] تو ان لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے سے کتاب پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ یقیناً یہ تیرے رب کی طرف سے تم پر حق ہی نازل ہوا ہے[۶۳] پس تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو اور ان لوگوں میں بھی نہ شامل ہونا جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ہے، ورنہ تم بھی نامرادوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اے نبیؐ، بے شک جن لوگوں پر تیرے رب کی بات پوری ہو چکی ہے، ان کے پاس اگر ساری نشانیاں بھی آجائیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک سزا کو سامنے آتا نہ دیکھ لیں[۶۴]۔ پھر کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی سزا دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیے نفع بخش ثابت ہوا ہو، سوائے یونسؑ کی قوم کے۔[۶۵] یونسؑ کی قوم جب ایمان لے آئی تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کی سزا کو دور کر دیا[۶۶] اور ان کو ایک مدت تک (دنیا میں) رہنے بسنے کا موقع دیا۔[۶۷] ۹۴-۹۸

[۶۲] یہ قرآن مجید کا ایک خوب صورت اسلوب (style) ہے کہ بعض باتیں جو دوسروں کو سنانی ہوتی ہیں، وہ حضورؐ کو خطاب کر کے کہہ دی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

[۶۳] بائیبل کے وہ حصے جہاں کوئی پیغمبر اللہ کی طرف سے کوئی بات کرتا ہے یا اللہ کی حمد وثنا کرتا ہے اور اسی طرح انجیل کے وہ حصے جن میں حضرت عیسیٰؑ کے مختلف خطبے نقل کیے گئے ہیں، ان میں اور قرآن مجید میں زبان وبیان کے اعتبار سے حیرت انگیز ہم آہنگی ہے۔ اگر کوئی انسان ان تینوں کا غور سے مطالعہ کرے تو وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ ان تینوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں سرزمین عرب کے بہت سے اہل کتاب علما نے اسی کو دیکھتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا۔

[۶۴] رسول کی طرف سے حق کی دعوت پوری طرح ملنے کے باوجود جولوگ اس کی طرف سے بالکل اندھے اور بہرے بن جاتے ہیں، ان کے دلوں پر اللہ مہرلگا دیتا ہے۔ جس کے بعد ان کے ایمان لانے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں جن ''نشانیوں'' کی بات کی گئی ہے، اسے آگے آیت نمبر ۱۰۱ میں کھولا گیا ہے۔

[۶۵] قوم یونسؑ کے ساتھ خصوصی معاملہ اس وجہ سے ہوا کہ حضرت یونسؑ نے اللہ کا حکم آنے سے پہلے ہی ہجرت کر لی۔ ان کے ناراض ہو کر چلے جانے کے بعد ساری قوم کو ہوش آیا اور سب لوگوں نے اپنے بادشاہ کے ساتھ مل کر اللہ سے توبہ و استغفار کی۔ اس توبہ کی وجہ سے یہ قوم اس سزا سے محفوظ رہی جو رسولوں کی نافرمانی کرنے والی قوموں پر اللہ کی طرف سے خصوصی طور پر اسی دنیا میں نازل ہوتی ہے۔

[۶۶] یہ رسوائی کی وہی سزا ہے، جو رسول کی نافرمان قوموں کو اس دنیا میں اللہ کی عدالت سے ملتی ہے۔

[۶۷] یعنی اس خصوصی سزا سے قوم یونس بچ گئی اور پھر دنیا کے جن عام قوانین کے تحت قوموں کے عروج و زوال کا فیصلہ ہوتا ہے، اسی کے تحت ان کا بھی بعد میں فیصلہ ہوا۔ جن اقوام میں جمہوریت، انصاف اور امانت و دیانت کی اقدار (values) جتنی زیادہ ہوں، اتنا ہی وہ اقوام زوال سے بچی رہتی ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا

مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا

مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

(اے نبی)، اگر تیرا رب چاہتا تو زمین کے سب لوگ ایمان قبول کر لیتے۔ (لیکن اللہ نے اس معاملے میں لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے) تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن بن جائیں؟ کوئی بھی شخص اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا۔ (اس معاملے میں اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ) جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، صرف انھی پر اللہ (حق سے انکار کی) گندگی لا دیتا ہے۔[۶۸]

(اے نبیؐ)، ان لوگوں سے کہو: ''آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے اس کو آنکھیں کھول کر دیکھو۔'' لیکن جو لوگ ایمان نہیں لانا چاہتے، ان کے لیے یہ نشانیاں اور تنبیہیں کیا مفید ثابت ہو سکتی ہیں؟[۶۹] کیا اب یہ حق کے منکر اسی طرح کے ایک دن کا انتظار کر رہے ہیں جس طرح کے سزا والے دن ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو پیش آئے؟ (اے نبیؐ! ان سے) کہہ دو: ''اچھا، انتظار کرو۔ میں بھی

تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔'' پھر (جب سزا کا وہ بڑا دن آتا ہے تو) ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کو نجات دے دیتے ہیں۔ ہم پر (ان مومنین کا) حق ہے کہ ہم ان کو نجات دیں۔۹۹-۱۰۳

[۶۸] اس دنیا میں سبھی کچھ اللہ کے حکم یا اس کی اجازت سے ہوتا ہے۔ اگر اللہ سارے لوگوں کو بزور سیدھے راستے پر چلانا چاہتا تو اس کا صرف ایک حکم ہی اس کے لیے کافی تھا۔ لیکن اللہ نے یہ دنیا انسانوں کی آزمایش کے لیے بنائی ہے۔ جو لوگ بھی اس دنیا میں عقل سے کام لیتے ہیں، اللہ ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ جو لوگ عقل وفہم سے کام نہیں لیتے اور اپنے جذبات وتعصبات کے پیچھے چلتے رہتے تھے، اللہ ان کے لیے اسی راستے کی اجازت دے دیتا ہے۔

[۶۹] عقل وفہم رکھنے والوں کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ کسی معجزے کو دیکھ کر ہی ایمان لائیں گے۔ ان کے لیے تو زمین وآسمان کی ہر چیز توحید کی نشانی ہے اور پچھلے رسولوں کی قوموں کے واقعات حضورؐ کی رسالت کی نشانی ہیں۔ ضمناً یہاں قرآن نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ حضورؐ پر اس طرح کا کوئی معجزہ نازل نہیں ہوگا جس طرح کے معجزے بعض دوسرے رسولوں، مثلاً حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیے گئے تھے۔ معجزہ درحقیقت صرف اسی وقت کسی رسول کو دیا جاتا ہے جب اسے ایک بڑے دشمن (مثلاً حضرت موسیٰؑ کے معاملے میں فرعون) سے بچانا مقصود ہو، یا کسی قوم پر اتمام حجت ہو چکا ہو اور اب اسے آخری نشانی دکھانے کے بعد سزا دینا مطلوب ہو۔ چونکہ سرزمین عرب کے متعلق اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہاں سے ایک نئی امت مسلمہ اٹھائی جائے گی، اس لیے معجزے کا نزول مناسب نہیں تھا۔

[۷۰] رسولوں کی نافرمان اقوام پر پہلے بھی عذاب کے بُرے دن آئے تھے اور حضورؐ کی دعوت پر جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور اس سے دشمنی کریں گے، ان پر بھی یہ دن آ کر رہے گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ رسول کو کبھی بھی دشمنان حق نقصان نہیں پہنچا سکتے اور آخر میں رسول اور اس کے ساتھ اہل ایمان کو اس دنیا میں نجات اور غلبہ مل جاتا ہے۔

قُلْ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ دِينِي فَلَآ أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ
أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ
وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٥﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ
إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِ ۚ
يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿١٠٨﴾
وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

(اے نبی)، کہہ دو کہ اے مشرک لوگو، اگر تم ابھی تک میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہوتو سن لو[۷۱] کہ تم اللہ کے سوا جس کو پوجتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں صرف اسی اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمھیں موت دیتا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے بنوں۔ (مجھے یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ) ''تم اپنا رخ یکسو کر کے اپنے آپ کو ٹھیک اس دین پر قائم رکھو[۷۲] اور مشرکوں میں سے نہ ہونا۔ اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو (اور اس سے دعا مت مانگو) جو نہ تم کو نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر تم ایسا کرو گے تو بے شک تم ظالموں میں سے بن جاؤ گے۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس کو دور کر سکے اور اگر وہ تیرے لیے کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

(اے نبیؐ)، کہہ دو: ''لوگو، تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس حق آچکا ہے۔ اب جو ہدایت قبول کرے اس کا یہ طرزِ عمل خود اسے ہی فائدہ پہنچائے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی خود اسی کے لیے تباہ کن ہے۔ میں تمھارے ایمان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

(اے نبیؐ)، تم اسی وحی کی پیروی کرتے جاؤ جو تم پر نازل ہو رہی ہے۔ اور صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے[۷۳]۔ ۱۰۴-۱۰۹

[۷۱] بعض مشرکین کو یہ غلط فہمی تھی کہ یہ شخص اپنے لیے کچھ مفادات چاہتا ہے۔ اگر وہ اس کو مل جائیں تو اس کی باتوں میں نرمی آجائے گی۔ یہاں قرآن نے اس غلط فہمی کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے۔

[۷۲] 'اقم وجھك' کا لفظی ترجمہ ہے: ''اپنا چہرہ جمادے۔'' حنیف کا مطلب ہے وہ انسان جو سب سے منہ موڑ کر کسی ایک طرف بالکل یکسو ہو جائے۔ ہر بندۂ مومن سے دین کا یہی مطالبہ ہے۔

[۷۳] اس فیصلہ کن آخری آیت میں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ حضورؐ وحی کی روشنی میں اپنا کام کرتے چلے جائیں گے اور صبر و استقامت کے ساتھ نتیجے کا انتظار کریں گے۔ آخری فیصلہ اللہ کرے گا اور اللہ کا فیصلہ وہی ہوگا جو اس سورہ میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس آیت کے ساتھ یہ عظیم سورہ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

سورۂ ہود مکیّۃ

[۱۱]

نام

چونکہ اس سورہ میں حضرت ہودؑ کا واقعہ بھی آیا ہے، اس لیے اسے اسی نام سے موسوم کیا گیا۔

زمانۂ نزول اور موضوع

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سورہ، سورۂ یونس سے بالکل متصل ہی نازل ہوئی ہو۔ سورۂ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات کی طرف صرف اشارہ کیا گیا تھا، اس سورہ میں ان کا ذکر نسبتاً تفصیل سے کیا گیا ہے۔ وہاں توحید پر زیادہ زور تھا اور یہاں مختلف رسولوں اور ان کی نافرمان اقوام پر بھیجے گئے عذاب کا ذکر کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگر کسی رسول کے براہ راست مخاطبین اس کی بات نہ مانیں تو بدرجۂ آخر ان کو اس دنیا میں بھی ایک سخت سزا ملتی ہے۔ اس طرح سے یہ سورہ دلیل رسالت محمدیؐ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں اخلاقیات کے مباحث بھی نسبتاً تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔

سُورَةُ هُودٍ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط اِنَّنِيْ لَكُمْ

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ

مَرْجِعُكُمْ ط وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ط اَلَا حِيْنَ

يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ لا يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ج اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

[پارہ نمبر12]

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ فِيْ كِتَابٍ

مُّبِيْنٍ ﴿۶﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ال ر۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی[1] کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔

(اے نبیؐ، کہہ دو:) "میں اس کی طرف سے تمھارے لیے خبردار کرنے والا بھی ہوں اور خوش خبری دینے والا بھی۔ اگر تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو تو وہ تم کو ایک خاص وقت تک زندگی کا اچھا سامان دے گا[2] اور فضل کے مستحق ہر فرد کو اپنے فضل سے نوازے گا۔ لیکن اگر تم منہ موڑو گے تو میں تم پر ایک ہول ناک دن کی سزا کا اندیشہ رکھتا ہوں[3] تم سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

دیکھو تو سہی! یہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں[۴] کہ اللہ سے چھپ جائیں۔ آگاہ رہو، یہ (اُس وقت بھی اس کی نظر میں ہوتے ہیں) جب یہ اپنے اوپر کپڑے لپیٹتے ہیں[۵]۔ اللہ ان کی چھپائی گئی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ان کی ظاہر کی گئی باتوں کو بھی۔ وہ تو سینوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔ زمین کے ہر جان دار کا رزق اللہ ہی کے ذمے ہے[۶]۔ اللہ جانتا ہے ہر جان دار کے رہنے کی جگہ اور اس کے دفن ہونے کی جگہ کو۔ یہ سب کچھ ایک واضح کتاب میں درج ہوتا ہے۔ ۱-۶

[۱] 'احکمت' کا مطلب کسی چیز کو اچھی طرح مضبوط کرنا ہے۔ یعنی قرآن کی تعلیمات مختصر اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں اور پھر اسی قرآن میں ان کی پوری تفصیل کی گئی۔ مثلاً سورۂ اخلاص میں توحید کا بیان انتہائی جامع انداز میں ہوا اور مختلف دوسری جگہوں پر ان کی تفصیل کی گئی۔

[۲] یعنی اگر سرزمین عرب کے یہ لوگ حضورؐ کی بات پر ایمان لے آئیں گے تو اس کے نتیجے کے طور پر آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ اللہ انھیں دنیا میں بھی عزت دے گا۔ رسول کی براہ راست مخاطب اقوام کے ساتھ یہ اللہ کا اضافی وعدہ ہوتا ہے۔

یہاں ''ایک خاص وقت تک'' کی قید اس لیے لگائی گئی کہ جب رسولؐ کا عہد اور اس کے براہ راست مخاطبین اس دنیا سے اٹھ جائیں گے تو پھر ان کے ساتھ ان عام اجتماعی قوانین کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا جو دنیا میں اقوام کے عروج وزوال سے متعلق اللہ نے مقرر کیے ہیں۔ مثلاً شورائیت، انصاف، دیانت داری، محنت اور اسی طرح کی دوسری اجتماعی صفات پر کاربند ہونا۔

[۳] یعنی اگر تم حضورؐ کی دعوت کو نہ مانو گے تو تم پر ایسا ہی برا دن آسکتا ہے جیسا قوم نوحؑ اور قوم ہودؑ پر آیا تھا۔

[۴] حضورؐ کے کئی مخالفین ایسے بھی تھے کہ جب آپؐ دین کی دعوت شروع کر دیتے تھے تو وہ غرور اور نفرت کے سبب سے سینہ موڑ کر وہاں سے چلے جاتے تھے۔

[۵] یہ مشرکین اپنے اوپر چادر لپیٹ کر حضورؐ کی محفل سے تو جاسکتے تھے، لیکن اللہ سے کیسے چھپ سکتے تھے۔

[۶] یعنی یہ اللہ کا انتظام ہے کہ کس جان دار کو کب، کہاں اور کس قانون کے تحت رزق پہنچایا جائے۔ 'علی اللہ رزقھا' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر جان دار کو لازماً رزق پہنچایا جائے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو لاکھوں کروڑوں انسان اور جانور بھوک اور پیاس سے نہ مرتے۔ انسانوں کے حوالے سے اس قانون کی ایک اہم دفعہ 'لیس للانسان الا ما سعیٰ' ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ
عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷﴾
وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ؑ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَیَئُوْسٌ

كَفُورٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿۱۰﴾ إِلَّا

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار[۷] میں پیدا کیا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا[۸] تاکہ تمھیں آزما کر دیکھے کہ تم میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے[۹]۔

(اے نبیؐ)، جب تم کہتے ہو کہ مرنے کے بعد تم لوگ دوبارہ اٹھائے جاؤ گے تو حق کا انکار کرنے والے بول اٹھتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے[۱۰]۔ اور اگر ہم ان سے عذاب کو کچھ مدت کے لیے ٹالے دیتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں کہ اس کو کیا چیز روکے ہوئے ہے۔ آگاہ رہو کہ جس دن وہ ان پر آدھمکے گا تو پھر یہ اس کو ٹال نہ سکیں گے اور وہی چیز ان کو گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑا رہے تھے[۱۱]۔

جب بھی ہم انسان کو اپنے کسی فضل سے نوازنے کے بعد پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف ملنے کے بعد اسے نعمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے کہ میری مصیبتیں دفع ہوئیں۔ پھر وہ اکڑنے لگتا ہے اور شیخی بگھارنے والا بن جاتا ہے۔ البتہ اس خامی سے وہ لوگ پاک ہیں جو صبر کرنے والے اور اچھے عمل کرنے والے ہیں۔ اور انھی لوگوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے[۱۲]۔ ۷-۱۱

[۷] اللہ کے ہاں "دن" کا مطلب ایک پورا دور ہے۔ اسے قرآن مجید نے دوسرے مقامات پر واضح کیا ہے۔ گویا یہ کائنات اور یہ زمین ایک تدریج و ارتقا کے ساتھ اس مقام تک پہنچی ہے۔

[۸] یعنی اس کرۂ ارض پر خشکی نمودار ہونے سے پہلے یہ سارا کرۂ ارض مائع شکل میں تھا اور اللہ کی حکومت اسی پر قائم تھی۔ پھر پانی سے خشکی نمودار ہوئی، درجہ بدرجہ زندگی کی مختلف قسمیں ظہور میں آئیں اور یوں یہ پوری دنیا آباد ہوئی۔

[۹] یہ دنیا کسی کھیل تماشے کے لیے نہیں بنائی گئی، بلکہ اس سے انسان کا امتحان مقصود ہے۔

[۱۰] یعنی جب تم دلیل کے ساتھ یہ بات کہتے ہو کہ آزمائش کے پورا ہونے کے لیے قیامت ضروری ہے تو یہ منکرین فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تو زبان کی جادوگری ہے۔

[۱۱] اللہ نے حضورؐ کے مخالفین کے لیے یہ طریقہ مقرر فرما دیا تھا کہ جن لوگوں پر اتمام حجت ہو چکا ہے، ان سب کو اہل ایمان کے ہاتھوں صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا جائے گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے مختلف معرکوں میں دشمنان اسلام اور خصوصاً ان کے لیڈر ایک ایک کر کے رسوائی کی موت مرے۔

[۱۲] انسان کی آزمائش اس چیز میں ہے کہ مصیبت کے وقت وہ مایوس اور ناشکرا بننے کے بجائے صبر و استقامت سے کام لے اور جب اسے کوئی نعمت ملے تو وہ عاجزی اختیار کرے۔ یہ کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو شعوری طور پر صبر کو بطور طریقۂ زندگی اختیار کر لیں اور ہر وقت اپنے ہر عمل پر متنبہ رہیں

تاکہ ان سے ہمیشہ مثبت عمل سرزد ہو۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ
مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ
مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا
نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

(اے نبیؐ)، شاید تم اسی وحی کا کچھ حصہ چھوڑ دینے والے ہو جو تم پر نازل کی جا رہی ہے اور اس بات سے تمھارا دل تنگ ہو رہا ہے[۱۳] کہ یہ منکرینِ حق کہتے ہیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا اور اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ (نہ تم پر کوئی خزانہ اترے گا اور نہ تمھارے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے فرشتہ آئے گا۔) تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو۔ اس کے بعد ہر چیز اللہ کے حوالے ہے[۱۴]۔

کیا یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی حضورؐ) نے اس قرآن کو خود گھڑ لیا ہے؟ اے نبیؐ، ان سے کہو: ''پھر تم بھی ایسی ہی دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جو تمھارے معبود ہیں، اگر تم سے ہو سکے تو ان کو بھی مدد کے لیے بلا لاؤ، اگر تم سچے ہو[۱۵]۔ پس اگر تمھارے یہ معبود تمھاری مدد کو نہ پہنچ سکیں (اور تم اس قرآن کی مانند سورتیں نہ بنا سکو) تو تم سمجھ جاؤ کہ یہ قرآن اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے۔ یہ بھی (سمجھ جاؤ) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کیا (اتنی بڑی ناکامی کے بعد) اب تم مسلمان بنتے ہو؟''

جو لوگ بس اسی دنیا کی زندگی اور اس کا ساز و سامان چاہتے ہیں تو ہم ان کے اعمال کا بدلہ یہیں چکا دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں۔ دنیا میں انھوں نے جو کچھ بنایا وہ سب ملیامیٹ ہو جائے گا۔ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، وہ سب باطل ہے۔ ۱۲-۱۶

[۱۳] یہ قرآن مجید کا وہی اسلوب ہے جس میں حضورؐ کو مخاطب کر کے وہ بات کہی جاتی ہے جو مخالفین کو سنانا مقصود ہوتی ہے۔

[۱۴] یعنی منکرین کی یہ نکتہ چینیاں محض سطحی ہیں۔ اس طرح کی باتیں کر کے وہ ایک بڑی حقیقت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

[۱۵] یعنی اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو تم بھی ایسا کلام پیش کرو جس میں کائنات، دنیا اور انسان کے متعلق شرک پر مبنی نظریے کو پورے دلائل کے ساتھ اس عظیم الشان طریقے سے پیش کیا گیا ہو کہ وہ لوگوں کو اس پر قائل کر لے۔

قرآن مجید میں جابجا یہ چیلنج پیش کیا گیا ہے۔ سورۂ طور میں کہا گیا کہ قرآن کی مانند کلام پیش کرو۔ پھر اسی کی تفصیل جابجا کی گئی کہ قرآن کی مثل کوئی کلام پیش کرو خواہ وہ دس سورتوں کی شکل میں ہو یا ایک ہی سورہ کی شکل میں۔ یہی چیلنج سورۂ انبیاء میں بھی مذکور ہے، جہاں ''مثل قرآن'' کا چیلنج دیا گیا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے واضح نشانیوں کو سمجھ رہا ہے[۱۶]، اس کے بعد (حضورؐ کی صورت میں) ایک گواہ بھی (اس کی تائید میں) آ گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پہلے سے موسیٰؑ کی کتاب (یعنی تورات) بھی رہنما اور رحمت کے طور پر موجود ہے[۱۷]۔ یقیناً ایسے لوگ اس قرآن پر ایمان لائیں گے[۱۸]۔

ان گروہوں میں سے جو بھی اس کا انکار کرے گا، ان کے لیے دوزخ کا وعدہ ہے۔ پس اے نبیؐ، تم اس وحی کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑنا۔ یہی تیرے رب کی طرف سے حق ہے، لیکن ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد (اس وقت) اس حقیقت کو نہیں مان رہی[۱۹]۔

ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑیں[۲۰]۔ ایسے لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے اور گواہ گواہی دیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا۔ آگاہ رہو کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ ۱۷-۱۹

[۱۶] یعنی وہ شخص جو کھلی آنکھوں اور پوری عقل سے اس کائنات اور انسان کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اپنے اس مشاہدے کے نتیجے میں اس کا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ کائنات کی بنیاد توحید پر ہے۔

[۱۷] اس کے دل ودماغ کی گواہی کی تائید حضورؐ کی وحی بھی کر رہی ہے اور اگر اس کے دل میں کوئی شک وشبہ موجود ہے تو اس وقت کی تورات بھی اس بات پر گواہ ہے کہ توحید ہی صحیح راستہ ہے۔

[۱۸] رسولوں کے براہ راست مخاطبین کے لیے یہ اللہ کا قانون ہے کہ ان کے زمانے کا ہر باضمیر، باشعور اور بے تعصب آدمی ان پر ایمان لائے گا، کیونکہ ایک تو اس نے اپنی عقل کی آنکھ کھلی رکھی ہوتی ہے اور دوسرا اسے اللہ کے براہ راست نمائندے کی طرف سے دین کا پیغام اپنی اعلیٰ ترین شکل میں مل رہا ہوتا ہے۔

[۱۹] جس وقت یہ آیات نازل ہو رہی تھیں، اس وقت گرد وپیش کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس پیغام کو نہیں مان رہی تھی۔ بعد میں ساری سرزمین عرب نے اس دعوت کو مان لیا۔

[۲۰] وہ سب لوگ جو کہتے ہیں کہ اس کائنات ودنیا کا کوئی مقصد نہیں ہے، انسان کے لیے صرف یہی زندگی ہے اور کوئی آخرت نہیں ہے۔ یہی لوگ اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہیں۔ اسی طرح مشرکین بھی اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں، اس لیے کہ ان کے پاس اپنے شرک کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

أُولَٰٓئِكَ لَمْ يَكُونُوا۟ مُعْجِزِينَ فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ۘ يُضَٰعَفُ لَهُمُ ٱلْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا۟ يَسْتَطِيعُونَ ٱلسَّمْعَ وَمَا كَانُوا۟ يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ هُمُ ٱلْأَخْسَرُونَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَأَخْبَتُوٓا۟ إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿۲۳﴾ ۞ مَثَلُ ٱلْفَرِيقَيْنِ كَٱلْأَعْمَىٰ وَٱلْأَصَمِّ وَٱلْبَصِيرِ وَٱلسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾

وقف لازم

یہ حق کا انکار کرنے والے اس زمین میں بھی اللہ کے قابو سے باہر نہیں اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے۔ ان پر دُہرا عذاب ہوگا۔[۲۱] کیونکہ (دنیا کی زندگی میں) یہ نہ (حق بات) سنتے تھے اور نہ (حق کو) دیکھتے تھے۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے خود اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا۔ جو اللہ کے شریک انھوں نے گھڑ رکھے تھے، وہ سب ہوا ہو جائیں گے۔ لازم ہے کہ یہی لوگ آخرت میں سب سے بڑھ کر گھاٹے میں رہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو ایمان لائے، جنھوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب کی طرف جھک پڑے[۲۲] تو یقیناً وہ جنت والے ہیں اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک آدمی اندھا بہرا ہو اور اس کے مقابلے میں دوسرا دیکھنے اور سننے والا ہو۔ کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم لوگ دھیان نہیں دیتے؟ ۲۰-۲۴

[۲۱] وہ سارے منکرین حق جو نہ صرف خود گمراہی کے راستے پر ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اس راستے پر لے جانے کے لیے کوشش کرتے ہیں، ان کے لیے

دوہری سزا ہوگی۔

[۲۲] یعنی انھوں نے ہر کام میں اللہ کی ہدایت کو سامنے رکھا اور اس کے سامنے سر جھکا دیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ

عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا

الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ

اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا

كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ

مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ

لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

ہم[۲۳] نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ (اس نے ان کو آگاہ کیا:) ''میں تم لوگوں کے لیے ایک نذیرِ مبین (یعنی صاف خبردار کرنے والا) ہو کر آیا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ ورنہ میں تم پر ایک دردناک سزا کے دن کا اندیشہ رکھتا ہوں۔''[۲۴]

(جواب میں) اس کی قوم کے ان سربراہوں نے، جنھوں نے حق کا انکار کیا، کہا: ''ہماری نظروں میں تو تم بس ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اندر کے جو ذیل یعنی کمزور طبقات کے لوگ ہیں[۲۵] انھوں نے بے سوچے سمجھے تمھاری پیروی اختیار کر لی ہے۔[۲۶] ہم تمھارے اندر اپنے مقابلے میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں دیکھ رہے۔ بلکہ ہم تو تمھیں بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں۔''

(نوحؑ نے) کہا: ''اے میری قوم کے بھائیو! بتاؤ، اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور پھر اس نے (اپنی طرف سے) مجھے اپنی خاص رحمت (یعنی رسالت) سے نوازا، مگر وہ تم کو نظر نہیں آرہی[۲۷]۔ اب ہمارے پاس وہ کیا طریقہ ہے کہ تم اس پیغام سے بیزار رہو اور ہم اسے تمھارے سروں پر مسلط کر دیں۔ اے برادرانِ قوم! میں اس خدمت پر تم سے کسی مال کا طالب نہیں ہوں۔ میرا

اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔ میں ان لوگوں کو ہرگز دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں[28] وہ بھی اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ نا سمجھی سے کام لے رہے ہو[29] اے قوم! اگر میں اُن کو دھتکاروں تو اللہ کی پکڑ سے کون مجھے بچا سکتا ہے؟ کیا تم لوگ اس پہلو پر دھیان نہیں دیتے؟ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، مجھے غیب کا علم بھی نہیں ہے، میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تمھاری نگاہوں میں جو حقیر ہیں، انھیں اللہ نے کوئی بھلائی نہیں دی۔ ان کے دلوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو میں ہی ظالم ٹھہروں گا۔'' ۲۵-۳۱

[۲۳] یہاں سے آگے آیت نمبر ۹۹ تک پے در پے رسولوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ رسول کی دعوت نہ ماننے کے نتیجے میں ان کی مخاطب اقوام کو اس دنیا میں باقاعدہ اعلان کے ساتھ کون سی سزا ملی۔ ہر رسول کی سرگزشت کے ساتھ ان اقوام کی خصوصی اجتماعی اخلاقی خرابی کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ سب کچھ کسی نہ کسی انداز سے حضورؐ کے مخاطبین پر چسپاں ہو رہا تھا اور مقصود بھی یہی تھا کہ وہ رسول کی اصل طاقت بھی جان جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ہاں کی اجتماعی اخلاقی برائیوں پر بھی متنبہ ہو جائیں۔

اب یہاں سے حضرت نوحؑ کا قصہ شروع ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید ہر جگہ کسی تاریخ کا صرف اتنا حصہ بیان کرتا ہے جس کا تعلق زیر بحث موضوع سے ہو۔

[۲۴] یعنی اگر تم نے میرا انکار کیا تو تمھیں دنیا میں بھی وہ سزا دی جائے گی جو رسول کی براہ راست مخاطب قوم کے لیے اللہ نے مقرر کر رکھی ہے۔

[۲۵] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے جرم کے ساتھ ساتھ اجتماعی اخلاقیات کے اعتبار سے ان کے اندر یہ جرم بھی آ گیا تھا کہ وہاں طبقات بن گئے تھے اور انسانی مساوات کا احساس و شعور ختم ہو گیا تھا۔ صاحب حیثیت برسر اقتدار طبقے کے لوگ اپنے آپ کو شریف اور عام لوگوں کو رذیل سمجھتے تھے۔

[۲۶] اس زمانے کے بڑے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ عام لوگوں کی عقل بڑی کمزور ہوتی ہے، اس لیے انھوں نے جو کام بھی کیا ہوگا، لازماً بے سوچے سمجھے ہی کیا ہوگا۔

[۲۷] یعنی میرے پیغام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: ایک اس نور فطرت یعنی اندرونی روشنی پر، جو ہر راست فکر انسان کے اندر پہلے سے موجود ہوتی ہے اور دوسرے وحی الٰہی پر۔

[۲۸] چونکہ اللہ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں اور ان کے درمیان اصل فرق تقویٰ کا ہے، اس لیے تمھاری نظر میں جو ذلیل ہیں، وہ اللہ کی نظر میں اونچے مقام پر ہیں۔ چنانچہ میں ان کمزور لوگوں کو اپنے سے علیحدہ نہیں کروں گا۔

[۲۹] یعنی ناسمجھ میرے ساتھی نہیں، بلکہ تم ہو، کیونکہ تم مساوات انسانی اور توحید پر یقین نہیں رکھتے۔

قَالُوْا يَا نُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ إِنْ أَرَدْتُّ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ

كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

(آخر کار) ان منکرینِ حق نے نوحؑ سے کہا: ''تم نے ہم سے بحث کر لی اور بہت کر لی۔ اب تو بس وہ عذاب لے ہی آؤ جس کی دھمکی تم ہمیں سنا رہے ہو، اگر تم سچے ہو۔'' (نوحؑ نے) جواب دیا: ''اس سزا کو تم پر اللہ ہی لائے گا، جب وہ چاہے گا۔ اس وقت تم اس کے قابو سے باہر نہ نکل سکو گے۔ اگر اس وقت میں تمھاری خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو نہ کر سکوں گا،[۳۰] جبکہ اللہ نے (اپنے قانون کے مطابق) تمھیں بھٹکا دینے کا ارادہ کر لیا ہو۔[۳۱] وہی تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹنا ہے۔''

(اے نبیؐ)،[۳۲] کیا یہ (مشرکینِ قریش بھی نوحؑ کی قوم کی طرح یہ) کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ سب کچھ خود گھڑ لیا ہے۔ ان سے کہہ دو: ''اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو مجھ پر اپنے جرم کی ذمہ داری ہے اور جو جرم تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں۔'' (اس لیے تمھیں چاہیے کہ اپنے عقل و شعور کو استعمال کر کے میری دعوت پر سوچ بچار کرو۔) ۳۲-۳۵

[۳۰] یعنی اس عذاب کے وقت میں بھی تمھاری کچھ مدد نہ کر سکوں گا۔

[۳۱] اللہ کسی رسول کی قوم پر صرف اس وقت سزا نازل کرتا ہے جب ان پر اتمام حجت ہو جائے اور اس کے بعد اللہ اپنے قانون کے مطابق ان کے قبولِ حق کی صلاحیت ختم کر دے۔

[۳۲] اب یہاں اس آیت میں قرآن مجید قوم نوحؑ اور مشرکین قریش کی باتوں کا آپس میں موازنہ کر رہا ہے، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ دراصل قوم نوحؑ کے طرزِ عمل پر چل رہے ہیں۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ۚۖ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

نوحؑ کو وحی کی گئی کہ تمھاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے، ان کے سوا اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں، اس لیے ان کے غلط

کاموں پر غم کھانا چھوڑ دو ۳۳ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بناؤ۔ جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے حق میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرنا۔ اب یہ غرق ہو کر رہیں گے۔ نوح کشتی بنانے لگا اور جب اس کی قوم کے سرداروں کا کوئی گروہ اس کے پاس سے گزرتا تو وہ نوحؑ کا مذاق اڑاتے۔ نوحؑ ان کو جواب دیتا: ''اگر تم ہنس رہے ہو تو جس طرح تم ہمارا ناحق مذاق اڑا رہے ہو، اسی طرح ہم بھی مذاق اڑائیں گے۔ تمھیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کر دینے والی سزا آتی ہے، وہ سزا جو قائم ہو کر رہے گی۔ ۳۴'' ۳۶-۳۹

[۳۳] یعنی اس قوم میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا ہے۔ جو لوگ اب تک ایمان نہیں لائے، اب ان کے لیے قبول حق کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

[۳۴] رسول کی قوم پر دنیا میں جو عذاب آتا ہے، وہ باقاعدہ پیشگی اعلان کے ساتھ آتا ہے۔ یہی فرق ہے رسول کی قوم کے عذاب اور عام دنیوی سیلابوں اور طوفان میں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ࣙابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰى جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ ع

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور وہ تنور ابل پڑا تو ہم نے نوحؑ کو حکم دیا کہ ''ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لو، اپنے اہل وعیال کو بھی اس میں سوار کر لو، سوائے ان افراد کے جن پر سزا کا حکم نافذ ہو چکا ہے ۳۵ اور ایمان والوں کو بھی اس کشتی میں بٹھا لو۔ تھوڑے ہی لوگ تھے جو نوحؑ کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ نوحؑ نے سب سے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ۔ اس کشتی کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہونا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ میرا رب بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔

پہاڑ جیسی موجوں کے درمیان کشتی چل رہی تھی۔ نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی، جو دور فاصلے پر تھا۔ (نوحؑ نے اسے کہا:) ''اے

میرے بیٹے، ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ ان منکرینِ حق کا ساتھ نہ دو۔'' وہ جواب میں بولا: ''میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔'' نوحؑ نے (اسے) کہا: ''آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہے،[۳۶] سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔'' پھر دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہوگئی اور وہ بھی غرق ہونے والوں میں شامل ہوگیا۔

حکم ہوا: ''اے زمین، اپنا سارا پانی نگل لے اور اے آسمان، تھم جا۔'' چنانچہ پانی زمین میں اتار دیا گیا، معاملے کا فیصلہ ہوگیا، کشتی جودی پہاڑ پر ٹک گئی[۳۷] اور اعلان کر دیا گیا کہ دور ہوئی ظالموں کی قوم[۳۸]۔ ۴۰-۴۴

[۳۵] گھر کے ان افراد میں ایک حضرت نوحؑ کی بیوی اور دوسرا ان کا بیٹا شامل تھا۔ یہ دونوں منکرینِ حق تھے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ پیغمبر بھی اللہ کے نافرمانوں کو سزا سے نہیں بچاسکتے۔ دوسرا یہ کہ تعلیم و تربیت محض ایک حد تک ہی کام کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس معاملے میں پوری کوشش کے باوجود ایک انسان کا شعور و ضمیر بیدار نہ ہو اور وہ برائی کے راستے کو اختیار کرلے۔

[۳۶] ظاہر ہے کہ نوحؑ نے محبت پدری سے مجبور ہو کر اسے آواز دی، حالانکہ اس کے لیے قبولِ حق کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اس پر مزید تبصرہ ابھی آگے آئے گا۔

[۳۷] جودی پہاڑ کردستان کے علاقہ میں کوہ ارارات کی ایک چوٹی کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بہت بڑا طوفان تھا۔ اس کتاب کے آخر میں نقشے میں وہ جگہ دکھائی گئی ہے۔

[۳۸] یعنی یہ کوئی عام طوفان نہیں تھا، بلکہ پہلے سے باقاعدہ ایک اعلان کے ساتھ اس غرض سے وجود میں لایا گیا تھا کہ اس میں حضرت نوحؑ کی قوم کے نافرمان لوگ غرق ہوجائیں۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ
یَا نُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ
تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ
اَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یَا نُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۗ
وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ

معانقۃ

اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ ع

نوحؑ نے پکارا: ''اے میرے رب، میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے[۳۹]۔ تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے۔'' جواب میں ارشاد ہوا: ''نوح، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تو سرتاپا ایک خراب عمل ہے[۴۰]۔ اس لیے تم مجھ سے ایسی بات کے لیے درخواست نہ کرو جس کے بارے میں تمھیں کچھ علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ ناسمجھوں کی طرح مت ہو[۴۱]''۔

نوحؑ نے عرض کیا:

''اے میرے رب، میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کسی ایسی چیز کی درخواست کروں جس کے متعلق مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے مجھے معاف نہیں کیا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نامرادوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

(اللہ کی طرف سے) ارشاد ہوا: ''اے نوحؑ، (اب کشتی سے) اتر جاؤ۔ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہیں، تم پر بھی اور تمھارا ساتھ دینے والے گروہوں پر بھی۔ (ان کی نسل سے بعد میں) ایسے گروہ بھی اٹھیں گے جن کو ہم کچھ مدت کے لیے مال و متاع دیں گے، پھر انھیں ہماری طرف سے ایک سخت سزا پکڑے گی[۴۲]۔''

(اے نبیؐ)، یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو وحی کے ذریعے سے بتا رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تم ان خبروں کو جانتے تھے اور نہ تمھاری قوم[۴۳]۔ پس صبر سے کام لو۔ آخر[۴۴] کی کامیابی متقین ہی کا حصہ ہے۔ ۴۵-۴۹

[۳۹] حضرت نوحؑ نے شفقت پدری سے مغلوب ہو کر یہ دعا کی کہ اے اللہ تو نے وعدہ کیا تھا کہ میرے گھر والوں کو تباہی سے بچا لے گا۔ تو میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں ہی میں سے ہے۔ اے پروردگار، اپنے خصوصی رحم سے کام لے کر میرے بیٹے کو زبردستی ایمان کے راستے پر لے آ۔

[۴۰] یعنی جب تیرے بیٹے نے تیری رسالت کا انکار کیا اور اس پر اتمام حجت ہو گیا تو اس کا تجھ سے ہر رشتہ کاٹ دیا گیا۔

[۴۱] یہ دنیا پروردگار نے آزمایش کے لیے بنائی ہے اور اس میں کوئی بھی شخص آزمایش سے بالاتر نہیں ہے، اس لیے پروردگار سے یہ درخواست کرنا کہ وہ کسی کو زبردستی ایمان کے راستے پر لے آئے، ایک ناسمجھی کی بات ہے۔

[۴۲] یعنی اگر تیری نسل میں سے آیندہ بھی ایسے لوگ پیدا ہوئے جو اپنے رسولوں کو جھٹلائیں تو انھیں دنیا اور آخرت میں سخت سزا ملے گی۔ اور اگر انھوں نے دنیا میں برے اعمال کیے تو آخرت کا عذاب ان کے لیے تیار ہے۔

[۴۳] حضرت نوحؑ کی سرگزشت سے عرب عموماً واقف نہ تھے۔ تورات میں حضرت نوحؑ کے واقعات کے بعض حصے بیان ہوئے ہیں، مگر بہت مسخ شدہ شکل میں۔ قرآن مجید نے پہلی مرتبہ یہ واقعات اپنے اخلاقی نتائج کے ساتھ اتنے تفصیل سے بیان کیے۔

[۴۴] یعنی جس طرح حضرت نوحؑ نے کئی سو برس تک دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، اسی طرح اے نبیؐ، آپؐ کو بھی انھی کے نقش قدم پر چلنا ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۵۲﴾

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ

اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

عاد[۴۵] کی قوم کی طرف ہم نے ان کے بھائی[۴۶] ہود کو (رسول بنا کر بھیجا)۔ اس نے ان کو دعوت دی: ''اے برادرانِ قوم، اللہ ہی کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ تم (نے دوسری چیزوں کو معبود بنا کر) محض جھوٹ گھڑا ہے۔ اے میری قوم، میں اس کام پر تم سے کسی معاوضے کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو اسی اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اے میری قوم، اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ (اس صورت میں) وہ تم پر خوب خوب اپنی رحمت کی بارشیں برسائے گا اور تمھاری قوت میں اضافے پر اضافہ فرمائے گا۔[۴۷] مجرموں کی طرح میری بات سے منہ نہ پھیرو۔''

انھوں نے جواب دیا: ''اے ہود، تم ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی لے کر تو آئے نہیں۔[۴۸] چنانچہ صرف تمھارے کہنے سے تو ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم ہرگز تمھیں ماننے والے نہیں۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔''

ہودؑ نے کہا: ''میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ اللہ کے سوا جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو، ان سے میں بالکل بری ہوں۔'' ۵۰-۵۴

[۴۵] قوم عاد کا واقعہ بھی یہاں اس لیے بیان کیا جا رہا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس قوم کے پاس رسول کو بھیجا جاتا ہے، اگر وہ اپنے رسول کی بات نہ مانے تو اللہ کی طرف سے اس کے ساتھ دنیا میں کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔

[۴۶] جب تک کسی قوم پر دعوت کے اعتبار سے اتمام حجت نہیں ہو جاتا، تب تک رسول اور اس کے ساتھیوں کو اپنی قوم کا بھائی قرار دیا جاتا ہے اور انھیں اپنی قوم سے کٹنے کی ہدایت نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ساری دنیا کے غیر مسلم انسانیت کے اعتبار سے ہمارے بھائی اور ''امت دعوت'' ہیں۔ چونکہ اتمام

کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ کی طرف سے وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، اس لیے اب ہم کسی کے بارے میں یہ کہنے کا اختیار نہیں رکھتے کہ اس پر اتمام حجت ہو چکا ہے۔

[۴۷] یعنی اگر تم میری دعوت مان لو گے تو رسول کی براہ راست مخاطب قوم کے ساتھ یہ اللہ کا وعدہ ہوتا ہے کہ ان کو اس دنیا میں بھی کامیابی و فتح سے نوازے گا۔

[۴۸] چونکہ مشرکین عام طور پر توہمات کی دنیا میں بستے ہیں، اس لیے دلیل پر غور و فکر کرنے کے بجائے وہ مافوق الفطرت نشانیوں کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ مشرکین قریش کا بھی یہی حال تھا۔

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ
اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٦﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّا اُرْسِلْتُ بِهٖۤ
اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ
جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٥٩﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً
وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾ ع

(ہودؑ نے کہا:)[۴۹] ”تم سب مل کر میرے خلاف اپنی چالیں چل دیکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔[۵۰] میرا بھروسا اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا بھی۔ سب جان داروں کی پیشانی اسی کی کے قبضے میں ہے۔ بے شک، میرا رب نہایت سیدھی راہ پر ہے۔ اگر تم منہ پھیرتے ہو تو بہر حال میں نے وہ پیغام تمھیں اچھی طرح پہنچا دیا ہے، جو دے کر مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا ہے۔[۵۱] اب میرا پروردگار تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو لائے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔[۵۲] میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

پھر جب عذاب کے بارے میں ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود اور اس کے ساتھی ایمان والوں کو نجات بخشی اور ان کو ایک سخت عذاب سے بچا لیا۔

یہ عاد کی قوم والے ہیں۔ انھوں نے اپنے رب کی آیات سے انکار کیا، اس کے رسولوں[۵۳] کی نافرمانی کی اور ہر جبر کرنے والے باغی کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ اُن دنیا میں بھی اُن پر لعنت ہوئی اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت ہوگی۔ آگاہ رہو کہ عاد نے اپنے رب

سے انکار کیا۔ سنو کہ ہلاکت ہے ہود کی قوم عاد کے لیے۔ ۵۵-۶۰

[۴۹] جب ہودؑ نے ایک لمبی مدت تک اپنی قوم کو دعوت حق دی اور پھر بھی انھوں نے ماننے سے انکار کیا، تب اتمام حجت کے بعد ہودؑ نے انھیں یہ آخری خطاب کیا۔

[۵۰] ہودؑ نے نہایت دعوے کے ساتھ یہ بات اس لیے کہی کہ اللہ رسول کی حفاظت کرتا ہے۔

[۵۱] رسول کی اصل ذمہ داری پہنچانے کی ہوتی ہے۔ اس کی نافرمان قوم کو سزا دینے اور اس کے ماننے والوں کو نجات دینے کا کام اللہ براہ راست کرتا ہے۔

[۵۲] یعنی تم لوگوں کے یہ سنہرے دن ختم ہو جائیں گے۔ اور میرے ساتھی اہل ایمان کو اللہ بچا کر تمھاری جگہ دنیا میں اقتدار بخشے گا۔

[۵۳] ہودؑ کو جھٹلانے کا مطلب پورے سلسلۂ رسالت کو جھٹلانا تھا۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وقف لازم
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ
يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا
تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿۶۳﴾ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا
بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ
مَكْذُوبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ
رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿۶۶﴾ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿۶۷﴾ كَأَن لَّمْ
يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿۶۸﴾ ع

ثمود کی قوم کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو (رسول بنا کر بھیجا)۔ اس نے دعوت دی: "اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی

کرو۔اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔اسی نے تمھیں اس زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا۔اس لیے اسی اللہ سے مغفرت مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔میرا رب قریب بھی ہے اور (دعاؤں کو) قبول کرنے والا بھی[۵۴]۔"

صالحؑ کی قوم نے کہا: "اس سے پہلے تو تم سے ہمیں بڑی توقعات وابستہ تھیں[۵۵]۔کیا تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتے ہو، جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں۔تم ہمیں جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہو، اس کی جانب سے ہم بڑی سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں[۵۶]۔"

صالحؑ نے کہا: "اے میری قوم کے لوگو، بتاؤ، اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی جانب سے ایک خاص رحمت سے بھی مجھے نوازا، اس صورت میں بھی اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا؟ (ایسی صورت میں تو) تم میری بربادی میں اضافہ ہی کرو گے[۵۷]۔"

اے میری قوم کے لوگو، یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے ایک نشانی ہے[۵۸]۔اس کو اللہ کی زمین میں چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ، ورنہ ایک قریبی سزا تمھیں پکڑے گی۔"

مگر انھوں نے اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ کر (اسے مار دیا)۔تب صالحؑ نے ان سے کہا: "اب تین دن اپنے گھروں میں اور رہ بس لو۔یہ ایسی مدت ہے جو جھوٹی ثابت نہیں ہوگی۔"

پس جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالحؑ اور اس کے ساتھی ایمان والوں کو بچا لیا اور اس خاص دن کی رسوائی سے محفوظ رکھا۔بے شک، تیرا رب ہی قوی اور غالب ہے۔رہے وہ لوگ، جنھوں نے ظلم کیا تھا، انھیں ایک ڈانٹ[۵۹] نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں زمین سے یوں چمٹے پڑے رہ گئے گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔

سن لو کہ ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی۔سن لو کہ ہلاکت ہے ثمود والوں کے لیے[۶۰] ۶۱-۶۸

[۵۴] مشرکین کے خیال میں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان بہت فاصلہ ہوتا ہے اور وہ بندوں کی دعا براہ راست نہیں، بلکہ کئی واسطوں سے سنتا ہے۔اسی لیے حضرت صالحؑ نے انھیں آگاہ کیا کہ اللہ قریب بھی ہے اور دعا براہ راست سنتا ہے۔

[۵۵] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالحؑ دنیوی اعتبار سے بھی نہایت باصلاحیت تھے اور اہل ثمود کا خیال تھا کہ یہ ہمارے ایک بڑے قومی لیڈر بنیں گے۔

[۵۶] یعنی تمھاری اس نئی دعوت کی وجہ سے ہم اس سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں کہ تمھیں ایک صحیح الدماغ آدمی قرار دیں یا نہیں۔

[۵۷] حضرت صالحؑ نے ان کی طرف سے پاگل پن کے الزام کا جواب نہایت دل سوزی و سنجیدگی سے دیا کہ اللہ نے میرے ضمیر کو بھی زندہ رکھا اور پھر

مجھے رسالت سے بھی سرفراز کیا۔

[۵۸] یہ اونٹنی دراصل اتمام حجت کی ایک نشانی تھی کہ اگر اس قوم نے اسے نقصان پہنچایا تو یہ گویا ساری حدیں پار کرنے کے مترادف ہوگا۔

[۵۹] حضرت صالحؑ اور ان کے ساتھی اہل ایمان کے وہاں سے نکلنے کے بعد اللہ نے اس بستی پر سرما کی سخت ہواؤں، بادلوں اور زلزلے کا عذاب بھیجا۔ اس سزا کو یہاں نصیحۃ ، یعنی ڈانٹ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

[۶۰] یہ اسی سزا کا بیان ہے جو رسول کی براہ راست مخاطب قوم کو علی الاعلان ملتی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾
فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمِ
لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ؕ وَ امْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی
ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ
وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾

دیکھو،[۶۱] ابراہیمؑ کے پاس ہمارے نمائندے خوش خبری لیے ہوئے پہنچے اور کہا: ''تم پر سلامتی ہو۔'' ابراہیمؑ نے بھی جواب میں انھیں سلام کیا۔ اور پھر کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ ابراہیمؑ نے ان کے سامنے ایک بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا۔[۶۲] مگر جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو اس نے ان کی طرف سے بیگانگی محسوس کی اور اس کے دل میں خدشہ پیدا ہو گیا۔[۶۳] وہ بولے: ''تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔ ہم تو لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''[۶۴]

پھر جب ہم نے اس کو (بیٹے کی صورت میں) اسحاق اور اسحاقؑ کے بعد (اس کے بیٹے) یعقوبؑ کی خوش خبری دی[۶۵] تو اس کی بیوی جو پاس کھڑی تھی، یہ سن کر ہنس دی اور کہا: ''ہائے میری شامت، کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی، جبکہ میں بھی بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہوگی۔''[۶۶]

اس پر اللہ کے پیغام بر بولے: ''کیا اللہ کی بات پر تعجب؟ اے نبی کے گھر والو، آپ پر تو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔ بے شک، وہ نہایت قابلِ تعریف اور بڑی شان والا ہے۔'' ۶۹-۷۳

[٦١] آگے حضرت لوطؑ اور ان کی قوم کی سرگزشت آرہی ہے۔ اس سے پہلے بطورِ تمہید حضرت ابراہیمؑ کا ایک واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید کے قارئین کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا یہ پہلو بھی آجائے۔

[٦٢] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اتنے مہمان نواز تھے کہ انھوں نے اجنبی مہمانوں کی فوراً ضیافت شروع کردی۔ یہاں رسول کا لفظ فرشتے کے لیے اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[٦٣] اس سے حضرت ابراہیمؑ کو اندازہ ہوگیا کہ یہ تو فرشتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ ان کی بستی کو سزا دینے کے لیے بھیجے گئے ہوں۔

[٦٤] گویا فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو تسلی دی کہ ہم آپ کی بستی کی طرف نہیں، بلکہ حضرت لوطؑ کی قوم کو سزا دینے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ البتہ اس سے پہلے آپ کو ایک خوش خبری سنانی مقصود ہے۔

[٦٥] یعنی آپ کو اسحاقؑ نامی ایک بیٹا عطا ہوگا اور اس کی نسل سے یعقوبؑ پیدا ہوگا۔ ان سب کو پیغمبری کا منصب دیا جائے گا اور ان کی نسل یعنی بنی اسرائیل کو دنیا میں دعوتِ حق کا کام سونپا جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بیوی سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تھے۔ ان کی دوسری بیوی حضرت سارہؑ کو حضرت اسحاقؑ کی خوش خبری دی گئی۔

[٦٦] یہ حضرت سارہ کے تعجب اور خوشی کا ایک بے ساختہ اظہار ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ
مُّنِيْبٌ ﴿٧٥﴾ يٰۤاِبْرَاهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾
وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ
اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِىْ بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ
لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِىْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِىْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿٨٠﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ
لَنْ يَّصِلُوْۤا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ
اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا

النصف عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُودٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع

پھر جب ابراہیمؑ کا خوف دور ہو گیا اور اس کو بشارت ملی تو لوط کی قوم کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگا۔ بے شک، ابراہیم نہایت ہی نرم دل، دردمند اور اپنے رب کی طرف دھیان رکھنے والا فرد تھا۔[۶۷] (بالآخر ہمارے فرشتوں نے اسے کہا:) ''اے ابراہیم، اب یہ بحث چھوڑ دو۔ تمھارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور ان پر ایک ایسی سزا آنے والی ہے جسے نہیں ٹالا جا سکتا۔''

جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس پہنچے تو ان کی آمد سے وہ بہت غمگین ہوا، اس کا دل تنگ ہو گیا اور سوچنے لگا کہ آج تو بڑی ہی مصیبت کا دن ہے۔[۶۸]

اس کی قوم کے لوگ جھپٹے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ وہ پہلے سے ہی ان بدکاریوں میں مبتلا تھے[۶۹]۔ لوطؑ نے ان سے کہا: ''اے میری قوم، یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں[۷۰]۔ اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی معقول مرد نہیں رہا؟'' انھوں نے جواب دیا: ''تمھیں تو معلوم ہی ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں اور تم خوب جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔''

لوطؑ نے کہا: ''کاش، میرے پاس تم سے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا۔'' (اس کی پریشانی دیکھ کر) فرشتوں نے اس سے کہا: ''اے لوط، ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں[۷۱]۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکتے[۷۲]۔ تم اپنے اہل وعیال کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ جب ابھی کچھ رات باقی ہو اور تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ مگر تیری بیوی تیرے ساتھ نہیں جائے گی، کیونکہ اس پر بھی وہی آفت آنی ہے جو دوسروں پر آئے گی[۷۳]۔ ان کی تباہی کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح قریب نہیں۔''

پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو یک دم تلپٹ کر کے رکھ دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی مسلسل بارش کی[۷۴]۔ ان میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا۔ ظالموں سے یہ سزا کچھ دور نہ تھی۔ ۷۴-۸۳

[۶۷] حضرت ابراہیمؑ اپنی طبیعت کی فطری نرمی کے باعث چاہتے تھے کہ اس نافرمان قوم کو مزید مہلت دی جائے۔

[۶۸] یہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں مہمان بن کر حضرت لوطؑ کے ہاں پہنچے تھے۔ ان کا آنا درحقیقت اتمام حجت کے لیے تھا کہ اگر یہ قوم ایک عظیم مصلح کے مہمانوں کا بھی خیال نہیں کرتی تو پھر یہ کسی رعایت کی مستحق نہیں ہے۔

[۶۹] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کے اندر ہم جنس پرستی ایک بڑی قدر اور فخر کی چیز بن گئی تھی اور اس معاملے میں گناہ کا احساس بھی ختم ہو گیا تھا۔

[۷۰] اس سخت وقت میں بھی حضرت لوطؑ نے ان کو صحیح راستہ سمجھایا کہ تمھیں اپنی خواہش نفس جائز طریقے سے پوری کرنی چاہیے۔ اس بستی میں اس قوم

کی بیٹیاں موجود ہیں جن سے تم شادی کر سکتے ہو۔

[۷۱] گویا اتمام حجت ہو چکنے کے بعد فرشتوں نے اپنی اصل شناخت حضرت لوطؑ پر ظاہر کر دی۔

[۷۲] یعنی یہ لوگ ہرگز تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ اس میں خود بخود یہ بات بھی مضمر تھی کہ یہ لوگ ہمیں بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے، اس لیے کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں۔

[۷۳] حضرت لوطؑ کی بیوی قومی تعصب کی وجہ سے اپنی قوم کے ساتھ تھی۔

[۷۴] غالباً اتنی تیز آندھی اور زلزلہ آیا کہ ان کے اپنے مکان اور دیواریں ان پر گر گئیں جو اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ
وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىکُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ
وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ
اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ
اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ
عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْہُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَاۤ اَنْھٰىکُمْ عَنْہُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا
الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ﴿۸۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ
شِقَاقِیْۤ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ ھُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْکُمْ
بِبَعِیْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْہِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾
ع ۷

مدین والوں کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)۔ اس نے ان کو دعوت دی کہ "اے میری قوم کے لوگو، اللہ ہی کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ آج تو میں تمھیں مالی خوش حالی میں دیکھ رہا ہوں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم پر کسی دن وہ سزا آ جائے گی جو تم سب کو گھیر لے گی۔ اے برادرانِ قوم، ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور پورا تولو، لوگوں

کی چیزوں میں ان کی حق تلفی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کا بخشا ہوا منافع ہی تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم سچے ایمان والے ہو[۷۶]۔ بہر حال میں تمھارے اوپر نگران نہیں ہوں[۷۷]۔

مدین والوں نے جواب دیا کہ ''اے شعیب، کیا تمھاری نماز تمھیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق استعمال نہ کریں؟ کیا ہمارے درمیان بس ایک تمھی دانش مند اور راست باز رہ گئے ہو؟[۷۸]''

شعیبؑ نے کہا کہ ''اے میری قوم کے لوگو، بتاؤ میں اپنے رب کی جانب سے ایک واضح دلیل پر ہوں[۷۹] اور پھر اس نے مجھے اپنے ہاں سے حلال رزق سے بھی نوازا[۸۰]۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں، جہاں تک بھی میرا بس چلے[۸۱]۔ (اس اصلاح کی) توفیق تو مجھے اللہ ہی کی مدد سے حاصل ہوگی۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ اے میری قوم، میرے خلاف تمھاری ضد تمھارے لیے اس امر کا باعث نہ بن جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کی مصیبت نازل ہو جو نوحؑ، ہودؑ یا صالحؑ کی قوم پر آئی اور لوطؑ کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے[۸۲] دیکھو، اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب، بہت مہربان ہے اور (اپنی مخلوق سے) محبت کرتا ہے[۸۳]۔'' ۸۴-۹۰

[۷۵] اب یہاں اہل مدین کا واقعہ بھی اس غرض سے بیان کیا جا رہا ہے کہ انھوں نے بھی اپنے رسول کو جھٹلا دیا۔ اس لیے ان پر بھی علی الاعلان دنیا میں عذاب آیا۔

[۷۶] شرک کے ساتھ ساتھ یہ قوم تجارتی معاملات میں بھی سخت بد دیانت تھی۔ چنانچہ حضرت شعیبؑ نے انھیں اجتماعی اخلاقیات کے اس اہم اصول کی طرف توجہ دلائی کہ انصاف، امانت و دیانت اور جائز منافع ہی انسان کے لیے روا ہے۔

[۷۷] یعنی ایک پیغمبر کی حیثیت سے میرا اصل کام تمھیں صحیح راستہ بتانا ہے۔

[۷۸] دنیا کے سارے غلط کار لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی انسان اپنی جگہ نیک بننا چاہے تو بن جائے، لیکن وہ اپنے نظریات و عقائد کی تبلیغ نہ کرے۔ اہل مدین نے بھی حضرت شعیبؑ سے یہی کہا کہ تم اپنی جگہ بے شک نمازیں پڑھتے رہو، مگر ہمارے شرک اور تجارتی خیانت پر تنقید کرنے کی اجازت تمھیں نہیں دی جا سکتی۔

[۷۹] یعنی رسالت سے پہلے ہی میرا ضمیر توحید کی گواہی دیتا تھا۔

[۸۰] یہاں رزق حسن سے مراد وحی بھی ہے اور پاکیزہ دنیوی مال بھی۔

[۸۱] یعنی توحید کے ماننے اور انصاف و دیانت داری میں بالآخر تمھارا اپنا فائدہ ہے۔ یہ باتیں میں تمھارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں۔

[۸۲] یعنی اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو تمھیں اللہ اسی دنیا میں وہی سزا دے گا جو رسول کی براہ راست مخاطب نافرمان اقوام کو ملا کرتی ہے۔

[۸۳] 'ودود' کے معنی ہیں محبت کرنے والا۔ اللہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ اسی لیے اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ صرف ان لوگوں کو سزا دیتا ہے جو جان بوجھ کر شرک کے راستے پر چلیں اور اس کے رسولوں کی مخالفت کریں۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنتَ
عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا
تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۹۲﴾ وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ
يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿۹۴﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا
فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿۹۵﴾

مدین والوں نے شعیبؑ سے کہا: "تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔ ہم تو تمھیں ایک کمزور انسان خیال کرتے ہیں۔ اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تمھیں سنگ سار کر دیتے۔ تم ذاتی طور پر ہم پر کچھ بھاری نہیں ہو[۸۴]۔"

شعیبؑ نے جواب دیا: "اے میری قوم، کیا میرا خاندان تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے[۸۵]۔ تم نے اللہ کو بالکل پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔ جو کچھ تم کر رہے ہو، وہ سب میرے رب کی گرفت میں ہے۔ اے میری قوم کے لوگو، (اگر تم میری بات نہیں مانتے تو) تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کرتا رہوں گا۔ جلد ہی تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں[۸۶]۔"

آخر کار جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیبؑ اور اس کے ساتھی ایمان والوں کو بچا لیا اور ظلم کرنے والوں کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنے گھروں میں الٹے منہ پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے[۸۷]۔

سنو! مدین والے بھی ثمود کی طرح دفع کر دیے گئے۔ ۹۱-۹۵

[۸۴] تعصبات اور مفادات میں پوری طرح گھرے ہوئے لوگ اپنے فریم سے باہر سوچنے سمجھنے کے لیے عموماً تیار نہیں ہوتے۔

[۸۵] پروردگار ہر رسول کو اپنے مخالفین سے بچانے کے لیے کوئی مدد فراہم کرتا ہے۔ حضورؐ کی طرح شعیبؑ کی برادری بھی ان کی پشت پر تھی۔

[۸۶] گویا اتمام حجت کے بعد شعیبؑ نے قوم کے نافرمان عناصر کے لیے دنیوی سزا کا پیشگی اعلان کر دیا۔

[۸۷] جب اہل مدین پر اتمام حجت ہو گیا تو اللہ کا وہ قانون حرکت میں آیا جو رسول کی مخاطب نافرمان قوم کے لیے بنا ہے یعنی آخرت سے پہلے دنیا میں سزا کا قانون۔ یہ سارے واقعات اس لیے سنائے جا رہے ہیں تا کہ اہل عرب کو بھی پہلے سے خبردار کر دیا جائے کہ اگر تم حضورؐ کی بات نہ مانو گے تو تمھیں بھی اللہ دنیا سے فنا کر دے گا۔ ہمارے لیے یہ واقعات رسالت محمدیؐ کی ایک بڑی دلیل ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیات اور ایک روشن نشانی[۸۸] کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس رسول بنا کر بھیجا۔ مگر ان سرداروں نے فرعون ہی کی بات مانی، حالانکہ اس کا حکم راستی پر نہ تھا۔ وہ قیامت کے روز اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور ان کو دوزخ میں لے جا کر اتار دے گا[۸۹]۔ کیسی بری جگہ ہے جس پر یہ اتریں گے۔ اس دنیا میں بھی ان پر لعنت پڑی اور قیامت کے دن بھی (وہ رحمت سے دور رہیں گے)۔ کیا ہی برا صلہ ہے جو ان کو دیا گیا۔

اے نبیؐ، یہ چند خاص بستیوں کے واقعات ہیں جو ہم تمھیں سنا رہے ہیں[۹۰]۔ ان میں سے کچھ (کے کھنڈرات) تو قائم ہیں اور کچھ بالکل مٹ گئی ہیں[۹۱]۔ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا[۹۲]۔ جب اللہ کا حکم آ گیا تو ان کے وہ دیوتا جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے، ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور انھوں نے ان کی بربادی کے سوا انھیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ ۹۶-۱۰۱

[۸۸] آیات سے مراد اللہ کا پیغام ہے اور ''سلطان مبین'' سے مراد وہ معجزے ہیں جو حضرت موسیٰؑ کو بالکل ابتدا ہی سے اس لیے دیے گئے تا کہ فرعون اپنے اقتدار کے گھمنڈ میں ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

[۸۹] قیامت کے دن ہر غلط کار لیڈر کے ساتھ اس کے پیروکار بھی ہوں گے، تا کہ وہ اس پر لعنت کرتے ہوئے جہنم میں پہنچیں۔

[۹۰] یعنی وہ بستیاں جہاں رسولوں کو بھیجا گیا اور پھر بھی انھوں نے حق کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

[۹۱] عاد و ثمود کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ اسی طرح اہرام مصر بھی قائم ہیں، جبکہ قوم لوط کی بستی بحیرۂ مردار کے نیچے آ کر بالکل مٹ گئی ہے۔

[۹۲] پروردگار کسی انسان کو یا انسانوں کے کسی گروہ کو صرف اسی وقت سزا دیتا ہے جب وہ اپنے ارادہ و اختیار سے کام لے کر ظلم کی آخری حد تک پہنچ جائے۔ رسولوں کے براہ راست مخاطبین کو اس دنیا میں بھی سزا ملتی ہے، جبکہ باقیوں کو قیامت کے دن سزا ملے گی۔

وكذلك اخذ ربك اذا اخذ القرى وهي ظالمة ط ان اخذه اليم شديد ﴿١٠٢﴾ ان في ذلك لاية لمن
خاف عذاب الاخرة ط ذلك يوم مجموع لا له الناس وذلك يوم مشهود ﴿١٠٣﴾ وما نؤخره الا لاجل
معدود ﴿١٠٤﴾ يوم يات لا تكلم نفس الا باذنه ج فمنهم شقي وسعيد ﴿١٠٥﴾ فاما الذين شقوا ففي النار
لهم فيها زفير وشهيق ﴿١٠٦﴾ لا خالدين فيها ما دامت السماوات والارض الا ما شاء ربك ان ربك ط
فعال لما يريد ﴿١٠٧﴾ واما الذين سعدوا ففي الجنة خالدين فيها ما دامت السماوات والارض الا ما
شاء ربك ط عطاء غير مجذوذ ﴿١٠٨﴾ فلا تك في مرية مما يعبد هؤلاء ط ما يعبدون الا كما يعبد
اباؤهم من قبل ط وانا لموفوهم نصيبهم غير منقوص ﴿١٠٩﴾ ع

(اے نبیؐ)، تیرا رب جب کسی ایسی بستی کو اس کے ظلم میں پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہوا کرتی ہے۔ بے شک، اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک اور سخت ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو آخرت کی سزا کا خوف کریں[۹۳]۔ وہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے۔ وہ حاضری کا دن ہوگا۔ ہم اس دن کو محض ایک مقرر مدت کے لیے ٹال رہے ہیں۔ جب وہ دن آئے گا تو کسی کو بھی اللہ کی اجازت کے بغیر بات کرنے کی مجال نہ ہوگی[۹۴]۔ (اس دن) کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ لوگ نیک بخت۔ جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جا پڑیں گے، جہاں وہ ہانپیں گے اور خوف و دہشت کے مارے ان پر سکتے کا عالم ہوگا۔ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، وہ اسی حالت میں ہمیشہ رہیں گے سوائے اس کے کہ تیرا رب کچھ اور چاہے[۹۵]۔ بے شک، تیرا رب پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے، کرے۔ جو نیک بخت ہوں گے، وہ جنت میں جائیں گے۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے سوائے اس کے کہ تیرا

رب کچھ اور چاہے۔[96] اللہ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا انعام ہوگا۔

پس اے نبیؐ! جن معبودوں کی یہ لوگ عبادت کررہے ہیں، تم ان معبودوں کی طرف سے کسی شک میں نہ رہو۔[98] یہ لوگ اسی طرح بغیر سوچے سمجھے ان کی عبادت کررہے ہیں جس طرح اس سے پہلے ان کے باپ دادا کررہے تھے۔ ہم (قیامت کے دن) ان کے اعمال کا حصہ بغیر کسی کمی کے ان کو پورا پورا دیں گے۔ ۱۰۲-۱۰۹

[۹۳] تاریخ کے یہ واقعات اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ جب اللہ رسولوں کے براہ راست نافرمان مخاطبین کو اسی دنیا میں سزا دیتا ہے تو لازماً ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے، جس دن وہ نیک اعمال کرنے والوں کو انعام دے گا اور برے اعمال کرنے والوں کو سزا دے گا۔

[۹۴] گویا مشرکین کا یہ گمان کہ ان کے خیالی معبود انھیں اللہ کے ہاں سے چھڑا کر لے جائیں گے اور اللہ کو مجبوراً ان کی بات سننی اور ماننی پڑے گی، بالکل غلط ہے۔

[۹۵] اس میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے کہ ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے جب سخت ترین مشرکین اور رسولوں کے براہ راست مخالفین کی سزا میں تخفیف ہوجائے یا ان کو ختم کردیا جائے۔

[۹۶] اس میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے کہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ ان انسانوں کو کائنات کے اندر کچھ دوسرے چیلنجوں کا سامنا بھی کرائے گا۔

[۹۷] یعنی یہ مزید کام ان کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے ہوں گے۔

[۹۸] یہاں قرآن مجید اپنے اسلوب کے مطابق حضورؐ سے ایک بات کہہ کر دراصل آپؐ کے مخالفین کو سنا رہا ہے کہ تمھارے یہ معبود معمولی سا اختیار بھی نہیں رکھتے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ
شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ
اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ
النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ
الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

جب ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ اے نبیؐ! اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ کردی

گئی ہوتی توان اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا۔ 99 یہ لوگ اس قرآن کی طرف سے بڑے الجھا دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ 100 تیرا رب ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دے کر رہے گا۔ یقیناً وہ ان کے سب اعمال سے باخبر ہے۔

پس اے نبی، تم ثابت قدم رہو، جیسا کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے، اور تمھارے وہ ساتھی جنھوں نے توبہ کی ہے (وہ بھی اس راستے پر جمے رہیں،) ڈگمگا نہ جانا۔ بے شک، اللہ تمھارے اعمال پر نگاہ رکھتا ہے۔ ان ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ دوزخ کی آگ تمھیں پکڑے گی۔ پھر تمھیں اللہ کے سوا کوئی حامی نہ ملے گا اور تمھاری مدد نہیں کی جائے گی۔ 101

اے نبیؐ، نماز کا اہتمام کرو، دن کے دونوں حصوں میں اور رات کے کچھ حصے میں۔ 102 بے شک، نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔ 103 یہ
نماز ایک نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے۔ 104 صبر سے کام لو، کیونکہ اللہ نیکی کرنے والوں کا انعام ضائع نہیں کرے گا۔ 105

۱۱۰-۱۱۵

[۹۹] کئی نشانیوں کے باوجود قوم فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے اختلاف کیا۔ چنانچہ حضورؐ کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ معاملہ صرف مشرکین مکہ ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ تاہم اللہ ہر ایک کو ایک مقرر وقت تک لازماً مہلت دیتا ہے۔

[۱۰۰] 'مریب' کے معنی ہیں الجھن میں ڈال دینے والی چیز۔ یعنی اس قرآن نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو ایک الجھن میں گرفتار کردیا ہے کہ اسے مانیں یا نہ مانیں۔ اسی لیے اللہ ان کو مہلت دے رہا ہے۔

[۱۰۱] یہاں بھی قرآن مجید نے وہی اسلوب اختیار کیا ہے کہ حضورؐ کو مخاطب کرکے دراصل مخالفین اسلام کو یہ بات سنائی جارہی ہے کہ یہ پیغمبرؐ اور اس کے ساتھی کبھی تمھاری طرف مائل نہیں ہوسکتے۔

[۱۰۲] قرآن مجید نے مختلف مقامات پر نماز کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہیں فجر پر زور دیا ہے، کہیں عصر پر، کہیں کسی اور نماز پر اور کہیں سب نمازوں پر۔ یہاں دن کے دونوں سروں سے مراد فجر اور مغرب ہوسکتے ہیں۔ اور اس کے ایک حصے سے اور دوسرے حصے سے ظہر، عصر اور مغرب مراد ہوسکتے ہیں۔ رات سے مراد نماز عشا ہے۔

[۱۰۳] انسان کمزور ہے اور اس سے غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ اگر انسان نیکیوں کی طرف توجہ دیتا رہے تو اس کی غلطیاں، ماسوائے حقوق العباد کے، اس کے اعمال نامے سے ساقط ہوتی رہتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جب انسان اپنی اندرونی اصلاح کی طرف توجہ دیتا ہے تو وہ باہر کی برائیوں کے مقابلے کے لیے بھی طاقت ور بنتا ہے۔

[۱۰۴] اگر نماز پورے شعور کے ساتھ پڑھی جائے تو ہر نماز انسان کو اسلام کی ساری بنیادوں کی یاددہانی کرادیتی ہے۔

[۱۰۵] جب انسان کو یقین ہو کہ پروردگار، اس کا انعام ضائع نہیں کرے گا، بلکہ آخرت اس کی منتظر ہے تو پھر وہ نتائج کے حصول کے لیے بے صبرا اور جلد

سورۂ یوسف مکیّۃ

[۱۲]

نام، زمانۂ نزول اور اس کے احسن القصص ہونے کی اصل وجہ

یہ پوری کی پوری سورہ حضرت یوسفؑ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ اس سورہ کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کی درمیانی یا آخری مدت میں نازل ہوئی۔

قرآن مجید میں بیان کردہ سارے تاریخی واقعات کی طرح اس واقعے کے بیان کا مقصد بھی محض تاریخ گوئی نہیں، بلکہ اس کے ذریعے سے ہر زمانے کے لوگوں کی کئی معاملات کے ضمن میں رہنمائی مقصود ہے۔ اس رہنمائی کی تفصیل اس سورہ کے ترجمے کے ساتھ واضح ہوتی جائے گی۔

اس سے پہلے دو سورتوں میں ان رسولوں کا تذکرہ آیا ہے جن کی نافرمان قوموں کو اس دنیا میں سزا ملی تھی۔ اب اس سورہ میں ایک ایسے پیغمبر کا تذکرہ ہے جس کی دعوت اپنے وقت کے لوگوں نے مان لی تھی اور اس ملک پر اس دنیا میں انعام واکرام نازل کر دیا گیا۔

قرآن مجید نے اس داستان کو ''احسن القصص''، یعنی بہترین قصہ قرار دیا ہے۔ گویا اس کے ذریعے سے دور مکہ میں حضورؐ کے پسے اور دبے ہوئے ساتھی اہل ایمان کو یہ اشارہ دیا گیا کہ حضوؐر کی دعوت بھی اسی طرح کامیاب ہوگی۔ قصۂ یوسفؑ اور حضورؐ کے حالات زندگی میں کئی اعتبار سے بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کی طرح آپؐ کے بھائی بند بھی آپ کی جان کے درپے تھے، لیکن آپؐ اس شر سے محفوظ رہے۔ حضرت یوسفؑ کی طرح آپؐ کو بھی اقتدار حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے موقع پر جب حضورؐ نے اپنی قوم کے لوگوں سے سوال کیا کہ لوگو، بتاؤ میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔ تو وہ بولے کہ آپؐ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: ''میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ جاؤ، تم سب آزاد ہو۔ تم پر کوئی الزام نہیں۔''

حضورؐ کے وقت کے مسلمانوں کے لیے یہ سورہ ایک بہت بڑی بشارت تھی، جس میں ان کو مستقبل کا آئینہ دکھایا گیا۔ اسی طرح ہمارے لیے یہ صداقت رسالت حضوؐر کی ایک بڑی دلیل ہے اور قرآن کی حقانیت کا ایک ثبوت ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے اسے ''احسن القصص'' کہا۔

آیاتہا ۱۱۱

سورۃ یوسف مکیۃ

رکوعاتہا ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ
عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ اِذْ قَالَ
يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ
يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ط اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾
وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ
اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ا،ل،ر[1]۔ یہ اس واضح کتاب کی آیات ہیں[2]۔ ہم نے اس کو قرآنِ عربی بنا کر اتارا تا کہ تم اسے سمجھو[3]۔ (اے نبیؐ)، ہم تمھیں ایک بہترین سرگزشت سناتے ہیں[4] اس قرآن کی بدولت جو ہم نے تمھاری طرف وحی کیا ہے۔ بے شک، اس سے پہلے تم اس سے ناآشنا تھے[5]۔ (یہ اس وقت کی بات ہے) جب یوسفؑ[6] نے اپنے باپ سے کہا: ''ابا جان میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے سربسجود ہیں[7]۔'' اس (کے باپ) نے جواب دیا: ''اے میرے بیٹے، اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں[8] کو نہ سنانا۔ (کہیں ایسا نہ ہو) کہ وہ تمھارے خلاف کسی سازش میں لگ جائیں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے[9]۔ ایسا ہی ہوگا کہ تیرا رب تجھے رسالت کے کام کے لیے منتخب کرے گا[10]، تمھیں باتوں کی اصل حقیقت تک پہنچنا سکھائے گا[11] اور تم پر اور آلِ یعقوبؑ پر اسی طرح اپنی نعمت پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تیرے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر کر چکا ہے[12]۔ یقیناً تیرا رب علم والا اور دانا ہے۔'' ۱-۶

[۱] یہ حروف تہجی اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ اللہ نے انسان کو عقل و گویائی اور تحریر و الفاظ کے ذریعے سے کتنی بڑی نعمت دی ہے۔

[۲] قرآن مجید ایک واضح کتاب ہے۔ وہ اپنی بات واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ دین کی وضاحت اسی کتاب سے ہوتی ہے۔

[۳] حضوؐر کی بعثت عام ساری دنیا اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اور آپؐ کی بعثت خاص بنی اسماعیل کی طرف تھی۔ بنی اسماعیل کی زبان ''عربی مبین'' تھی۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[۴] یوسفؑ کا واقعہ ہمارے لیے، اپنے اندر بہت سبق رکھتا ہے، لیکن یہ سب سے بڑھ کر اس اعتبار سے ''احسن القصص''، یعنی بہترین سرگزشت ہے کہ اس کے ذریعے سے مکی دور کے سخت حالات میں صحابۂ کرامؓ کو اشارہ دیا گیا کہ حضوؐر اور آپؐ کے ساتھی اہل ایمان کی جدوجہد کا دنیوی نتیجہ کیا نکلے گا۔

[۵] یوسفؑ کے واقعات سے سرزمین عرب کے لوگ بالعموم ناآشنا تھے۔ اگرچہ تورات میں یہ سرگزشت آئی ہے، لیکن اس کے بیان اور قرآن مجید کے بیان میں قدم قدم پر اختلاف ہے۔ قرآن کا بیان ایک رسول کی شان کے بالکل زیبا ہے، جبکہ تورات کا بیان خلاف عقل وفطرت اور شان نبوت کے منافی ہے۔

ان واقعات کا حضوؐر کی زبانی سنایا جانا حضوؐر کی صداقت کی بھی ایک دلیل ہے۔ اس لیے کہ یہ باتیں اس صحت وصداقت کے ساتھ آپؐ کو معلوم ہونے کا وحی کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

[۶] ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کا نام اسحٰقؑ تھا۔ ان کا بیٹا یعقوبؑ تھا اور وہ یوسفؑ کے والد تھے۔ یعقوبؑ فلسطین میں رہتے تھے۔ غالباً یوسف ۱۹۰۶ قبل مسیح میں پیدا ہوئے تھے۔

[۷] ''سربسجود'' ہونے کی تشریح آگے آئے گی۔

[۸] یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ یوسفؑ اور ان کے چھوٹے بھائی 'بن یمین' ایک بیوی سے تھے، جبکہ باقی دس دوسری بیویوں سے تھے۔

[۹] یعقوبؑ جانتے تھے کہ ان کے بقیہ بیٹوں میں حسد وانانیت کے جراثیم زیادہ ہیں۔ چونکہ یہ خواب منصب نبوت پر سرفراز ہونے کا کھلا اشارہ تھا، اس لیے ان کو اندیشہ ہوا کہ یوسفؑ کے باقی بھائی اس خواب کو سن کر حسد میں مبتلا ہو جائیں گے۔

دیکھیے کہ یہ داستان حضوؐر کے حالات زندگی سے کتنی مشابہت رکھتی ہے۔ قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والے حضوؐر کے بھائی بند بھی حضوؐر کے اعلان نبوت سے اسی طرح حسد میں مبتلا ہو گئے تھے۔

[۱۰] نبوت کا آغاز ہمیشہ سچے خوابوں سے ہوتا ہے۔ حضوؐر کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صادقہ سے ہوا تھا۔

[۱۱] پروردگار کی طرف سے ہر رسول کو اپنے حالات کے مطابق کوئی خصوصی فضیلت دی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کو یہ صلاحیت دی گئی کہ وہ کسی معاملے کی تہ تک بآسانی پہنچ سکیں گے اور خوابوں کی صحیح تعبیر کر سکیں گے۔

[۱۲] یعنی نبوت اور دین وشریعت کی نعمت۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ﴿٧﴾ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ
عُصْبَةٌ ط إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨﴾ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا

مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ
السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ
مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ
الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

بے شک، یوسف اور اس کے بھائیوں کی سرگزشت میں (ان) پوچھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں[13]۔ (یہ داستان یوں ہے) کہ یوسف کے بھائیوں نے آپس میں کہا: ''یوسف اور اس کا بھائی[14] ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم تو ایک پورا جتھا ہیں[15]۔ بے شک، (اس معاملے میں) ہمارا باپ ایک کھلی ہوئی غلطی میں مبتلا ہے۔ (چلو)، یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کہیں پھینک دو۔ اس طرح تمھارے باپ کی ساری توجہ تمھاری ہی طرف ہو جائے گی۔ اس کے بعد تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے[16]۔'' انھی میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''یوسف کو قتل نہ کرو، اگر تمھیں کچھ کرنا ہے تو اسے کسی کنوئیں کی تہ میں پھینک دو۔ کوئی راہ چلتا قافلہ اس کو نکال لے جائے گا[17]۔''

انھوں نے (اپنے باپ سے) کہا: ''ابا جان، کیا بات ہے کہ یوسف کے معاملے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے، حالانکہ ہم اس کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ کل اس کو ہمارے ساتھ جانے دیجیے تاکہ ذرا چرے چگے اور کھیلے کودے (یعنی پکنک منالے)۔ ہم اس کی پوری حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔'' یعقوبؑ نے کہا: ''تمھارا اسے لے جانا مجھ پر سخت گزرتا ہے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ جب تم اس سے غافل ہو تو اس کو بھیڑیا پھاڑ کھائے گا۔'' انھوں نے[18] جواب دیا: ''اگر ہمارے ہوتے ہوئے اس کو بھیڑیے نے کھا لیا، جبکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں، تب تو ہم بڑے ہی نکمے ہوں گے۔'' ۷-۱۴

[۱۳] دور مکہ کے درمیانی عرصے میں، جبکہ کفر و اسلام کا معرکہ اپنی پوری انتہا پر تھا، صحابۂ کرامؓ کے دلوں میں کئی سوالات اٹھ رہے تھے۔ چنانچہ اس داستان کے ذریعے سے انھیں بتا دیا گیا کہ یہ معاملہ کس طرح اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ اور قریش یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح، حضورؐ کے آگے جھک جائیں گے۔

[۱۴] اس سے مراد یوسفؑ کے حقیقی بھائی بن یمین ہیں جو ان سے کئی سال چھوٹے تھے۔ بن یمین کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، اس لیے یعقوبؑ ان دونوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ نیز چونکہ وہ یوسفؑ میں اعلیٰ صلاحیتیں دیکھ رہے تھے، اس لیے انھیں یوسفؑ سے غیر معمولی محبت ہو گئی تھی۔

[۱۵] اس وقت ارض فلسطین میں کسی منظم حکومت کا وجود نہیں تھا، اس لیے ہر خاندان کی قوت کا اظہار اس کے جوانوں کی تعداد پر ہوتا تھا۔ بالکل اسی طرح حضورؐ کے زمانے میں بھی منظم حکومت کا وجود نہیں تھا اور قریش کہتے تھے کہ (نعوذ باللہ) یہ اکیلا شخص ہمارے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔

[۱۶] یہاں صالح کا لفظ بالکل اپنے لغوی مفہوم میں ہے۔ یعنی ان بھائیوں نے سوچا کہ یوسفؑ سے ہم نجات پا جائیں تو سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور

باپ کی ساری توجہ ہمیں حاصل ہو جائے گی۔

[۱۷] اس زمانے میں انسانوں کی خرید و فروخت کا عام رواج تھا، اس لیے یہ سوچا گیا کہ کوئی قافلے والے اس کو غلام بنالیں گے اور کسی شہر میں لے جا کر اسے فروخت کر دیں گے۔ اس طرح یہ کام آسانی سے ہو جائے گا۔

[۱۸] معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں بھیڑیوں کی کثرت تھی اور ان کے انسانوں کو کھانے کے واقعات عام تھے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰي قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

پس جب وہ اُسے لے گئے اور یہ طے کر لیا کہ اُس کو کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں تو ہم نے یوسف کو وحی[۱۹] کی کہ: ''ایک وقت آئے گا جب تم اِن لوگوں کو اِن کی یہ حرکت جتاؤ گے جب کہ اِن کو کچھ خیال بھی نہ ہوگا۔'' کچھ رات گئے وہ سب روتے پیٹتے اپنے باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''ابا جان، ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے تھے اور یوسفؑ کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیے نے اسے کھالیا اور آپ تو ہماری بات پر یقین کرنے والے نہیں ہیں، چاہے ہم سچے ہی ہوں۔'' وہ یوسفؑ کے کُرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگالائے تھے۔ (اس پر) یعقوبؑ نے کہا: ''(لگتا ہے کہ) یہ تو تمھارے دل کی ایک گھڑی ہوئی بات ہے۔ بہر حال میں بہترین صبر[۲۰] سے کام لوں گا۔ جو بات تم بنا رہے ہو، اس میں اللہ ہی سہارا ہے''۔ ادھر ایک قافلہ آیا اور اس نے اپنے سقے کو (پانی لانے کے لیے) بھیجا۔ جب اس نے (کنویں میں) ڈول ڈالا تو پکار اٹھا کہ ''مبارک ہو، یہاں تو ایک لڑکا ہے۔'' پھر ان لوگوں نے اسے تجارت کا مال سمجھ کر چھپا لیا۔ حالانکہ جو کچھ وہ کر رہے تھے، اللہ اس سے خوب باخبر تھا۔ آخر کار انھوں نے اس کو ایک حقیر قیمت[۲۱]، چند درہم کے عوض، بیچ دیا۔ وہ اس (کی قیمت) کے معاملے میں بالکل بے پروا تھے ۱۵-۲۰

[۱۹] یہاں وحی سے مراد ''دل میں بات ڈالنا'' ہے۔ اچھے لوگوں کو جب ظالموں کے ہاتھوں کوئی آزمائش آتی ہے تو عموماً اللہ مظلوم کے دل پر بھی غیب سے سکون واطمینان اور تسلی وبشارت نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ اس وقت یوسفؑ کے دل میں اللہ کی طرف سے یہ بات ڈال دی گئی کہ یہ ایک عارضی آزمائش ہے اور ایک ایسا دن بھی آئے گا جب تم ایک عظیم منصب پر فائز ہو کر ان کو ان کی حرکت کے بارے میں بتا رہے ہو گے اور وہ ملامت زدہ ہوں گے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ نے مشرکین قریش کے ساتھ بالکل یہی کیا تھا۔ اور ہجرت کے موقع پر حضورؐ پر بھی یہ تسلی نازل کی گئی تھی کہ 'جاء الحق وزهق الباطل'۔

[۲۰] صبر جمیل کا مطلب ہے وہ صبر جو ہر قسم کے گلے شکوے، فریاد اور نوحہ وماتم سے پاک ہو۔ جس میں ٹھنڈے دل سے اس مصیبت کو برداشت کیا جائے جو ایک نیک انسان پر آپڑی ہو۔

[۲۱] قافلے والوں کو یوسفؑ بالکل مفت میں پڑے تھے، اس لیے ان کو جو بھی قیمت ملی، انھوں نے قبول کرلی۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ
مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ
فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا
يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ
وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

مصر والوں کے جس شخص نے یوسفؑ کو خریدا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: ''اس کو اچھی طرح رکھو۔ ممکن ہے کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں۔'' [۲۲] اس طرح ہم نے یوسف کے لیے اس ملک میں قدم جمانے کی صورت نکالی اور اسے معاملہ فہمی کی تعلیم دینے کا انتظام کیا۔ [۲۳] اللہ اپنے ارادے کو نافذ کرنے پر غالب ہے، لیکن بہت سے لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے۔ پھر جب وہ اپنی پختگی (کی عمر) [۲۴] کو پہنچا تو ہم نے اسے فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا۔ ہم بہترین طریقے سے کام انجام دینے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

یوسفؑ جس عورت کے گھر میں تھا وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی۔ (ایک روز) وہ دروازہ بند کر کے بولی کہ بس آجاؤ۔ یوسفؑ نے کہا: ''اللہ کی

پناہ! وہ تو میرا آقا ہے۔ اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔ ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔[25] عورت نے اس کی طرف اقدام کر ہی لیا تھا اور یوسف بھی اس کی طرف بڑھ جاتا، اگر اس نے اپنے رب کی واضح نشانی نہ دیکھ لی ہوتی۔[26] ہم نے ایسا ہی کیا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں[27]۔ بے شک، وہ ہمارے منتخب کردہ بندوں میں سے تھا۔ ۲۱-۲۴

[۲۲] اس قافلے نے مصر پہنچ کر یوسفؑ کو بیچ دیا۔ خریدار مصری حکومت کا ایک بڑا عہدہ دار تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت دانا اور نرم دل آدمی تھا۔ چونکہ اس نے یوسفؑ کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا، اس لیے اس نے اپنے گھر اور جاگیر کے بہت سے اختیارات بھی ان کو سونپ دیے۔

[۲۳] یعنی اس طرح یوسفؑ اس ملک کے رسم و رواج اور طور طریقوں سے بھی واقف ہو گئے اور ان کو معاملات سنبھالنے کا ڈھنگ بھی آ گیا۔

[۲۴] مصر پہنچتے وقت یوسفؑ کی عمر اندازاً سترہ یا اٹھارہ برس تھی۔ چنانچہ آیندہ چند سالوں میں ان کی مزید تربیت ہوئی۔

[۲۵] اس فقرے میں 'رب' کا لفظ اپنے عام لغوی معنی یعنی آقا اور مالک کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں کئی دوسرے مقامات پر بھی یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[۲۶] ''برہان رب'' سے مراد اللہ کی طرف سے بخشا ہوا وہ نور ہے جو اللہ ہر انسان کی فطرت میں ڈالتا ہے۔ یہ نور انسان کو خیر پر ابھارتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ جو لوگ اپنے پورے عزم کے ساتھ اس نور کی رہنمائی قبول کرتے ہیں، ان کے اندر یہ ''برہان رب'' اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ سخت آزمایش کے موقع پر بھی وہ انسان کو گناہ میں مبتلا ہونے سے روکتی ہے۔

یوسفؑ اس وقت بالکل نوجوان تھے۔ کیا عجب تھا کہ ان کے قدم بھی لڑکھڑا جاتے۔ لیکن اس موقع پر ''برہان رب'' نے ان کی رہنمائی کی اور انھوں نے پوری قوت کے ساتھ اس دعوت گناہ کو ٹھکرا دیا۔

[۲۷] اس وقت کی مصری سوسائٹی بے حیائی کے لحاظ سے اپنے آخری مقام پر تھی، اس لیے یوسفؑ کو بالکل ابتدا ہی میں اس آزمایش سے گزارنا ضروری تھا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۲۶﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿۲۸﴾ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿۲۹﴾

وہ دونوں دروازے کی طرف جھپٹے اور اس عورت نے پیچھے سے یوسفؑ کی قمیص پھاڑ دی[28]۔ دروازے پر دونوں نے اس عورت کے شوہر کو موجود پایا۔ وہ عورت (اپنے خاوند سے) کہنے لگی: ''کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری بیوی کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کرے۔ اسے یا تو قید خانے میں ڈالا جائے یا کوئی اور سخت سزا دی جائے۔'' (اس پر) یوسفؑ نے کہا: ''یہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔'' (جب گھر کے قریبی افراد کے علم میں آیا تو) اس عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے یہ کہا: ''اگر یوسفؑ کا کرتہ آگے سے پھٹا ہو تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے، لیکن اگر یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسفؑ سچا ہے[29]۔''

جب شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس نے کہا: ''بے شک، یہ تم عورتوں کی چالیں ہیں۔ تمھاری چالیں بلا کے غضب کی ہوتی ہیں۔ یوسف، تم اس معاملے کو جانے دو۔ اور اے عورت، تو اپنے قصور کی معافی مانگ۔ بے شک، تو ہی خطاوار ہے۔'' ۲۵-۲۹

[۲۸] یوسفؑ باہر بھاگنے کے لیے دروازے کی طرف بڑھے اور عورت انھیں روکنے کے لیے ان کی قمیص کھینچنے لگی۔

[۲۹] اس دانا فرد نے حالات کا تجزیہ کیا اور عقلی قرینے (circumstances) کے ذریعے سے نتیجہ اخذ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی جرم کے ثبوت کے لیے آنکھوں دیکھی گواہی کے علاوہ صحیح تفتیش بھی بہت اہم ہوتی ہے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا
وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۡ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا
مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ
يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ
وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ
كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

شہر کی عورتوں نے (آپس میں) کہا کہ ”عزیز (یعنی اس بڑے افسر) کی بیوی اپنے غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور اس کے عشق میں دیوانی ہوگئی ہے۔ ہمارے خیال میں تو وہ کھلی حماقت میں مبتلا ہے۔“ ۳۰

جب عزیز کی بیوی نے ان عورتوں کی مکارانہ باتیں سنیں تو اس نے انھیں بلا بھیجا، ان کے لیے ایک نشست گاہ آراستہ کی ۳۱ ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (پھر یوسف سے) کہا کہ تم ان کے سامنے آؤ۔ جب ان عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو وہ اس کی عظمت سے ہکا بکا ہو کر رہ گئیں اور انھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے۔ ۳۲ پھر وہ بولیں: ”خدا کی پناہ! یہ شخص کوئی انسان نہیں، بلکہ ایک بزرگ فرشتہ لگتا ہے۔“ ۳۳ عزیز کی بیوی نے کہا: ”یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں۔ بے شک، میں نے اس پر ڈورے ڈالے، مگر یہ بچ کر رہا۔ اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو ضرور قید خانے بھیجا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔“ ۳۴

یوسف نے دعا کی: ”اے میرے رب، قید خانہ مجھے اس چیز کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہے، جس کی یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل اور جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔“ ۳۵ یوسف کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کی چالوں کو اس سے دفع کیا۔ بے شک، اللہ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ۳۰-۳۴

[۳۰] یعنی عزیز کی بیوی اپنے برابر کے طبقہ امرا کے اندر جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہے، کرتی پھرے، لیکن نچلے طبقے کے ایک غلام سے پینگیں بڑھانا اس کے مرتبے کے خلاف ہے۔

[۳۱] آگے آیت نمبر ۵۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز کی بیوی نے اپنے طبقے کی کچھ عورتوں کے ساتھ باقاعدہ ساز باز کر کے انھیں بلایا تھا تاکہ وہ سب بھی اس کے ساتھ اس کام میں شریک ہو جائیں اور اس کا ہاتھ بٹالیں۔

[۳۲] اس مقام کی تفسیر میں مفسرین کا عمومارجحان یہ ہے کہ جب یہ خواتین چھریوں سے پھل کاٹ رہی تھیں، تب یوسفؑ کو دیکھ کر بے ساختہ انھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے۔ لیکن مولانا امین احسن اصلاحی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ سب کی سب یوسفؑ کو اپنی غلیظ خواہشات پورا کرنے کے لیے آمادہ کرنے کی غرض سے خودکشی کی دھمکی دے رہی تھیں۔ مولانا اصلاحی اپنے اس نقطۂ نظر پر آیت نمبر ۵۱ سے دلیل لاتے ہیں۔ اس کی تشریح اپنے متعلقہ مقام پر آئے گی۔

[۳۳] یعنی اگر یہ ہمارے دام سے بچ کر نکلا ہے تو پھر یہ انسان نہیں، بلکہ فرشتہ ہے۔

[۳۴] یعنی جب یہ منت سماجت اور خودکشی کی دھمکیوں سے بھی ہماری بات نہ مانا تو اب اس پر ظلم و جبر کا حربہ آزمایا جائے گا۔

[۳۵] ایک بندۂ مومن ہر وقت مصیبت میں اپنے رب سے دعا مانگتا ہے۔ یہی کچھ یوسفؑ نے کیا۔ یہاں **’جاھل‘** کا لفظ ”جذبات سے مغلوب ہو جانے“ کے معنوں میں ہے۔

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ
اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا
بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ
يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ
اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ
فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾

۳۶ (یوسفؑ کی بے گناہی کی) نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود حکمرانوں کو مصلحت یہی معلوم ہوئی کہ اس کو کچھ مدت کے لیے قید کر دیں۔
قید خانے میں دو اور نوجوان بھی داخل ہوئے۔ ۳۷ (ایک روز) ان میں سے ایک نے (یوسفؑ سے) کہا: ''میں نے خواب میں دیکھا ہے
کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا: ''میں نے دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے چڑیاں
کھا رہی ہیں۔ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے۔ ۳۸ ہم آپ کو بہت ہی بہترین انسان سمجھتے ہیں۔''

یوسفؑ نے جواب دیا: ''یہاں جو کھانا تمھیں ملتا ہے، اس کے آنے سے پہلے پہلے میں تمھیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، میں نے ان کا طریقہ چھوڑ کر اپنے بزرگوں، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر فضل ہے، مگر بہت سے لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو، کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا

وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو، وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں، جو تم نے اور تمھارے آبا و اجداد نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند (mandate) نازل نہیں کی۔ اختیار و اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی خالص دین ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ ۳۹

اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو، تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلانے کی خدمت انجام دے گا۔ رہا دوسرا تو اسے سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر (نوچ کر) کھائیں گے۔ اس بات کا فیصلہ ہو گیا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔ ۴۰ ۳۵-۴۱

[۳۶] اس کی مصلحت یہ تھی کہ اس دوران میں لوگ اس واقعے کو بھول جائیں گے اور ان کی بیگمات بھی اس کو فراموش کر دیں گی۔

[۳۷] بائبل کی روایت کے مطابق ان میں سے ایک ملازم بادشاہ کو شراب پیش کرنے کی خدمت انجام دیتا تھا۔ ایک دن شراب کے ایک پیالے میں مکھی نکل آئی تھی جس کی وجہ سے اسے جیل بھیج دیا گیا۔ دوسرا نوجوان شاہی نان بائیوں کا افسر تھا۔ ایک دن روٹیوں کی کوالٹی صحیح نہیں تھی، اس لیے اسے بھی جیل بھیج دیا گیا۔

[۳۸] ہم عام طور پر جو خواب دیکھتے ہیں، وہ پچھلے واقعات، سوچوں یا بدہضمی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں جاگنے کے بعد انسان کو یوں گمان ہوتا ہے گویا وہ دن کی روشنی میں ایک واقعہ دیکھ رہا تھا۔ ایسا خواب کبھی بھی براہ راست نہیں ہوتا، بلکہ علامتی شکل میں ہوتا ہے اور اسی لیے تعبیر کا محتاج ہوتا ہے۔ ان دونوں نے ایسے ہی خواب دیکھے۔

[۳۹] یہ توحید کی بہترین تقریروں میں سے ایک ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے قید خانے کے ساتھیوں کے سامنے صرف اس وقت تبلیغ شروع کی جب ان کے ذہن پوری طرح اس مقصد کے لیے تیار تھے۔ مخاطب کی ذہنی آمادگی دعوت کی کامیابی کے لیے بہت ضروری ہے۔ تبلیغ کی ابتدا بھی انھوں نے توحید سے کی اور ان کے سامنے ان کی زندگی سے ایک ایسی مثال پیش کی جو ان کے دل میں اتر جانے والی تھی یعنی یہ کہ کیا ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا بہت سے آقاؤں کا۔

'قہار' کے لفظ کا صحیح مفہوم وہ نہیں جو اردو زبان میں لیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب ہے سب پر حاوی، غالب اور کنٹرولر (controller)۔

چونکہ یوسفؑ کو قید خانے میں ہی نبوت کے منصب سے سرفراز کیا گیا تھا، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ مناسب موقعوں پر قید خانے میں انھوں نے توحید کی تعلیم شروع کر دی تھی۔

[۴۰] یعنی بادشاہ کو شراب پیش کرنے والے ملازم کو معاف کر کے دوبارہ اپنی ملازمت پر بحال کر دیا جائے گا۔ رہا دوسرا تو اس پر کوئی سخت الزام مثلاً روٹی کے ذریعے سے بادشاہ کو زہر دینے کا الزام ثابت ہو جائے گا جس کی سزا کے طور پر اسے سولی دی جائے گی۔ یقیناً یوسفؑ نے اس دوسرے فرد کو توبہ واستغفار کے لیے نصیحت بھی کی ہوگی۔

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ

...سِنِينَ ﴿۴۲﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ

يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿۴۳﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ

بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿۴۵﴾

جس کے بارے میں یوسفؑ نے خیال کیا کہ وہ چھوٹ جانے والا ہے، اس سے یوسفؑ نے کہا: ''اپنے آقا (یعنی مصر کے بادشاہ) سے میرا ذکر کرنا۔''[۴۱] مگر شیطان نے اسے یوں غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے آقا سے یوسفؑ کا ذکر کرنا بھول گیا،[۴۲] چنانچہ یوسفؑ جیل خانے میں کئی سال پڑا رہا۔[۴۳]

(ایک روز) بادشاہ نے کہا: ''میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور (اناج کی) سات بالیاں سبز ہیں اور دوسری (سات) خشک ہیں۔ اے درباریو، اگر تم خوابوں کا مطلب سمجھتے ہو تو مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔''[۴۴] درباریوں نے کہا: ''یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم اس طرح کے خوابوں کا مطلب نہیں جانتے۔''

ان دونوں قیدیوں میں سے جو شخص چھوٹ گیا تھا، اسے ایک مدت کے بعد اب بات یاد آئی، وہ بولا: ''میں آپ لوگوں کو اس کی تعبیر بتادوں گا، بس مجھے (ذرا قید خانے میں یوسفؑ کے پاس) جانے دیجیے۔'' ۴۲-۴۵

[۴۱] یعنی شاہ مصر سے جا کر کہنا کہ اس کی سلطنت میں ایک بے گناہ کو قید میں رکھا گیا ہے۔ یہ رہائی کے لیے ایک جائز دنیوی تدبیر تھی۔
مصر میں اس زمانے میں جس خاندان کی حکومت تھی، اسے چرواہے بادشاہوں (Hyksos Kings) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کو 'عمالیق' بھی کہا جاتا ہے۔ اس وقت سے لے کر اگلے چار سو برس تک مصر میں ان کی حکومت رہی۔ ان کے بعد قبطی النسل خاندان فراعنہ اقتدار میں آگیا۔ ''عمالیق'' مشرکانہ مذہب کے پیروکار تھے۔ موجودہ زمانے کے محققین کا خیال ہے کہ یوسفؑ کے وقت میں چرواہے بادشاہوں میں سے اپوفیس (Apophis) نامی حکمران تھا۔

[۴۲] شیطان سے مراد کسی جن یا انسان شیطان کے ساتھ ساتھ انسان کا وہ نفس بھی ہوتا ہے جو انسان کو وہ باتیں بھلا دیتا ہے جس میں اس کا کوئی فوری عملی دنیوی فائدہ نہ ہو۔ یہاں مراد اس شخص کا اپنا نفس ہے۔

[۴۳] 'بِضْعَ سِنِينَ' کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوسفؑ دس سال سے کچھ کم عرصے تک جیل میں رہے۔

[۴۴] بادشاہ نے یوں خواب دیکھا تھا جیسے انسان روز روشن میں کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، اس لیے وہ خواب بادشاہ کے دل پر نقش ہو گیا۔ ورنہ ویسے تو انسان ہر رات کئی خواب دیکھتا ہے جسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ

يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ

فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾

(اس[45] شخص نے جا کر یوسف سے پوچھا:) "یوسفؑ، اے سچے انسان،[46] ہمیں اس خواب کا مطلب بتا کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں سبز ہیں، جبکہ دوسری سات خشک ہیں، تاکہ جب میں (ان) لوگوں کے پاس جاؤں تو وہ جان لیں۔"

یوسفؑ نے کہا: "تم لوگ سات برس تک لگاتار کاشت کرو گے۔ (اس دوران میں) جو فصل تم کاٹو تو اس قلیل مقدار کے سوا جو تم کھاؤ گے، باقی فصل کو اس کی بالیوں میں چھوڑ دو۔ پھر اس کے بعد سات سخت (سال) آئیں گے۔ (اس زمانے میں) وہ سب غلہ کھا لیا جائے گا جو تم اس وقت کے لیے جمع کرو گے، سوائے اس تھوڑی سی مقدار کے جو تم نے محفوظ کر رکھا ہوگا۔[47] پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریاد سنی جائے گی۔ اور لوگ اس میں انگور نچوڑیں گے۔[48]" ۴۶-۴۹

[۴۵] یہاں قرآن نے اتنی بات حذف کر دی ہے جو خود بخود کلام سے ظاہر ہے کہ اس سردار ساقی نے یوسفؑ کے حالات بادشاہ سے بیان کیے، اپنے خوابوں کے بارے میں بتایا اور اس سے اجازت طلب کی کہ مجھے قید خانے میں یوسفؑ سے ملاقات کی اجازت دی جائے۔

[۴۶] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیل کے سب لوگ یوسفؑ کے اخلاق و کردار کے کیسے معترف تھے۔

[۴۷] گویا خواب کی تعبیر میں یوسفؑ نے ایک ایسا اسلوب اختیار کیا کہ خواب کی تعبیر بھی بتا دی اور آنے والی آفت سے بچنے کا طریقہ بھی بیان کر دیا۔

[۴۸] یعنی سات برس کی خشک سالی کے بعد پھر ہریالی اور خوش حالی آئے گی۔ چونکہ پوچھنے والا ساقیوں کا سردار تھا، اس لیے یوسفؑ نے یہ بھی کہا کہ پھر انگوروں کی ایک بہار بھی آئے گی۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ

أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا

عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ ۚ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

[پارہ نمبر13]

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

بادشاہ نے کہا: ”اسے میرے پاس لاؤ۔“ مگر جب شاہی قاصد یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: ”تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے، جنھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے تھے؟ بے شک، میرا رب ان کی مکاری سے خوب واقف ہے۔“ [۴۹]

بادشاہ نے (ان عورتوں سے) پوچھا کہ ”تمھارا کیا ماجرا ہے جب تم نے یوسفؑ کو پھسلانے کی کوشش کی تھی؟“ وہ بولیں کہ خدا کی پناہ! ہم نے تو اس میں معمولی سی بدی بھی نہیں پائی۔[۵۰] (اس وقت) عزیز کی بیوی نے اعتراف کیا: ”اب حق ظاہر ہو گیا ہے۔ میں نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی (مگر وہ میرے دام میں نہ آیا)۔ بے شک، وہ بالکل سچا ہے۔“

(یوسفؑ نے کہا: ”میں نے اس سارے معاملے کی ازسرِ نو تفتیش کا مطالبہ) اس لیے کیا[۵۱] کہ عزیز یہ جان لے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی[۵۲]۔ بے شک، اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا۔ میں اپنے نفس کو بدی سے آزاد قرار نہیں دیتا۔ نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے۔[۵۳] سوائے اس کے کہ میرا رب رحم فرمائے۔ بے شک، میرا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“[۵۴] ۵۰-۵۳

[۴۹] یعنی بادشاہ کے بلاوے کے باوجود یوسفؑ نے قید سے نکلنے سے انکار کیا اور مطالبہ کیا کہ پہلے اس الزام کی تحقیق ہونی چاہیے جس کی وجہ سے مجھے جیل میں ڈالا گیا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں قصوروار ہوں یا بے قصور۔

[۵۰] گویا یہ بات کھل گئی کہ یہ سب عورتیں یوسفؑ کو پھسلانے کی سازش میں شریک تھیں اور اسی لیے انھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے تھے۔

[۵۱] یہ سارا فقرہ ”ذٰلِكَ“ کا ترجمہ ہے۔

[۵۲] یعنی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس تفتیش سے ساری قوم کو بھی یوسفؑ کی بے گناہی کا علم ہو گیا۔

[۵۳] انسان کشش اور لذت کی ہر چیز فوری طور پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہی چیز برائی کو جنم دیتی ہے۔ مثلاً جلد دولت حاصل کرنے کی خواہش میں انسان چوری، رشوت اور خیانت پر اتر آتا ہے۔ اسی پر باقی سب چیزوں کو قیاس کر لیجیے۔ انسانی نفس کے اس حصے کو قرآن مجید نے یوسفؑ کی زبانی ”نفس

امارہ'' کہا ہے۔

اس کے برعکس انسانی نفس کا ایک اور حصہ اس سے کہتا ہے کہ لذت کی ہر چیز کے حصول کے لیے صرف جائز طریقہ استعمال میں لانا چاہیے اور اگر جائز طریقے سے لذت کے حصول میں تاخیر ہو تو اس تاخیر و انتظار کو برداشت کر لینا چاہیے اور اس وقت تک اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھنا چاہیے۔ نفس انسانی کے اس حصے کو قرآن مجید ''نفس لوامہ'' قرار دیتا ہے۔ اسی کو ہم ''ضمیر'' کے نام سے جانتے ہیں۔

[۵۴] یعنی اگر انسان اپنے ضمیر یا ''نفس ملامت گر'' کو مضبوط کرنے کی جدوجہد کرے تو اللہ اپنے رحم و کرم سے اس معاملے میں انسان کی مدد کرتا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾ ع

بادشاہ نے کہا: ''یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ۔ میں اس کو اپنا خاص معتمد (وزیر اعظم) بناؤں گا۔''[۵۵] پھر جب یوسفؑ نے اس سے گفتگو کی تو (بادشاہ نے) کہا: ''اب تم ہمارے ہاں اقتدار پر فائز اور معتمد ہوئے۔'' (اس پر) یوسفؑ نے کہا: ''ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجیے۔ میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔''[۵۶]

اس طرح ہم نے یوسفؑ کو اس سرزمین میں اقتدار بخشا کہ وہ اس میں جہاں چاہے، اپنے مراکز بنائے۔ ہم جسے چاہتے ہیں، اپنی رحمت سے نوازتے ہیں۔[۵۷] بہترین طریقے سے کام کرنے والوں کے اجر کو ہم ضائع نہیں کرتے۔ جو لوگ ایمان لے آئے اور خدا ترسی پر قائم رہے، ان کے لیے آخرت کا اجر اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ ۵۴-۵۷

[۵۵] بادشاہ کے سامنے اس کے خواب کی تعبیر بھی آ گئی تھی، اس آفت سے نمٹنے کا طریقہ بھی یوسفؑ نے بتا دیا تھا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یوسفؑ کی بے گناہی بھی پوری طرح ثابت ہو گئی، چنانچہ بادشاہ نے جان لیا کہ یہ کوئی بہت صاحب کمال ہستی ہے۔

[۵۶] جب بادشاہ نے یوسفؑ سے تبادلۂ خیال کیا تو اس نے درخواست کی کہ یوسفؑ اس کے معتمد خاص بن جائیں اور جو اختیار چاہیں سنبھال لیں۔ چونکہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ سات برس کے قحط کے اثرات سے نمٹنے کا تھا، اس لیے یوسفؑ نے کہا کہ انھیں سارے اختیارات دے دیے جائیں یعنی وزیر اعظم یا مختار کل بنا دیا جائے تا کہ وہ پورے ملک اور ارد گرد کے علاقوں کے لیے بھی منصوبہ بندی کر سکیں۔

یوسفؑ نے یہ عہدہ اس لیے مانگا تا کہ وہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا سکیں اور اس ذریعے سے اللہ کے دین کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکیں۔ گویا

حکومت ان کے لیے دین حق کو پھیلانے کا ایک واسطہ اور ذریعہ (Vehicle) بن گئی۔

چونکہ انھیں پروردگار کی رہنمائی حاصل تھی، اس لیے وہ یہ کہنے کا حق رکھتے تھے کہ میں حفیظ بھی ہوں اور علیم بھی۔

[۵۷] اقتدار کو مخلوق خدا کی خدمت کے لیے، قوم میں اخلاقی اصلاح کرنے اور دین حق کو پھیلانے کے لیے استعمال کرنا، رحمت الٰہی ہے۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ
ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ
فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا
بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ
أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ
عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا
مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۚ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا
وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾

۵۸
یوسفؑ کے بھائی (مصر) آئے اور اس کے ہاں حاضر ہوئے۔ اس نے تو ان کو پہچان لیا، مگر وہ اس سے ناآشنا رہے۔ پھر جب اس
نے ان کا سامان تیار کرا دیا تو (ان سے) کہا: ''اگلی دفعہ اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لے آؤ۔ تم دیکھتے ہو کہ میں غلہ بھی پورا پیمانہ
بھر کر دیتا ہوں اور بہترین میزبانی کرنے والا بھی ہوں۔ اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لاؤ گے تو تمھارے لیے میرے پاس کوئی غلہ نہیں
ہے، بلکہ تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا۔'' ۵۹ انھوں نے کہا: ''ہم کوشش کریں گے کہ اس کے والد راضی ہو جائیں اور ہم یہ ضرور کریں گے۔''

یوسفؑ نے اپنے ملازمین کو حکم دیا: ''ان لوگوں نے (غلے کی) جو قیمت ادا کی ہے، وہ ان کے سامان ہی میں رکھ دو۔'' (یہ یوسفؑ نے
اس لیے کیا) کہ جب اپنے گھر واپس پہنچ کر اپنا مال پہچان جائیں تو وہ (غلہ لینے کے لیے) دوبارہ بھی آجائیں گے۔ ۶۰

جب وہ اپنے باپ کے پاس گھر پہنچے تو کہا کہ ''ابا جان، آیندہ کے لیے ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے، (اس لیے اگلی دفعہ)

ہمارے بھائی کو بھی ہمارے ساتھ جانے دیجیے، تاکہ ہم غلہ لاسکیں۔ ہم اس کی حفاظت کا عہد کرتے ہیں۔"

یعقوب نے کہا کہ "کیا اس کے معاملہ میں میں تم پر ویسا ہی بھروسا کروں، جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے معاملے میں کرچکا ہوں۔ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔"

پھر جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا مال بھی انھیں واپس کردیا گیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے کہا: "ابا جان، اب ہمیں اور کیا چاہیے۔ یہ ہمارا مال بھی ہمیں لوٹا دیا گیا ہے۔ (اب ہم جب دوبارہ جائیں گے تو) اپنے اہل وعیال کے لیے رسد لے آئیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے اور اونٹ کے ایک بار کے برابر غلہ زیادہ بھی لے آئیں گے۔[٦١] ہمارے پاس موجود غلہ تو تھوڑا ہے۔" ٥٨-٦٥

[٥٨] قرآن مجید کا یہ طریقہ ہے کہ کسی داستان کے صرف وہ واقعات بیان کرتا ہے جن کی ضرورت ہو۔ چنانچہ یہاں قرآن مجید نے یہ تفصیل بیان نہیں کی کہ سات برس تک یوسفؑ کے زیر اقتدار مصر میں غلہ جمع ہوتا رہا۔ اور پھر جب قحط کا زمانہ آیا تو یوسفؑ کی حکومت کی طرف سے اعلان کردیا گیا کہ ہم سایہ علاقوں کے لوگ بھی غلہ لینے کے لیے آسکتے ہیں۔

[٥٩] یوسفؑ نے انتہائی سخت ڈسپلن نافذ کردیا تھا۔ اور قانون یہ بنایا کہ ہر بالغ مرد غلہ لینے کے لیے خود آئے گا، حلفاً اپنے خاندان کی تعداد کے بارے میں بتائے گا، اس کے نام اور تفصیلات کا باقاعدہ اندراج کیا جائے گا اور اگر کسی نے غلط بیانی سے کام لیا تو آیندہ کے لیے اسے غلہ نہیں دیا جائے گا۔

جب یوسفؑ کے بھائی غلہ لینے کے لیے فلسطین سے جانے لگے تو یعقوبؑ نے سابقہ تلخ تجربے کو مدنظر رکھتے ہوئے بن یمین کو ان کے ساتھ بھجوانے سے انکار کیا۔ جب یہ لوگ مصر پہنچے تو انھوں نے درخواست کی کہ ہمارا ایک بھائی مع خاندان وطن میں ہے، اس لیے اس کے حصے کا غلہ بھی ہمیں دے دیا جائے۔ چنانچہ ان کے اس حصے کا غلہ بھی دے دیا گیا، مگر یہ بات واضح کردی گئی کہ اگر اگلی دفعہ وہ ساتھ نہ آیا تو غلط بیانی کے جرم میں آیندہ انھیں کوئی غلہ نہیں دیا جائے گا۔

[٦٠] تاکہ ان کے پاس مزید غلہ خریدنے کے لیے رقم کی کمی نہ ہو۔

[٦١] یعنی امید ہے کہ سچ بولنے کے انعام کے طور پر ہمیں کچھ غلہ زیادہ بھی مل جائے گا۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ
قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ
وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا

حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

یعقوبؑ نے کہا: ''میں اس کو ہرگز تمھارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ سے پختہ وعدہ نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لاؤ گے، سوائے اس صورت کے کہ تم کہیں گھیر لیے جاؤ۔'' جب انھوں نے اپنے باپ کو پکا قول دے دیا تو یعقوبؑ نے کہا: ''دیکھو ہمارے اس قول پر اللہ نگہبان ہے۔'' پھر اس نے ہدایت کی: ''اے میرے بیٹو، تم سب (شہر میں) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ الگ الگ مختلف دروازوں سے داخل ہونا،[۶۲] اگر چہ میں اللہ کی مرضی کے مقابلے میں تمھارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اختیار تو بس اللہ ہی کا ہے، میرا بھروسا اسی پر ہے اور بھروسا کرنے والوں کو اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

جب وہ سب اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق (شہر میں) داخل ہوئے تو یہ تدبیر اللہ کی مرضی کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکی۔ بس یعقوبؑ کے دل میں ایک خیال تھا جو اس نے پورا کرلیا۔ بے شک، وہ اس علم سے بہرہ ور تھا جو ہم نے اس کو سکھایا تھا، لیکن بہت سے لوگ یہ علم نہیں رکھتے[۶۳] ۶۶-۶۸

[۶۲] چونکہ قحط کے زمانے میں لوٹ مار کے واقعات بہت بڑھ جاتے ہیں، اس لیے یعقوبؑ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر یہ سب لوگ ایک ہی دروازے سے شہر کے اندر داخل ہوگئے تو شہر کے لوگ یا محافظ انھیں کہیں لوٹ مار کرنے والوں کا کوئی گروہ نہ سمجھ لیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بیٹوں کو یہ تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت کی۔

[۶۳] تدبیر اور تقدیر کا آپس میں رشتہ اور توازن یہ ہے کہ انسان کو ہر حال میں تدبیر کرنی ہے۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تقدیر کے نام پر اپاہج ہو کر بیٹھ جائے۔ تاہم یہ قطعاً ضروری نہیں کہ تدبیر لازماً کامیاب بھی ہو۔ یہ عین ممکن ہے کہ بہترین تدبیر کے باوجود انسان آفت سے نہ بچ سکے۔ یعقوبؑ تدبیر اور تقدیر کا یہ باہمی تعلق جانتے تھے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ

اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾
فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ
لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس الگ بلا لیا اور اسے بتا دیا: ''میں تمھارا وہی بھائی (یوسف) ہوں۔ یہ ہمارے سوتیلے بھائی اب تک جو کچھ کرتے رہے ہیں، تم اس کا غم نہ کرو۔''[۶۴]

پھر جب ان کا غلے کا سامان تیار کرا دیا گیا تو یوسفؑ نے وہ کٹورا اپنے بھائی (بن یمین) کے سامان میں رکھوا دیا۔ تب ایک ملازم نے پکار کر کہا: ''اے قافلے والو، تم لوگ چور ہو۔'' انھوں نے پلٹ کر پوچھا: ''تمھاری کیا چیز کھوئی گئی۔'' اہل کاروں نے کہا: ''ہمیں شاہی پیمانہ نہیں مل رہا۔ (پھر ان کے سربراہ نے کہا کہ) جو شخص بھی وہ پیمانہ لا کر دے گا، اس کے لیے اونٹ کے ایک بار کے برابر انعام ہے۔ اس کا ضامن میں ہوں۔''

برادرانِ یوسفؑ نے کہا: ''اللہ کی قسم آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم اس ملک میں فساد برپا کرنے نہیں آئے اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔'' (اس پر) شاہی اہل کاروں نے کہا: ''اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس چوری کرنے والے کی کیا سزا ہے۔'' برادرانِ یوسفؑ بولے: ''اس کی سزا؟ جس کے سامان میں وہ چیز نکلے وہ اس کی سزا میں پکڑ لیا جائے۔ ہم ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔'' تب یوسفؑ نے اپنے بھائی سے پہلے ان کے تھیلوں سے تفتیش کا آغاز کیا اور پھر اپنے بھائی کی تھیلی سے (گم شدہ) پیالہ برآمد کر لیا۔[۶۵] اس طرح ہم نے یوسفؑ کے لیے تدبیر کی۔[۶۶] وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو پکڑنے کا مجاز نہ تھا، سوائے اس کے کہ اللہ ایسا چاہے۔[۶۷] ہم جس کے درجے چاہتے ہیں، بلند کر دیتے ہیں۔ ہر علم والے سے بالاتر علم رکھنے والا (اللہ) موجود ہے۔ ۶۹-۷۶

[۶۴] اس فقرے سے یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ یوسفؑ کے بعد اب ان کی دشمنی کا ہدف بن یمین بن گیا تھا اور وہ اس کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اب چونکہ ان لوگوں کو بن یمین کے حصے کا غلہ بھی مل گیا تھا، اس لیے اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ واپسی پر یہ لوگ بن یمین کو بھی نقصان پہنچائیں گے اور اسے قتل کرنے کے درپے ہوں گے۔ چنانچہ یوسفؑ کے لیے یہ لازم تھا کہ وہ بن یمین کو واپسی کے سفر سے روکنے کی تدبیر کرتے۔ چنانچہ انھوں نے ایک تدبیر کی اور اس تدبیر میں اپنے چھوٹے بھائی کو بھی شریک کر لیا۔

[۶۵] اس واقعے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری تدبیر یوسفؑ کی بنائی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ آخر میں انھوں نے تلاشی کا آغاز بھی اپنے سوتیلے بھائیوں

ے سامان سے کیا اور بعد میں بن یمین کے سامان کی تلاشی لی، تاکہ تدبیر میں کوئی کمی نہ رہے۔ اس واقعے سے ہمیں یہ اصولی بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ کسی لم کے ظلم سے بچنے کی ایسی تدبیر کرنا بالکل جائز ہے، جس سے ظالم کو ظلم کا موقع نہ مل سکے اور اس کے برے ارادے خاک میں مل جائیں۔

[۶۶] 'کید' مخفی تدبیر کو کہتے ہیں۔ گویا یہ مخفی تدبیر یوسفؑ نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کی تھی، بلکہ اللہ نے یوسفؑ کو سجھائی، تاکہ وہ اپنے بھائی کو خطرے ے بچا سکیں۔

[۶۷] اس وقت ملک مصر میں چور کی سزا کا جو قانون رائج تھا، اس کی رو سے یوسفؑ اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں روک سکتے تھے۔ غالباً وہ قانون جرمانے اور ڑوں کی سزا کا تھا، لیکن اس میں قید شامل نہیں تھی۔ اس کے برعکس ارض فلسطین میں چور کی سزا میں یہ بھی شامل تھا کہ چور کو متاثرہ شخص کی قید میں دے دیا جائے۔
چونکہ یوسفؑ مصر کے قانون کے مطابق بن یمین کو اپنے پاس نہیں ٹھہرا سکتے تھے، اس لیے انھوں نے یہ تدبیر کی کہ خود قافلے والوں کی زبانی یہ اقرار کرا دیا اگر ہمارے ہاں کے کسی فرد پر الزام ثابت ہوجائے تو اسے اس جرم میں رکھ لیا جائے۔
قرآن مجید کے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کسی خطۂ زمین پر کسی مسلمان کو حکومت ملے یا حکومت کا کچھ حصہ ملے تو وہاں وہ بہت ستگی کے ساتھ ایک اصلاحی عمل کے ذریعے سے تبدیلی لانے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ دیکھیے کہ اس وقت یوسفؑ کو مصر میں حکومت کرتے ہوئے کم و بیش ں برس گزر چکے تھے، اس کے باوجود وہ اس ملک کے فوج داری قانون (Criminal Law) میں کوئی تبدیلی نہ لائے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ے کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں بستا ہو تو اس کے لیے وہاں کے قانون کی پابندی ضروری ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ
كَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا
اكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

ان بھائیوں نے کہا: "اگر یہ چوری کرے تو کچھ تعجب کی بات بھی نہیں۔ اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔'[۶۸] یوسفؑ نے ان کی بات کو اپنے دل میں رکھا۔ اس کو ان پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ بس دل میں کہا: "تم بڑے ہی بدمعاش لوگ ہو۔ جو الزام تم لگا ہے ہو، اس کی حقیقت اللہ خوب جانتا ہے۔"

ان بھائیوں نے کہا:[۶۹] "اے عزیز، اس کا باپ بہت بوڑھا ہے۔ اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے۔ ہم آپ کو نہایت نیک ں انسان پاتے ہیں۔'[۷۰] اس (پر یوسفؑ) نے کہا: "اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں جس کے پاس ہم نے اپنا ں پایا ہے۔[۷۱] اس صورت میں تو ہم ظالم ٹھہریں گے۔" ۷۷-۷۹

[۶۸] اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں یوسفؑ اور بن یمین کے خلاف حسد ورقابت کس درجے کی تھی۔

[۶۹] عزیز کا لفظ اس زمانے میں سارے اعلیٰ ترین سرکاری عہدہ داروں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

[۷۰] اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ تدبیر کامیاب ہوتی ہے تو وہ واپس جا کر پورے خاندان کے سامنے بن یمین کو ذلیل کر کے نقصان پہنچائیں گے اور اس میں وہ اخلاقی طور پر بھی حق بجانب ٹھہریں گے۔ اور اگر ان کی بات نہ مانی گئی تو وہ واپس جا کر اپنی قربانی کا ڈھنڈورا پیٹ سکیں گے۔

[۷۱] یہ تدبیر جو مصلحت حق کی خاطر اختیار کی گئی، توریہ کی قسم کی تھی جس میں ہر بات بجائے خود سچی اور صحیح تھی لیکن اس کے کہنے یا کرنے کے انداز سے فریق ثانی کو مغالطہ ہوا۔ اس میں نہ حضرت یوسف علیہ السلام کسی جھوٹ میں ملوث ہوئے نہ ان کے آدمی۔ البتہ وقتی طور پر بن یمین پر ایک الزام کا دھبا لگا لیکن انھی کو سوتیلے بھائیوں کے ظلم وستم سے بچانے ہی کے لیے تو یہ تدبیر اختیار کی گئی تھی اور ان کو پہلے آگاہ بھی کر دیا گیا تھا۔ اس تدبیر سے ملکی قانون کا احترام بھی باقی رہا اور بھائیوں کے اپنے قول کی رو سے حضرت یوسف علیہ السلام بن یمین کو روک لینے کے مجاز ہو گئے۔ ان وجوہ کی بنا پر اس تدبیر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

جب وہ یوسفؑ سے مایوس ہو گئے تو آپس میں الگ سے مشورہ کرنے لگے۔ ان میں جو بڑا تھا[۷۲]، وہ بولا: ”کیا تم کو علم نہیں کہ تمھارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر مضبوط وعدہ لیا ہے اور اس سے پہلے یوسفؑ کے معاملے میں جو زیادتی تم کر چکے ہو، وہ بھی تمھیں معلوم ہے۔ اس لیے اب میں تو یہاں سے ہرگز واپس نہ جاؤں گا جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ فرما دے۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم لوگ اپنے والد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ابا جان، آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ (ہم نے اسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بس) جو بات ہمارے علم میں آئی ہے، ہم وہی بیان کر رہے ہیں۔ ہم غیب کے

غلط بیان نہیں ہیں۔ آپ اس بستی کے لوگوں سے بھی پوچھ لیجیے، جہاں ہم رہ رہے تھے اور اس قافلے سے بھی دریافت کر لیجیے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں۔"

(جب یہ لوگ واپس پہنچے اور یعقوبؑ کو یہ بات کہی تو) اس نے کہا: "(لگتا ہے) تمھارے دل نے یہ بات گھڑ لی ہے۔ میں بہترین صبر کروں گا، امید ہے اللہ ان سب کو میرے پاس لائے گا[۷۳] بے شک، وہی سارے علم والا اور دانائی والا ہے۔" ۸۰-۸۳

[۷۲] اس سے مراد عمر میں بڑا بھی ہو سکتا ہے اور عقل و فہم میں بڑا بھی ہو سکتا ہے۔ غالباً اس سے مراد عقل و فہم میں بڑا ہونا ہے۔ اس لیے کہ آگے کی بات ایک ایسے فرد کی لگتی ہے جو عقل و حکمت اور ضمیر میں دوسروں سے بہتر ہو۔ غالباً اسی فرد نے پہلے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ یوسفؑ کو قتل کرنے کے بجائے اسے کسی سر راہ کنویں میں پھینک دیا جائے، تا کہ وہ قتل کے گناہ سے بچ جائیں۔

[۷۳] گویا قدرت کی طرف سے یعقوبؑ کو یہ اشارہ تو دیا گیا تھا کہ یوسفؑ اور بن یمین زندہ ہیں اور ان کو کسی وقت اکٹھا بھی کر دیا جائے گا، لیکن یعقوبؑ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے بیٹے سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا
تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ
وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا
الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ
هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ
وَهٰذَآ اَخِيْ ز قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ
لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ز وَهُوَ اَرْحَمُ
الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

پھر یعقوبؑ نے ان کی طرف سے منہ پھیرا اور کہا: ''ہائے یوسفؑ''۔ غم سے اس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں اور وہ دل ہی دل میں بہت غم زدہ تھا۔ بیٹوں نے کہا: ''بخدا آپ تو بس یوسفؑ ہی کی یاد میں رہیں گے، حتیٰ کہ اس غم میں اپنے آپ کو گھلا دیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے۔'' یعقوبؑ نے کہا: ''میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔ میں اللہ کی جانب سے وہ باتیں جانتا ہوں جنھیں تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو، جاؤ یوسفؑ اور اس کے بھائی کا کھوج لگاؤ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس تو صرف منکرینِ حق ہی ہوتے ہیں۔''

پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس (تیسری مرتبہ) پہنچے تو انھوں نے اس سے کہا: ''اے عزیز، ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ہم حقیر سی رقم[۷۴] لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ (براہ کرم) ہمیں غلہ بھی پورا دیجیے اور ہم کو صدقہ بھی عنایت فرما دیجیے۔ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔'' (یہ سن کر) یوسفؑ نے کہا: ''کیا تمھیں یاد ہے کہ تم جہالت میں[۷۵] مبتلا ہو کر یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کچھ کر گزرے ہو۔'' وہ بولے: ''کیا آپ واقعۃً یوسفؑ ہی ہیں؟'' اس نے کہا: ''میں وہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا ہے۔ بے شک، جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور صبر سے کام لیتے ہیں تو اللہ ایسے نیک کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

وہ بولے: ''اللہ کی قسم، اللہ نے آپ کو ہم پر برتری بخشی۔ واقعی ہم خطا کار تھے۔'' یوسفؑ نے جواب دیا: ''آج تم لوگوں پر کوئی پکڑ نہیں۔ اللہ تمھیں معاف کرے۔ وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے[۷۶]۔ میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی بینائی واپس آ جائے گی[۷۷]۔ تم لوگ اپنے تمام اہل و عیال کو لے کر میرے پاس آ جاؤ۔'' ۸۴-۹۳

[۷۴] ان کو ایک دفعہ پھر قحط کے ہاتھوں مجبور ہو کر مصر جانا پڑا۔ ان کے پاس رقم بھی بہت کم تھی، بلکہ شاید وہ گندم خریدنے کے لیے کوئی ایسی جنس لے کر گئے تھے جو بالکل حقیر تھی۔

[۷۵] جہالت کا لفظ یہاں نادانی، بے علمی اور جذباتیت سے مغلوبیت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

[۷۶] عالی مقام لوگوں کی یہی روش ہوتی ہے کہ وہ برتری کی پوزیشن میں پہنچ کر اپنے سارے دشمنوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ حضورؐ نے فتح مکہ کے بعد یوسفؑ کے طریقے پر چلنے کا اعلان کرتے ہوئے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔

[۷۷] یوسفؑ کی داستان میں ان کے کرتے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ شروع میں بھائیوں نے ان کے کرتے پر خون لگا کر کہا کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ پھر عزیز کی بیوی کے ان پر ڈورے ڈالنے کے موقع پر قمیص کی گواہی کے ذریعے سے ان کی بے گناہی ثابت ہوئی اور اب اللہ نے بطور معجزہ ان کی

اس کو یہ طاقت بخشی کہ اس کے ذریعے سے یعقوبؑ کی بینائی لوٹ آئے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي
ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾ فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ
مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿٩٧﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ
رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ
اللَّهُ آمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ
قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ مِن بَعْدِ أَن نَّزَغَ
الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۚ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي
مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ
تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾

جب یہ قافلہ (مصر سے) چلا تو ان کے والد نے (فلسطین میں اپنے گھر میں) کہا: ”اگر تم لوگ مجھے پاگل قرار نہ دو تو میں یوسفؑ کی خوش بو محسوس کر رہا ہوں۔“[78] لوگ بولے: ”اللہ کی قسم، آپ ابھی تک اپنے اسی پرانی دیوانگی میں مبتلا ہیں۔“

پس یوں ہوا کہ جب خوش خبری دینے والا آیا اور اس نے (یوسف کا) کرتہ ان کے چہرے پر ڈال دیا تو ان کی بینائی واپس آ گئی۔ تب یعقوبؑ نے کہا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“[79]

برادرانِ یوسفؑ بول اٹھے: ”ابا جان، آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے۔ واقعی ہم ہی قصوروار تھے۔“ اس نے کہا: ”میں جلد اپنے رب سے تمھارے لیے معافی کی دعا کروں گا۔[80] بے شک، وہی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

(یوسفؑ ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا) پھر جب یہ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے والدین کو خاص اپنے پاس جگہ دی

اور (سب اہل وعیال سے) کہا: ''اب مصر میں چلیے اور ان شاء اللہ امن وچین سے رہیے۔''[81]

(شہر میں داخل ہونے کے بعد) اس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدے میں جھک گئے[82]۔ یوسفؑ نے کہا کہ ''ابا جان، یہ ہے میرے اُس پہلے والے خواب کی تعبیر۔ میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا۔ اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو دیہات سے لے آیا۔ حالانکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا[83]۔ بے شک، میرا رب نہایت غیر محسوس طریقوں سے اپنی بات پوری کرتا ہے۔ یقیناً وہ صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت ہے۔ اے میرے رب، تو نے مجھے اقتدار میں سے بھی حصہ بخشا اور باتوں کی تعبیر کے علم میں سے بھی سکھایا۔ اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر اور نیک لوگوں کے گروہ میں مجھے شامل کر۔''[84] ۹۴-۱۰۱

[۷۸] یہ پروردگار کی طرف سے یعقوبؑ کے لیے اس فضل وکرم کی پیشگی خبر تھی، تا کہ وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار ہو جائیں۔

[۷۹] یعنی یہ کہ اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ نیز اس سے مراد وہ مخفی اشارہ بھی ہے جس کے ذریعے سے یعقوبؑ کو بتایا گیا تھا کہ یوسفؑ زندہ ہیں۔

[۸۰] جلد سے مراد یہ ہے کہ میں پورے اہتمام کے ساتھ آپ لوگوں کے حق میں دعا کروں گا۔

[۸۱] یہ ایسے ہی خیر مقدمی کلمات ہیں جیسے ہر زبان میں ہوتے ہیں۔

[۸۲] یہاں سجدے کا لفظ اپنے لغوی معنی یعنی ''فرماں بردارانہ جھکنے'' کے ہیں۔ یعنی جب یوسفؑ دربار میں نمودار ہوئے اور قاعدے کے مطابق سب اہل درباران کی تعظیم کے لیے جھکے تو ان کے بھائی بے اختیار ان کی تعظیم کے لیے جھک پڑے۔

[۸۳] یہاں شیطان سے مراد شیاطین جن بھی ہیں اور انسان کا اپنا نفس بھی۔

[۸۴] ایک باشعور اور حساس صاحب ایمان کو جب اللہ اقتدار واختیار سے نوازتا ہے تو وہ عاجزی اختیار کرتا ہے، اس کی زبان پر دوسروں کے لیے خوب صورت الفاظ ہوتے ہیں اور وہ لوگوں کی غلطیوں کو معاف کرتا ہے۔ یوسفؑ کا طرزِ عمل اس کی بہترین مثال ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ
اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾
وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ
بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٠٧﴾

(اے نبیؐ،) یہ داستان غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم تمھاری طرف وحی کر رہے ہیں۔ تم اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے، جب یوسفؑ کے بھائی اس سازش کے معاملے میں عمل کرنے پر متفق ہوئے تھے۔[85]

(اے نبیؐ، تمھارے اردگرد موجود اِن مشرکین میں سے) بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، خواہ تم ان کے ایمان کے لیے کتنی ہی حرص کرو، حالانکہ تم ان سے کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کر رہے ہیں۔[86] یہ (قرآن تو آج اور آیندہ کے سب) دنیاوالوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

آسمان وزمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں، مگر کوئی توجہ نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر اللہ کو اس طرح مانتے ہیں کہ اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس بات سے بالکل بے خوف ہیں کہ ان پر عذابِ الٰہی کی کوئی آفت یا قیامت کی گھڑی اچانک آدھمکے، جبکہ یہ اس سے بالکل بے خبر ہوں۔ ۱۰۲-۱۰۷

[۸۵] حضورؐ نے زندگی بھر تورات وانجیل کا مطالعہ نہیں کیا تھا، کیونکہ آپؐ ناخواندہ تھے۔ مکہ میں کوئی ایسا شخص بھی موجود نہیں تھا جو آپ کو ان باتوں سے آگاہ کرسکتا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اس داستان کے ضمن میں قرآن مجید اور تورات کے بیان میں قدم قدم پر اختلاف ہے۔ تورات کے بیان میں بے شمار باتیں ایسی ہیں جو عقل وفطرت اور ایک نبی کی شان کے بالکل منافی ہیں۔

[۸۶] یعنی قرآن کے وحی الٰہی ثابت کرنے کے لیے صرف یہی داستان کافی ہے۔ لیکن اس وقت، یعنی حضور کی دعوت کے نو، دس برس گزرنے کے بعد، جن لوگوں نے ابھی تک ایمان قبول نہیں کیا، ان کی ایک بڑی تعداد اب ایمان نہیں لائے گی، کیونکہ انھوں نے اپنی ضد، انانیت، مفادات اور تعصب کی وجہ سے قبول حق کی صلاحیت کھودی ہے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ
الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١١٠﴾
لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾ ع

(اے نبیؐ)، کہہ دو: ''یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میرے ساتھی (وحی الٰہی اور یقین کی) پوری روشنی میں راستہ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ (ہر شرک سے) پاک ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔[۸۷]''

(اے نبی)، ہم نے تم سے پہلے بھی (جتنے پیغمبر) بھیجے وہ بھی آدمی ہی تھے[۸۸] اور انھی بستیوں کے رہنے والے تھے اور انھی کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اپنے سے پہلے والے لوگوں کا انجام دیکھتے[۸۹]۔ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جنھوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی۔ کیا تم لوگ سمجھتے نہیں؟ (ہر رسول کی بات ایک لمبی مدت تک لوگوں نے نہیں مانی اور رسولوں پر آزمایشیں آتی رہیں) یہاں تک کہ جب رسول اپنے لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں تو رسولوں کو ہماری مدد پہنچی[۹۰]۔ پھر جسے ہم نے چاہا (اپنے قانون کے مطابق) بچالیا اور مجرموں پر سے ہماری سزا کو نہیں ٹالا جا سکتا[۹۱]۔

اگلے رسولوں کے ان واقعات میں عقل والوں کے لیے بڑی عبرت ہے[۹۲]۔ یہ (قرآن) کوئی اپنے آپ سے گھڑی ہوئی چیز نہیں ہے، بلکہ تصدیق ہے، اس کتاب کی جو پہلے سے موجود ہے[۹۳]۔ (اس میں) تفصیل ہے (ہدایت سے متعلق) ہر چیز کی اور یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے[۹۴]۔ ۱۰۸-۱۱۱

[۸۷] یعنی میرا راستہ وہی ہے جو یوسفؑ کا تھا۔ وہ بھی ایمان و یقین کی پوری روشنی میں تھے اور میرے ساتھی بھی اسی روشنی میں توحید کی دعوت پھیلا رہے ہیں۔

[۸۸] اصل بات یہ بتانی ہے کہ پروردگار لوگوں کی ہدایت کے لیے انسانوں ہی کو بھیجتا ہے، کسی اور مخلوق کو نہیں۔ یوسفؑ بھی انسان تھے اور حضورؐ بھی ایک انسان ہیں۔

یہاں لفظ 'رجال' استعمال ہوا ہے جس کے معنی مرد کے ہیں۔ چنانچہ اس سے یہ بات بھی نکل سکتی ہے کہ رسالت کی ذمہ داری ہمیشہ مردوں کے سپرد کی گئی ہے۔ اس سے عورتوں کی تحقیر مقصود نہیں ہے۔ دراصل رسولوں کو کچھ ایسی آزمایشوں سے گزرنا ہوتا ہے جن سے کسی عورت کو گزارنا اس کی نسوانیت کے خلاف ہے۔

جہاں تک کسی خاتون کے نبی بننے کا تعلق ہے، اس کے بارے میں اہل علم کے دو گروہ ہیں۔ اکثریتی رائے یہ ہے کہ ایک عورت نبی نہیں بن سکتی۔ لیکن اہل علم کے ایک اور گروہ جس میں محمد بن اسحٰق، شیخ ابوالحسن اشعریؒ، قرطبی اور ابن حزم جیسے اکابرین شامل ہیں، کے مطابق عورت نبی بن سکتی ہے اور حضرت حوا، حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ، حضرت ام موسیٰ علیہ السلام، حضرت آسیہ اور حضرت مریم (علیہن السلام) نبوت کے مرتبے پر سرفراز تھیں۔ (ملاحظہ ہو: قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی۔ جلد ۴۔ صفحات ۱۰-۲۰)

جہاں تک مرتبے کا تعلق ہے تو اعلیٰ ترین درجے کے حصول میں قرآن مجید نے انبیا کے ساتھ ساتھ صدیقین، شہدا اور صالحین کو بھی شامل کیا ہے اور عورت یہ تینوں درجے بہر حال حاصل کر سکتی ہے۔

[۸۹] یعنی رسولوں کی قوموں کا انجام۔ جن اقوام نے اپنے رسولوں کی بات مان لی، انھیں دنیا میں بھی عزت و وقار دیا گیا اور جن اقوام یا اقوام کے حصوں نے ان کی بات نہیں مانی، انھیں اس دنیا میں بھی سزا دی گئی۔

[۹۰] یعنی پوری طرح اتمام حجت ہونے کے بعد جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا تب آخری فیصلہ کر دیا گیا اور رسولوں کے بارے میں اللہ کا خصوصی قانون عمل میں آ گیا۔

[۹۱] اس موقع پر اللہ اہل ایمان کو بچا لیتا ہے اور مجرموں کو سزا دے دیتا ہے۔ جن لوگوں میں خیر کسی نہ کسی درجے میں باقی ہوتا ہے، انھیں بھی اللہ توبہ کی توفیق دے دیتا ہے، جیسا کہ برادران یوسفؑ کو دیا گیا۔

[۹۲] یہ قصے قرآن مجید میں اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ اس سے عقل مند انسان سبق حاصل کریں۔ سب سے پہلا بنیادی سبق یہ ہے کہ رسولوں نے اپنی قوم کو جو دھمکی دی، وہ مکمل طور پر پوری ہوئی۔ چنانچہ یہ سب سچے رسول تھے۔ ان سب کا پیغام و عقیدہ ایک تھا۔ ان سب نے بہترین اخلاق کی تعلیم دی اور یہ سب اعلیٰ ترین سیرت و کردار کے مالک تھے۔

ان قصوں سے ہمیں صبر، حکمت، شکر اور ہمت و امید کا پیغام ملتا ہے۔ ہمیں بھی اپنے اندر یہ ساری صفات پیدا کرنی چاہییں۔ ان سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی صحیح راستہ ہے، اس لیے اس پر مضبوطی کے ساتھ چلنا چاہیے۔

حضورؐ کے بعد رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے ان قصوں میں ایک اور بڑا سبق یہ ہے کہ حضورؐ پہلے دن سے ہی اگلے رسولوں کے نقش قدم پر چلے، اپنی قوم کو خبردار کیا، انھیں توحید و آخرت اور بہترین اخلاق کی تعلیم دی اور انھیں بتایا کہ آپؐ کی قوم میں سے جو کوئی بھی اتمام حجت ہونے کے بعد آپؐ کا پیغام نہیں مانے گا، اسے اسی دنیا میں سزا دی جائے گی اور سرزمین عرب میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ یہ بات اپنی مکمل صورت میں پوری ہوئی۔ قریش کے سارے نافرمان لیڈر بے عزتی کے ساتھ ختم ہو گئے۔ جن کے اندر خیر کی کچھ رمق باقی تھی، انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق دی گئی۔ سرزمین عرب کے اہل کتاب کو مفتوح کر لیا گیا، مکہ و مدینہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام کے مراکز بنا دیا گیا اور اللہ کی طرف سے حضورؐ کو دیے گئے عظیم ترین معجزے یعنی قرآن مجید کو تا قیامت محفوظ کر لیا گیا۔ اس طرح یہ زندہ و پائندہ معجزہ بن گیا۔

چنانچہ جب ہم اگلے رسولوں کی داستان حیات کی روشنی میں حیات حضورؐ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول تھے اور آپؐ ہی کی اتباع میں کامیابی ہے۔

یہ قصے آخرت کے واقع ہونے کی بھی ایک بڑی دلیل ہیں۔ اس لیے کہ جس اللہ نے دنیا میں چھوٹے پیمانے پر رسول کے دشمنوں کے لیے یہ قیامت برپا کی، وہ اللہ بڑے پیمانے پر بھی قیامت برپا کر سکتا ہے۔

[۹۳] قرآن مجید نے یوسفؑ کا یہ قصہ اتنی تفصیل کے ساتھ مکی دور میں سنایا، جبکہ حضورؐ کے پاس ان واقعات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ یہ واقعہ بائیبل میں بھی آیا ہے، لیکن ایک بگڑی ہوئی شکل میں۔ چنانچہ قرآن نے اصل واقعہ کی تصدیق کی اور بتایا کہ بائیبل کے مصنفین سے کہاں کہاں غلطیاں ہوئیں۔

بائیبل میں جتنی صحیح باتیں ہیں، قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن بائیبل میں تحریف شدہ باتوں کی تصحیح کرتا ہے اور پھر ہمیں وہ معیار بھی فراہم کر دیتا ہے جس کے ذریعے سے صحیح اور غلط میں امتیاز کیا جا سکے۔

[۹۴] چونکہ قرآن مجید انسانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے، اس لیے اس میں ہدایت سے متعلق ہر چیز کی تفصیل ہے۔ جتنی چیزوں کو ہم اپنی عقل سے دریافت کر سکتے ہیں، ان کے متعلق قرآن کو ہمیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔

اس آیت پر اس عظیم اور مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ رعد مدنیۃ

[۱۳]

نام

اس سورہ میں ایک جگہ 'رعد' کا لفظ آیا ہے، چنانچہ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'رعد' رکھا گیا۔

زمانۂ نزول و مرکزی مضمون

اس سورہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضورؐ پر زمانۂ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی، جب ایک طرف مکہ کے اندر مسلمانوں پر ظلم وستم میں مسلسل اضافہ ہورہا تھا اور دوسری طرف مکہ سے باہر اسلام کی دعوت پھیل رہی تھی اور مدینہ سمیت مختلف جگہوں میں لوگ انفرادی یا ٹولیوں کی شکل میں اسلام قبول کررہے تھے۔ سورہ کی آیت نمبر ۴۱ میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

اس سورہ کا مرکزی مضمون بھی توحید، رسالت اور آخرت کے گرد گھومتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیوی زندگی سے متعلق مختلف اخلاقی اصولوں پر بھی بحث کی گئی ہے۔

ایاتھا ۴۳ — **سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ** — رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾
اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا
رَوَاسِيَ وَاَنْهَارًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ
يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ا۔ل۔م۔ر۔ یہ[1] اللہ کی کتاب کی آیات ہیں۔ اے نبیؐ، جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، بالکل حق ہے، لیکن (اس وقت تمھاری قوم کے) اکثر لوگ اسے نہیں مان رہے[2]۔

اے انسانو، وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں نظر آنے والے سہاروں کے بغیر آسمان بلند کیا اور پھر وہ اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا۔ اس نے سورج و چاند کو انسانوں کے فائدے کے لیے ایک قانون کا پابند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک مقرر وقت تک کے لیے چل رہی ہے[3]۔ اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کی تفصیل کرتا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین پھیلا رکھی ہے اور اس میں پہاڑ اور دریا بنا دیے۔ اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں[4] اور وہی رات کو دن پر لے آتا ہے۔ یقیناً اس ساری چیزوں میں غور و فکر سے کام لینے والوں کے لیے نشانیاں ہیں[5]۔

پاس پاس زمین کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔(ان میں) انگوروں کے باغ ہیں، کھیتی ہے اور کھجور (کے درخت) ہیں، جن میں سے کچھ کے دو تنے ہوتے ہیں اور کچھ کا ایک ہی تنا ہوتا ہے۔ یہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، مگر کھانے میں ہم کسی خاص قسم کو کسی دوسری قسم سے بہتر بنا دیتے ہیں۔ ان سب چیزوں میں عقل سے کام لینے والوں کے لیے نشانیاں ہیں[6]۔ ۱-۴

[۱] ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اس کے پروردگار کی طرف سے زبان کی جو صلاحیت بخشی گئی ہے، اس نعمت کی طرف اس کو متوجہ کیا جائے۔

[۲] یہاں 'ال' کے ساتھ 'نــــاس' کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اس سے کچھ خاص لوگ مراد ہیں۔ ان آیات کے نزول کے وقت مکہ کے لوگوں کی اکثریت قرآن کی دعوت سننے کے باوجود اس سے انکار کر رہی تھی۔ اشارہ انھی کی طرف ہے۔

[۳] مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو انسانوں کے فائدے کے لیے ایک قانون اور قاعدے کا پابند کر دیا ہے۔ اسی طرح آج کی سائنس بھی یہ مانتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز پیدا ہوتی ہے، پھر اپنی انرجی کے سہارے زندہ رہتی ہے اور ایک وقت آتا ہے، جب اس کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔

[۴] ہر پھل نر و مادہ سے مل کر ہی بنتا ہے۔

[۵] قرآن مجید ہر انسان کو غور و فکر پر ابھارتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسی غور و فکر کے ذریعے سے عقلی طور پر قائل ہو کر اسلام قبول کرے۔

[۶] قرآن مجید ہر معاملے میں ہماری عقل کو اپیل کرتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ دین کے عقائد اور احکام میں عقل و فہم کا کوئی عمل دخل نہیں۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ
قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ
هَادٍ ﴿۷﴾ ع

اگر تمھیں تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل ان مشرکین کی یہ بات ہے: ''کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا؟'' یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا۔ یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں زنجیر پڑے ہوں گے۔ یہی دوزخ والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اے نبیؐ، یہ لوگ خیر سے پہلے شر کے لیے تم سے جلدی مچائے ہوئے ہیں۔[۸] حالانکہ اس سے پہلے (دوسرے رسولوں کی نافرمان قوموں کی)

عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں۔ تمھارا رب لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود ان کو معاف کرنے والا بھی ہے اور تمھارا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے۔[۹]

جن لوگوں نے انکار کیا، کہتے ہیں کہ اس شخص پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟'' اے نبیؐ، تم تو بس ایک آگاہ کرنے والے ہو[۱۰] اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے[۱۱]۔ ۵-۷

[۷] حضورؐ کے زمانے کے مشرکین اس بات پر بہت تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ مر کر مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ انسانوں کو زندہ کیا جائے گا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے لیے ایسا کرنا بالکل ناممکن ہے۔ اس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ ان مشرکین کا یہ اعتراض قابل تعجب ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انھیں اللہ کی طاقتوں کا کوئی شعور ہی نہیں۔ اور انھیں اس بات کا بھی کوئی شعور نہیں کہ اگر آخرت نہ ہو تو اللہ عدل کیسے کرے گا۔

[۸] یعنی یہ مشرکین بار بار اصرار کر رہے ہیں کہ لے آؤ وہ عذاب جس کی دھمکی تم دے رہے ہو۔ حالانکہ اللہ تو چاہتا ہے کہ اس زمین میں خیر پھیلے، اسلام کی روشنی زیادہ سے زیادہ دلوں میں سرایت کر جائے اور اس مقصد کے لیے انھیں کافی مہلت دی جائے۔

[۹] اللہ اس بات کو جانتا ہے کہ کب تک درگزر کیا جائے اور کب سزا دی جائے۔ ان مشرکین کے سامنے اگلے رسولوں کے واقعات موجود ہیں۔ کیا یہ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے؟

[۱۰] رسول کا اصل کام نشانیاں پیش کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اپنی قوم کو آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے نوحؑ، لوطؑ، صالحؑ، ہودؑ، شعیبؑ اور کئی دوسرے رسولوں کو ابتدا میں کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔ نشانی تو صرف اس وقت دی جاتی ہے جب کسی قوم کی ہلاکت کا وقت قریب آجائے۔

[۱۱] یہاں ہادی سے مراد رسول ہے۔ چونکہ حضورؐ آخری پیغمبر تھے، اس لیے حضورؐ کی قوم خاص، سرزمین عرب کے رہنے والے تھے اور آپ کی قوم عام، ساری انسانیت ہے۔ اس آیت سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن جن لوگوں تک اپنے رسول کا پیغام پورے طریقے سے نہیں پہنچا، ان کے ساتھ رعایت کی جائے گی۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾ عَالِمُ

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ ۢبِالَّيْلِ

وَسَارِبٌ ۢبِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ ۢبَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا

وْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

اللہ ہر مادہ کے حمل کو جانتا ہے اور جو کچھ ان رحموں میں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، ان سے بھی (باخبر ہے[۱۲])۔ ہر چیز کے لیے اس کے ہاں
مقدار مقرر ہے[۱۳]۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر، سب کا جاننے والا، عظیم اور عالی شان ہے۔ اس کے لیے برابر ہے خواہ تم میں سے کوئی آہستگی
بات کرے یا بلند آواز سے، خواہ کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں نقل و حرکت کر رہا ہو۔ ہر شخص کے آگے اور
اللہ کے مقرر کردہ نگران (فرشتے) لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ کسی قوم
حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے رویے میں تبدیلی نہیں کر لیتی[۱۴]۔ اور پھر جب اللہ (اپنے اس قانون کے مطابق)
قوم پر کوئی آفت لانے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو ٹالا نہیں جا سکتا اور ایسی قوم کا اللہ کے مقابلے میں کوئی بھی مددگار نہیں ہو سکتا۔ ۸-۱۱

[۱۲] یعنی پوری کائنات کے اندر ساری مخلوقات میں سے جس مادہ کے ہاں جو کچھ پرورش پا رہا ہے، اللہ اس کے سارے احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔

[۱۳] کائنات کے سارے کام اٹل سائنسی قوانین کے تحت انجام پا رہے ہیں۔ یہ سارے قوانین اللہ نے مقرر کیے ہیں۔

[۱۴] انسان کے لیے دنیا دارالامتحان ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی انفرادی نیکی اور اچھائی کا اسے اس دنیا میں کوئی صلہ نہ ملے، لیکن قوم کے متعلق اللہ کا
ن مختلف ہے۔ اگر ایک قوم اپنی شعوری کوشش سے اپنی روش بدل لے تو اللہ اس کی حالت بدل دیتا ہے اور دنیا کے اندر اس کو عزت و وقار نصیب ہوتا ہے۔
ئی قوم مساوات انسانی، انصاف، دیانت داری، محنت اور میرٹ کی صفات اپنا لے تو پروردگار اس دنیا میں ہی اسے صلہ دے دیتا ہے اور اگر اس کے ہاں
نصافی، بددیانتی اور سستی جیسے غلط افعال غلبہ پالیں تو اللہ اسے بے وقاری و کمزوری میں مبتلا کر دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾
دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ
وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
عًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ
خَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ۙ اَمْ

هَلۡ تَسۡتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوۡا کَخَلۡقِہٖ فَتَشَابَہَ الۡخَلۡقُ عَلَیۡہِمۡ ؕ قُلِ اللّٰہُ
خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّہُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ﴿۱۶﴾

وہی اللہ تمھیں بجلیاں دکھاتا ہے جو خوف اور امید، دونوں پیدا کرتی ہیں[15]۔ اللہ ہی پانی سے لدے ہوئے بادلوں کو اٹھاتا ہے۔ بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے[16]۔ فرشتے بھی اللہ کی ہیبت سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں[17]) وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے اور جن پر چاہتا ہے، گرا دیتا ہے، جبکہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ ہی رہے ہوتے ہیں۔ وہ بڑا ہی زبردست قوت والا ہے۔

اسی کو پکارنا صحیح ہے، اس اللہ کے علاوہ یہ لوگ جن دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ ان کی کوئی چارہ سازی نہیں کر سکتے۔ (ان کو پکارنا تو ایسا ہے) جیسے کوئی شخص پانی کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر (اس سے کہے) کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا۔ اس طرح تو کبھی پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا۔ ان منکرینِ حق کی دعائیں بھی اسی طرح بے کار ہیں۔ (دوسری ہستیوں کے اختیار میں کچھ نہیں) یہ تو محض اللہ ہی ہے جس کو زمین و آسمان کی ساری چیزیں اور ان کے سایے برضا و رغبت یا مجبوراً صبح و شام سجدہ کر رہے ہیں[18]۔

(اے نبیؐ، ان مشرکین سے) پوچھو کہ زمین و آسمان کا پروردگار کون ہے؟ (پھر ان کو) بتاؤ کہ صرف اللہ (ہی زمین و آسمان کا پروردگار ہے)۔ (پھر ان سے) کہو کہ کیا (اس کے بعد بھی) تم نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو اپنا کام بنانے والا ٹھہرا لیا ہے جو خود اپنے لیے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟ (ان سے) پوچھو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں[19]؟ کیا روشنی اور تاریکیاں یکساں ہو سکتی ہیں[20]؟ کیا ان مشرکین کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کسی چیز کو تخلیق کیا ہے، جس کی وجہ سے ان مشرکین کو تخلیق کے معاملے میں شک و شبہ لاحق ہو گیا ہے؟ اے نبیؐ، اعلان کر دو کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہی ہے، جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔ ۱۲-۱۶

[۱۵] پرانے زمانے میں انسان صرف بادلوں کی بجلیوں سے واقف تھا۔ آج وہ بے شمار دوسری چیزوں کی انرجی سے بھی واقف ہے، جن میں سے کئی چیزیں اسے بہت فائدہ پہنچاتی ہیں اور کئی چیزیں بے انتہا نقصان۔

[۱۶] بادلوں کا اللہ کے حکم کے مطابق بالکل ٹھیک ٹھیک کام بجا لانا ان کی تسبیح ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں ایک خاص طرح کا شعور موجود ہے جو انسان کے مشاہدے سے بالا ہے۔

[۱۷] فرشتوں کے متعلق مشرکین کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے ہاں زور و اختیار رکھتے ہیں، اس لیے فرشتوں کو خوش کرنا ہی کافی ہے۔ یہاں اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کی ناراضی سے ڈرتے ہیں۔

[۱۸] اللہ کے ہر حکم کو بجا لانے کے عمل کو یہاں سجدے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

[۱۹] اندھا وہ ہے جو کائنات پر غور وفکر نہیں کرتا اور آنکھوں والا وہ ہے جو کائنات اور خود اپنے وجود کو عقل وفہم کی آنکھ سے دیکھ کر توحید کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

[۲۰] توحید سراسر روشنی ہے، یہ عقل وفہم، قوت کار، تعلقات انسانی اور اخلاقیات کے لیے روشنی ہے۔ اس سے دلوں کو اطمینان کی روشنی ملتی ہے۔ جبکہ شرک کی مختلف اقسام تاریکیاں ہی تاریکیاں اور محض وہم وگمان ہیں۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ ؕ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

وقف النبی علیہ السلام

النصف

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیاں اپنی اپنی سمائی (Capacity) کے مطابق بہ نکلیں اور سیلاب نے ابھرتے جھاگ کو اٹھا لیا۔ اسی طرح کا جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتا ہے جن کو لوگ زیور یا اسی قسم کی کوئی اور چیز بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں [۲۱]۔ اسی طرح جب اللہ حق و باطل کو ٹکراتا ہے تو جھاگ بے کار ہو کر اڑ جاتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے فائدہ مند ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے [۲۲]۔ اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی، ان کے لیے انجام کی بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اسے قبول نہ کیا، وہ اگر زمین کی ساری دولت کے مالک بن جائیں اور اسی کے برابر اور دولت بھی انھیں مل جائے تو وہ (وہ خدا کی پکڑ سے بچنے کے لیے) اسے فدیہ میں دینے پر تیار ہوں گے (مگر وہ ان سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا)۔ یہی لوگ ہیں جن کا حساب برا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ۱۷-۱۸

[۲۱] شور مچاتے، زور سے اور نیچے بہتے ہوئے ندی نالوں کے اوپر جھاگ خس وخاشاک کی وجہ سے بنتا ہے جو بالکل بے کار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کسی دھات کو پگھلاتے ہیں تو اس کا کھوٹ جھاگ کی صورت میں اوپر آ جاتا ہے جسے پھینک دیا جاتا ہے۔

[۲۲] گویا اس کائنات کا اصول یہ ہے کہ نفع بخش چیز باقی رہتی ہے اور نقصان دہ چیز جھاگ کی طرح اڑ جاتی ہے۔ اسی طرح انسان ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے اور اس کا ذہنی شعور بھی ترقی کرتا جاتا ہے۔

قرآن اس اصول کو حضور کی جدوجہد پر منطبق کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ حق و باطل کے اس ٹکراؤ میں باطل کا جھاگ اڑ کر ختم ہو جائے گا اور حضورؐ کے ساتھیوں کو فیصلہ کن کامیابی مل جائے گی۔

اس آیت سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ جب مسلمان اس دنیا میں مسلسل بے عزت و بے وقار اور شکستوں پر شکستیں کھاتے جا رہے ہوں تو وہ یہ ضرور سوچیں کہ ہمیں قدرت خس و خاشاک کی حیثیت کیوں دے رہی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان جمہوریت، انصاف، دیانت داری، میرٹ اور حکمت و تدبیر پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

(اے نبیؐ، کہو کہ اے لوگو، اس بات پر سوچو کہ) کیا جو شخص یہ جانتا ہے کہ تمھارے رب کی طرف سے تم پر حق ہی اتارا گیا ہے، وہ اسی شخص کی مانند ہے (جو اس حقیقت کی طرف سے) اندھا ہے؟ (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، لیکن) نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔ یہ عقل والے اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اس معاہدے کو نہیں توڑتے [۲۳]۔ اللہ نے جن (رشتوں) کو جوڑنے کا حکم دیا ہے، انھیں برقرار رکھتے ہیں [۲۴]، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ (روزِ قیامت ان سے) سخت حساب لیا جائے۔ یہ لوگ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر کا رویہ اختیار کرتے ہیں [۲۵]، نماز کا اہتمام کرتے ہیں، ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ

کرتے[26] ہیں اور بدی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔[27] آخرت کی کامیابی انھی لوگوں کے لیے ہے۔ ہمیشہ کے باغات میں وہ داخل ہوں گے۔ ان کے آبا و اجداد، ان کی ازواج اور ان کی اولاد میں سے جو صالح ہوں گے، وہ بھی (ان کے ساتھ ہوں گے)۔ فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس جائیں گے (اور کہیں گے کہ) آپ لوگوں پر سلامتی ہو، اس لیے کہ آپ صبر سے کام لیتے رہے۔ پس کیا ہی خوب ہے آخرت کا گھر۔

رہے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے ساتھ عہد باندھا اور پھر اس کو توڑ ڈالتے ہیں، جو ان (رشتوں) کو کاٹتے ہیں جنھیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے[28] اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں،[29] وہ لعنت کے مستحق ہیں، یہی لوگ اللہ کی رحمت سے دور ہیں اور ان کے لیے آخرت میں برا ٹھکانا ہے۔ ۱۹-۲۵

[۲۳] یہ اس معاہدے کی طرف اشارہ ہے جو انسانوں کی روحوں نے اس دنیا میں آنے سے پہلے اللہ کے ساتھ کیا تھا کہ وہ ہمیشہ توحید کو تسلیم کریں گے۔ یہ معاہدہ ہمارے ضمیر، عقل، وجدان اور لاشعور میں پوری طرح پیوست ہے۔

[۲۴] ان رشتوں کی بنیاد انسانیت کے رشتے سے پڑتی ہے، کیونکہ ہم سب آدمؑ وحوا کی اولاد ہیں۔ ان رشتوں میں سب سے مرکزی رشتہ خاندان کا ہے۔ دین کی بنیاد پر محبت کا رشتہ بھی اس میں شامل ہے۔

[۲۵] صبر کا مطلب ہے ہر معاملے میں ٹھنڈے دل و دماغ اور بہترین تدبیر کے ساتھ برداشت کا رویہ اختیار کرنا۔ ایک بندۂ مومن محض اس لیے بامر مجبوری صبر اختیار نہیں کرتا کہ دشمن مضبوط ہے، بلکہ وہ ہر معاملے میں اللہ کی رضاجوئی کے لیے صبر کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

[۲۶] کسی اجتماعی کام کے لیے علانیہ تعاون کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، تاکہ دوسرے بھی اس کی تقلید کریں۔ اور انفرادی مدد کے لیے، بہتر یہ ہے کہ وہ پوشیدہ طریقے سے ہو۔

[۲۷] اس میں دو پہلو موجود ہیں۔ ایک یہ کہ اگر دوسرے لوگ کسی بندۂ مومن سے برائی کریں تو اس کے جواب میں وہ ان سے ہمیشہ بھلائی کرتا ہے۔ وہ ظلم کے جواب میں انصاف کرتا ہے اور خیانت کے جواب میں دیانت داری سے کام لیتا ہے اور دوسرا یہ کہ اگر کسی بندۂ مومن سے گناہ کا کوئی کام ہوجائے تو کسی اچھے کام، مثلاً غریبوں کی مدد کے ذریعے سے اس کا مداوا کردیتا ہے۔

[۲۸] یعنی جو خلاف انسانیت اور خلاف ضمیر کام کرتے ہیں۔

[۲۹] یعنی جو انفرادی اور اجتماعی، دونوں صورتوں میں امن و امان کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا
مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ

مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

جس انسان کے لیے بھی اللہ چاہتا ہے (اپنے آزمایش کے قانون کے مطابق،) اسے زیادہ رزق کی دیتا ہے اور جس انسان کے لیے چاہتا ہے، اسے تھوڑی مقدار میں رزق دیتا ہے۔ (آخرت سے غافل) یہ لوگ دنیا کی زندگی میں مگن ہیں، حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بہت ہی حقیر ہے۔

(یہ مشرکین) جنھوں نے ماننے سے انکار کردیا ہے، کہتے ہیں: ''اس شخص (یعنی نبیؐ) پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔'' اے نبیؐ، کہہ دو: ''اللہ جس کو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کردیتا ہے[30]۔ البتہ وہ ان لوگوں کی اپنی طرف رہنمائی ضرور کرتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں[31]۔ یہی لوگ ہیں جنھیں ایمان لانے کی نعمت نصیب ہوتی ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ سن لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے[32]۔ جو لوگ ایمان لے آئے اور اچھے عمل کرتے رہے، ان کے لیے خوش خبری اور اچھا ٹھکانا ہے۔'' ۲۶-۲۹

[۳۰] وہ قانون یہ ہے کہ جو انسان خود اپنی مرضی سے گمراہی کے راستے پر جانا چاہتا ہے تو اللہ اس کے لیے وہی راستہ آسان کردیتا ہے۔

[۳۱] یعنی جو لوگ غوروفکر کے بعد صحیح عقیدہ وعمل کے راستے پر جانا چاہتے ہیں، ان کے لیے اللہ حق کا راستہ کھول دیتا ہے۔

[۳۲] جب انسان ہر طرف سے مایوس و ناامید ہوجائے تو اللہ کی یاد اس کے لیے روشنی بن جاتی ہے اور اللہ کا سہارا اس کے لیے سب سے بڑی امید اور اطمینان بن جاتا ہے۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔـسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ

كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ قف فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

(اے نبیؐ)، اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی امت ۳۳ میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔ تاکہ تم انھیں وہ کلام سناؤ جو تم پر نازل کیا گیا ہے ۳۴۔ اگرچہ یہ لوگ (اِس وقت) اس رحمان کا انکار کر رہے ہیں ۳۵۔ (ان سے) کہہ دو: ''وہی (اللہ) میرا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

اگر کوئی ایسا قرآن بھی اترتا جس (کے حکم) سے پہاڑ حرکت میں آجاتے، زمین پاش پاش ہو جاتی یا مردے بولنے لگتے، (تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے)۔ لیکن سارا اختیار تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ۳۶۔ کیا (نبیؐ کے ساتھی) ایمان والوں کو اس بات سے اطمینان نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو (اپنے حکم سے) ہدایت دے دیتا ۳۷۔ ان منکرینِ حق پر ان کے اعمال کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہے گی یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتی رہے گی۔ (یہ سلسلہ چلتا رہے گا)۔ یہاں تک کہ اللہ کے وعدے کے ظاہر ہونے کا وقت آجائے (اور اسلام کو فیصلہ کن فتح مل جائے) ۳۸ اللہ یقیناً اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اے نبیؐ، تم سے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے۔ (اس وقت) میں نے منکرین کو مہلت دی (اور پھر جب مہلت کی مدت ختم ہو گئی) تو آخر کار ان کو پکڑ لیا۔ پھر دیکھ لو کہ میری سزا کتنی سخت تھی۔ ۳۰-۳۲

[۳۳] یعنی جزیرہ نمائے عرب کے لوگ۔ قرآن مجید قوم اور امت کے الفاظ کسی بھی گروہ کے لیے استعمال کرتا ہے۔

[۳۴] حضورؐ کی بعثت خاص جزیرہ نمائے عرب اور اس کے باشندوں کے لیے تھی، اس لیے کہ اس سرزمین کو ہمیشہ کے لیے اسلام کا مرکز بنایا جانا مقصود تھا۔ یہاں اسی کا بیان ہے۔ حضورؐ کی بعثت عام ساری دنیا کے لیے ہے۔

[۳۵] یہاں 'ان لوگوں' سے مراد قریش کے وہ لوگ تھے۔ جو حضورؐ کی دعوت ملنے کے باوجود اس سے انکار کر رہے تھے۔

[۳۶] یعنی جو لوگ اپنے تعصب اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے انکار پر تلے بیٹھے ہوں، وہ ایسی ہر نشانی کے بعد بھی اپنے لیے انکار کا کوئی راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب چاہے ایسی نشانیاں دکھا سکتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو ایمان لانے پر آمادہ کرنے کی خاطر وہ فیصلہ کن نشانیاں حضورؐ پر نہیں بھیجنا چاہتا، اس لیے کہ وہی اللہ ان کو مزید مہلت دینا چاہتا ہے۔

[۳۷] یعنی ایک وقت ایسا آئے گا جب سوائے چند لوگوں کے، یہ سب اپنی آزادانہ مرضی سے ایمان لے آئیں گے۔ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ لوگوں کو بزور مسلمان بنائے، کیونکہ اس سے آزمائش کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

[۳۸] عام حالات میں اس دنیا میں جتنی قدرتی مصیبتیں، مثلاً طوفان، زلزلے وغیرہ آتی ہیں، وہ انسانوں کی عام آزمائش کے لیے زمینی قوانین کے تحت ہوتی ہیں۔ لیکن جب دنیا میں رسول کا نزول ہوتا ہے تو اس کی موجودگی میں اس کی قوم پر آنے والی ہر مصیبت دراصل پروردگار کے خاص فیصلے کے تحت ہوتی

ہے، تاکہ رسول کی حقانیت کی طرف لوگ متوجہ ہو جائیں اور برے لوگوں کو تنبیہ ہو۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی لوگوں کی تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً قحط اور دوسری قدرتی آفات آتی رہتی تھیں۔ ان کو دور کرنے کے لیے عموماً حضورؐ سے ہی درخواست کی جاتی تھی اور حضورؐ کی دعا سے یہ آفات ختم ہو جاتی تھیں۔ یہاں اسی کا بیان ہے۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ
فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ
وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ
يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ
حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

کیا وہ ذات جو ہر انسان سے اس کے عمل کا حساب لینے والی ہے (اور وہ جو کسی بھی چیز کے انجام پر طاقت نہیں رکھتے، یکساں ہیں؟ اس کے باوجود) ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لیے ہیں۔ اے نبیؐ، (ان سے) کہو کہ ان کے نام تو بتاؤ۔ کیا تم اللہ کو ایسی چیزوں کی خبر دے رہے ہو جن کے زمین میں وجود سے وہ بے خبر ہے یا تم یوں ہی ہوائی بات کر رہے ہو[39]۔ (حقیقت یہ ہے کہ) ان منکرین حق کی نظروں میں ان کی چالیں خوش نما بنا دی گئی ہیں اور یہ لوگ حق کے راستے سے روک دیے گئے ہیں۔ جس کو اللہ (اپنے قانون کے مطابق) گمراہی میں پھینک دے، اس کو کوئی دوسرا ہدایت دینے والا نہیں بن سکتا[40]۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی سزا ہے[41] اور آخرت کی سزا تو اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔ ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی بھی نہیں۔

پرہیزگار انسانوں سے جس جنت کا وعدہ ہے، اس کی مثال[42] یہ ہے کہ اس میں نہریں بہ رہی ہوں گی اور اس کے پھل اور اس کے سائے دائمی ہوں گی۔ متقی لوگوں کا یہ انجام ہے اور منکرینِ حق کا انجام دوزخ ہے۔

(اے نبیؐ)، جن کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب عطا کی تھی (یعنی عیسائی اور یہودی)، وہ تمھارے اوپر نازل کردہ قرآن سے خوش ہیں[۴۳]۔ البتہ ان کے مختلف گروہوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس قرآن کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں[۴۴]۔ اے نبیؐ، تم کہہ دو: "مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم ہوا ہے۔ مجھے اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ میں اسی توحید کی دعوت دیتا ہوں اور اسی اللہ کی طرف میرا لوٹنا ہے۔"

اے نبیؐ، اسی لیے ہم نے یہ کتاب ایک فرمان کی حیثیت سے تم پر عربی زبان میں اتاری ہے اور اگر تم اس صحیح علم کے آجانے کے بعد ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو گے تو اللہ کے مقابلے میں تمھارا کوئی مددگار اور بچانے والا نہ ہوگا[۴۵]۔ ۳۶-۳۷

[۳۹] یہ نہایت خوب صورت اسلوب ہے، اس بات کے واضح کرنے کا کہ کائنات کی سلطنت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

[۴۰] جو لوگ انکارِ حق کے راستے پر مسلسل چلتے رہتے ہیں اور ضد، تعصب و خواہشات نفسانی کی وجہ سے حق کی طرف سے اپنے دل و دماغ کو مکمل طور پر بند کر دیتے ہیں تو ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب اللہ کی بارگاہ سے ان کے لیے مستقل گمراہی کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے۔ پھر یہ لوگ محض دوسروں کی آزمائش کے لیے دنیا میں زندہ رہتے ہیں۔

[۴۱] رسول کے مخالفین کو اس دنیا میں بھی سزا ملتی ہے، اس لیے یہاں دنیا کی سزا کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ رسول کے بعد پھر سب نیک و بد کے لیے فیصلے دنیا کے عام قوانین کے تحت ہوتے ہیں۔

[۴۲] آخرت، قیامت اور جنت و دوزخ کے معاملات امور متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کی حقیقت نہیں بیان کی جاسکتی۔ انھیں صرف تشبیہ کے ذریعے سے قرآن مجید سمجھاتا ہے۔

[۴۳] مکہ میں یہودی موجود نہیں تھے، البتہ سرزمین عرب کے دوسرے گوشوں میں یہودی اور عیسائی موجود تھے۔ جب حضورؐ کی رسالت کے چند برس بعد انھوں نے حضورؐ کی دعوت کے بارے میں سنا تو ان کا پہلا ردعمل خوشی کا تھا، اس لیے کہ ان کے علما جانتے تھے کہ آخری رسول کو آنا ہے۔ چونکہ حضورؐ توحید کی تعلیم دے رہے تھے، اس لیے اس سے بھی اہل کتاب کو خوشی ہوتی تھی۔ یہاں ان کے اسی ردعمل کا بیان ہے۔

[۴۴] مکی دور کی مختلف سورتوں میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بعض عقائد اور غلط طور طریقوں پر تنقید اور ان کی تصحیح کی گئی تھی۔ چنانچہ ابھی حضورؐ مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ اہل کتاب کے بعض گروہوں نے کہا کہ قرآن کے ان تنقیدی حصوں کو ہم نہیں مانتے۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[۴۵] یہ قرآن کا وہی اسلوب ہے جس میں حضور کو خطاب کر کے دراصل یہاں پیشگی طور پر اہل کتاب کو بتایا گیا ہے کہ یہ رسول تمھارے غلط عقائد و افعال کی پیروی قطعاً نہیں کرے گا اور ہر حال میں حق کہتا رہے گا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ

اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖۚ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ
نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ط وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ط وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ط يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ط وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَيَقُوْلُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ط قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ لا وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾ ع

(اے نبیؐ)، ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے اور ان کو بیویاں اور اولاد یں عطا فرمائیں[46]۔ کسی رسول کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی دکھا سکے۔ (ہر چیز کے لیے ایک وقت اور) ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے[47]۔ اللہ جس چیز کو چاہتا ہے، مٹا دیتا ہے اور (جس چیز کو چاہتا ہے)، باقی رکھتا ہے[48]۔ ''ام الکتاب[49]'' اسی کے پاس ہے۔

(اے نبیؐ)، جس (برے انجام) کی دھمکی ہم ان (منکرینِ حق) کو دے رہے ہیں، اس کا کوئی حصہ خواہ ہم تمھاری زندگی میں دکھا دیں یا اس کے ظاہر ہونے سے پہلے ہم تمھیں وفات دے دیں[50]، بہر حال تمھارا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے[51]۔ حساب لینے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ کیا یہ مشرکین نہیں دیکھتے کہ ہم اس (جزیرہ نمائے عرب کی سرزمین) پر چلے آرہے ہیں اور اس (میں شرک) کو اس کے مختلف اطراف سے کم کرتے چلے آرہے ہیں[52]۔ فیصلہ اللہ کرتا ہے۔ اس کے فیصلوں کو ہٹانے والا کوئی نہیں۔ وہ بہت جلد حساب چکا دیتا ہے[53]۔ ان سے پہلے جو (منکرینِ حق) گزرے، انھوں نے بھی بڑی چالیں چلیں، لیکن چالیں تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ہر جان جو کچھ کرتی ہے، اسے وہ جانتا ہے۔ یہ منکرینِ حق جلد جان لیں گے کہ انجام کس کا بخیر ہوگا۔

یہ منکرینِ حق کہتے ہیں: ''تم اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔'' اے نبیؐ، کہہ دو: ''میرے اور تمھارے درمیان اللہ اور وہ لوگ گواہی کے لیے کافی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم ہے[54]۔'' ۳۸-۴۳

[۴۶] یعنی وہ سب انسان تھے، کوئی مافوق الفطرت ہستیاں نہیں تھے۔

[۴۷] یعنی ہر دور کے اپنے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اللہ انھی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس رسولؐ کے دور میں جس کتاب، جس قانون اور جس معجزے کی ضرورت ہوگی، اسے اللہ ظاہر فرمائے گا۔

[۴۸] یعنی اس رسولؐ کو ایسا معجزہ عطا ہوگا جو ہمیشہ باقی رہے گا یعنی قرآن عظیم۔

[۴۹] ''ام الکتاب'' کا مطلب ہے وہ اصل کتاب جس میں زمین و کائنات کے سارے حقائق اور قوانین درج ہیں۔

[۵۰] یہاں قرآن نے رسولوں کے معاملے میں اپنے قانون کے ایک پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے، وہ یہ کہ رسول کے پیغام کو اس سرزمین میں لازماً غلبہ ملتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ غلبہ اس کی موجودگی میں ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غلبے سے پہلے اللہ اپنے رسول کو اٹھا لے (جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے معاملے میں ہوا) اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول کی موجودگی میں یہ غلبہ مل جائے۔

[۵۱] غلبہ حاصل کرنا رسول کی ذمہ داری نہیں، بلکہ یہ اللہ کے خاص فیصلے کے تحت ملتا ہے۔ رسول کا اصل کام اللہ کے پیغام کو پہنچانے کے لیے پوری کوشش کرنا ہے۔

[۵۲] یہ سورہ دورِ مکہ کے آخری زمانے میں نازل ہوئی تھی، جبکہ اسلام کا پیغام عرب کے مختلف گوشوں میں پھیل چکا تھا اور تقریباً ہر قبیلے میں کچھ لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ چونکہ اس دنیا میں حق کی اشاعت کو اللہ نے اپنا کام قرار دیا ہے، اس لیے یہاں قرآن نے انتہائی لطیف انداز میں اللہ کی زبانی فرمایا کہ ''ہم اس سرزمین پر چلے آرہے ہیں۔'' تمام مترجمین ومفسرین نے یہاں 'الارض' سے جزیرہ نمائے عرب مراد لیا ہے۔

[۵۳] یعنی رسول کے اعلانِ رسالت کے کچھ ہی عرصے بعد فیصلہ ہو جاتا ہے۔

[۵۴] حضورؐ کے زمانے میں سنجیدہ اور پرہیزگار اہلِ کتاب علما نے حضورؐ کے اعلانِ رسالت کی تائید کی۔ ان سب نے یہ گواہی دی کہ قرآن کا سرچشمہ وہی ہے جو تورات وانجیل کا تھا اور ان سب نے رفتہ رفتہ اسلام قبول کر لیا۔ یہاں اس عظیم سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ ابراہیم مکیّۃ

[۱۴]

نام اور زمانۂ نزول

اس سورہ کی آیت نمبر ۳۵ میں 'ابراہیم' کا لفظ آیا ہے، اس لیے بطور علامت اس سورہ کو سورۂ ابراہیم کہا گیا ہے۔

اس باب کی باقی سورتوں کی طرح یہ سورہ بھی مکی دور کے آخری سالوں میں نازل ہوئی۔ اس کا مضمون بھی سورۂ رعد جیسا ہے۔ یہ سورہ اسی بحث کو آگے بڑھا رہی ہے، لیکن اس میں خصوصی طور پر منصب نبوت سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ
الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ﴿۲﴾
الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ
ضَلٰلٍ ۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ا۔ل۔ر[1]۔ اے نبیؐ، یہ کتاب ہم نے تمھاری طرف اس لیے نازل کی ہے کہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، ان کے رب کے اذن سے[2]، اُس اللہ کے راستے کی طرف جو غالب ہے اور جو حمید ہے[3]۔ وہی اللہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے۔ یہ منکرینِ حق (جن کو نبیؐ کی زبان سے حق کی دعوت پوری طرح مل چکی ہے اور پھر بھی انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا ہے،) کے لیے ایک تباہ کن سزا ہے۔ یہ لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ سیدھا راستہ ٹیڑھا ہو جائے[4]۔ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

ہم نے (اپنا پیغام پہنچانے کے لیے) ہر رسول کو اس کی قوم ہی کی زبان میں اپنا پیغام دیا، تا کہ وہ ان پر حق اچھی طرح واضح کر دے[5]۔ پھر اللہ جسے چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق[6]) بھٹکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) ہدایت بخشتا ہے۔ وہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ ۱-۴

[1] سورہ کے شروع میں یہ علیحدہ علیحدہ الفاظ اس مقصد کے لیے آئے ہیں، تا کہ انسان کو اللہ کی طرف سے سوچنے سمجھنے، زبان بولنے اور لکھنے پڑھنے کی نعمت کی طرف متوجہ کیا جائے۔

[۲] اذن کا مطلب ہے اجازت اور مرضی۔ یعنی یہ اللہ کی مرضی ہے کہ حضورؐ پر قرآن نازل ہوا اور اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو روشنی دکھائی جائے۔

[۳] حمید کا مطلب ہے وہ ہستی جو ساری رحمت کا سرچشمہ اور مرکز ہے جس کی وجہ سے صرف وہی اس کی حق دار ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، اس کا شکر بجالایا جائے اور اس سے امید باندھی جائے۔

[۴] راستہ ٹیڑھا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کی سیدھی تعلیمات اور حضورؐ کی ذات کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈے کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں۔

[۵] حضورؐ کی بعثت خاص جزیرہ نمائے عرب کے لوگوں کی طرف تھی جن کی زبان عربی تھی۔ اس لیے قرآن مجید قریش کی خاص عربی زبان میں نازل ہوا، تا کہ اس کے اولین مخاطب اس کی تعلیمات کو بہترین طریقے سے سمجھ سکیں۔

[۶] وہ قانون یہ ہے کہ جب کسی انسان کو ایک لمبے عرصے تک نبی کی زبان سے دین کی دعوت مل جاتی ہے اور پھر بھی وہ اپنے تعصب، ضد اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے اس دعوت کو ماننے سے پوری طرح انکار کر دیتا ہے تو ایسے شخص کے دل پر اللہ کی طرف سے اسی دنیا میں مہر لگا دی جاتی ہے اور اس کے لیے حق کا راستہ بند کر دیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ۧ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾

ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ (اپنی قوم کی طرف) بھیجا، تا کہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے اور انھیں اللہ کے ''خاص دن'' یاد دلائے۔ بے شک، ان (''خاص دنوں'') میں صبر اور شکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

یاد کرو، جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: ''اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے تمھیں فرعون والوں سے نجات دی جو تمھیں سخت تکلیفیں دیتے تھے، تمھارے لڑکوں کو قتل کر دیتے تھے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اس میں تمھارے رب کی جانب سے ایک بڑی آزمائش تھی۔ یاد رکھو کہ تمھارے رب نے تمھیں آگاہ کر دیا ہے کہ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم (پر اپنی نعمتوں) کو مزید

بڑھاؤں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میری سزا بھی بہت سخت ہے۔'' ۸ موسیٰؑ نے ان سے (یہ بھی) کہا: ''نہ صرف تم، بلکہ زمین کے سارے رہنے والے بھی اللہ کی ناشکری اور اس کا انکار کرنے لگیں تو (اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، کیونکہ) اللہ بے نیاز ہے اور اپنی ذات میں آپ ہر تعریف کے لائق ہے اور ساری کائنات اس کی شکر گزاری کر رہی ہے۔ ۵-۸

[۷] 'ایام اللہ' یعنی اللہ کے دنوں سے مراد وہ خاص دن ہیں جن میں اللہ سزا کے فیصلے کو رسول کے نہ ماننے والوں کے لیے اس دنیا میں نافذ کرتا ہے۔ گویا قوم نوحؑ، عادؑ، ثمودؑ اور اسی طرح کی دوسری اقوام پر جس دن اس دنیا میں اپنے رسول کی بات نہ ماننے کی پاداش میں سزا نازل ہوئی، وہ سب کے سب 'ایام اللہ' ہیں۔

موسیٰؑ نے یہ بات اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کو اس لیے سمجھائی کہ بنی اسرائیل کے لیے اللہ نے یہ طریقہ مقرر کر دیا تھا کہ یہ قوم جب بھی راہ راست سے ہٹے گی تو اس دنیا میں بھی اسے سزا دی جائے گی۔ پروردگار کی طرف سے بنی اسرائیل کے لیے یہ فیصلہ اس لیے ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساری دنیا میں اسلام کی دعوت پہنچانے کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ یہ ایک بہت بڑی فضیلت تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان کو یہ بھی بتا دیا کہ جب بھی تم لوگ برائی کے راستے پر چلو گے اور دین کی دعوت دینے کا کام چھوڑ دو گے تو اس دنیا میں بھی تمھیں کسی نہ کسی ''خاص دن'' پر سزا دی جائے گی۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ان سزاؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

[۸] بنی اسرائیل کے لیے یہ اللہ کا وہی قاعدہ ہے جس کی تفصیل اوپر کی گئی ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع

(اے لوگو)، کیا تمھیں ان لوگوں کے حالات نہیں پہنچے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، (مثلاً) نوحؑ کی قوم، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والی بہت سی قومیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[9] ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، مگر ان (منکرین حق) نے ان (رسولوں) کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیے[10] اور کہا: ''جس پیغام کے ساتھ تم کو بھیجا گیا ہے، ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو، اس کے سلسلے میں ہم ایک سخت الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔''[11]

ان کے رسولوں نے جواب دیا: ''کیا تمھیں اس اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمان و زمین کو وجود میں لایا ہے؟ وہ اللہ تو تمھیں بلا رہا ہے، تاکہ تمھارے گناہوں کو بخش دے[12] اور تم کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دے۔''[13]

منکرینِ حق نے (اپنے رسولوں سے) کہا: ''تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو، تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان ہستیوں کی عبادت سے روک دو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے پاس (اپنے دعوے کے ثبوت میں) کوئی کھلا ہوا معجزہ لاؤ۔ رسولوں نے (ان کو) جواب دیا: ''واقعی ہم تمھارے ہی جیسے آدمی ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے (پیغمبری کے) فضل سے نوازتا ہے۔[14] یہ ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمھارے پاس کوئی معجزہ لائیں۔ (معجزہ تو صرف) اللہ کے حکم سے آ سکتا ہے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ ہم اللہ پر بھروسا کیوں نہ کریں، جبکہ اس نے راستوں کے تعین میں ہماری رہنمائی فرمائی۔ تم لوگ ہمیں جو بھی تکلیف پہنچاؤ گے، ہم اس پر صبر کریں گے، کیونکہ بھروسا کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''[15] ۹-۱۲

[۹] پوری دنیا میں ہر جگہ اللہ کی طرف سے نبی اور رسول بھیجے گئے۔ قرآن میں بطور مثال صرف انھی رسولوں کا تذکرہ ہوا جو سرزمین عرب یا اس کے اردگرد کے علاقوں میں آئے اور جن کی داستانوں سے بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کسی حد تک واقف تھے۔ ہدایت کے مقصد کے لیے صرف انھی پیغمبروں کا تذکرہ کافی تھا۔

[۱۰] یعنی ان کی زبان بندی کی کوشش کی۔

[۱۱] یعنی ہم تمھاری یہ دھمکی ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں ہیں کہ اگر ہم نے تمھاری بات نہ مانی تو ہمیں تباہ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح توحید اور آخرت کی تمھاری دعوت پر بھی ہمارا دل قطعاً مطمئن نہیں ہے۔

[۱۲] اپنے وقت کے ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو پروردگار کی صفت رحمت و مغفرت کی طرف بار بار توجہ دلائی، تاکہ وہ اس پیغام سے فائدہ اٹھا کر دین قبول کر لیں۔

[۱۳] یہاں 'اجل مسمی' یعنی ایک ''وقت معین'' کا مطلب وہ فطری وقت ہے جو پروردگار کی طرف سے ہر قوم کو اس دنیا میں ایک بڑی اور زندہ قوم کی حیثیت سے دیا جاتا ہے۔ اگر رسول کی قوم اپنے پیغمبر کی بات مان لے تو اسے ایک اچھا مقام دیا جاتا ہے اور رسول کے بعد اس کے مستقبل کا فیصلہ عام

قوانین قدرت کے مطابق ہوتا ہے۔اس کے برعکس اگر رسول کی قوم اپنے پیغمبر کی بات ماننے سے انکار کردیتی ہے تو اس پر اللہ کے خصوصی حکم کے تحت اسی دنیا میں سزا نافذ کردی جاتی ہے۔

[۱۴] کسی کو پیغمبری کا منصب دینے کا سارا اختیار خالصتاً اللہ کا ہے۔ظاہر ہے کہ اس کے لیے اللہ نے ایک بہت اونچا معیار رکھا ہے۔اگر کوئی دوسرا شخص کسی پیغمبر سے محض اس بنیاد پر حسد کرتا ہے کہ اس کو اللہ کی طرف سے پیغمبری کیوں ملی اور اس شخص کو کیوں نہیں ملی تو ایسا شخص بہت بڑی غلطی کر رہا ہے۔

[۱۵] بھروسا کرنے کے قابل ذات صرف اور صرف اللہ کی ہے۔جب انسان ہر طرف سے نا امید اور مایوس ہو جائے تو اللہ کی ذات وہ روشنی ہے جو اسے امید اور سہارا دیتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾
وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا
يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ط وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ط لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا
عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنْ يَّشَاْ
يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

حق سے انکار کرنے والوں نے اپنے رسولوں سے کہا: ”تمھیں ہماری ملت میں واپس آنا پڑے گا، ورنہ ہم تمھیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔“ تب رسولوں کے رب نے ان پر وحی بھیجی: ”ہم ان ظالموں ہی کو ہلاک کریں گے اور ان کے بعد تمھیں اس سرزمین میں بسائیں گے۔ (یہ فیصلہ تمھارے) ان (ساتھیوں) کے لیے ہے جو میرے سامنے جواب دہی کا خوف رکھتے ہیں اور میری دھمکی سے ڈرتے ہیں۔“[16]

ان منکرینِ حق نے فیصلہ چاہا (تو یوں ان کا فیصلہ ہوا کہ) ہر سرکش ضدی نامراد ہوا۔اس کے آگے جہنم ہے جہاں اس کو پینے کے

لیے پیپ کا پانی ملے گا۔ وہ اس کو پینے کی کوشش کرے گا، مگر اس کو حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا۔ موت اس پر ہر جانب سے چھا رہی ہوگی، مگر مرنے نہ پائے گا اور آگے ایک اور سخت سزا اس کے لیے موجود ہوگی۔

جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے، ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی ہے جسے ایک طوفانی دن کی آندھی اڑا لے جائے۔ وہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی نہ پا سکیں گے۔ (کیونکہ اللہ کا انکار) ایک بہت بڑی گمراہی ہے۔[۱۷]

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان و زمین کو حق پر قائم کیا ہے؟[۱۸] وہ چاہے تو تم کو تباہ کر دے اور ایک نئی مخلوق (تمھاری جگہ) بسا دے۔ یہ اللہ کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں[۱۹] ۱۳-۲۰

[۱۶] یہاں قرآن مجید نے ان تمام اقوام کی سرگزشت کا خلاصہ پیش کیا ہے، جنھوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ سارے رسولوں کے لیے اللہ کا یہی قاعدہ رہا ہے کہ ان کی اقوام میں سے جس جس نے انکار کیا ہے، اسے اسی دنیا میں ہلاک کر دیا جائے اور رسول کے ساتھیوں کو غلبہ دے دیا جائے۔

[۱۷] یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے شرک کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے رسولوں کی دعوت کا انکار بھی کیا۔ چونکہ ان کی ساری زندگی تکبر، ضد، انانیت اور انکار حق پر مبنی ہے، اس لیے ان کا کوئی بھی عمل ان کے لیے کارآمد ثابت نہیں ہوسکتا۔

[۱۸] حق پر قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ پوری کائنات نہایت سخت اور نہ تبدیل ہونے والے قوانین پر مبنی ہے۔ اس کا ہر ذرہ یہ گواہی دے رہا ہے کہ اس کو تخلیق کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان کو غیر ذمہ دار چھوڑا جائے۔

[۱۹] اب یہ دھمکی خالصتاً حضورؐ کے مخاطبین کو دی جا رہی ہے کہ اگر تم اس پیغمبر کی بات نہیں مانو گے تو سابقہ لوگوں کی طرح تمھیں بھی تباہ کر دیا جائے گا اور تمھاری جگہ اس سرزمین عرب میں ان انسانوں کو بسا دیا جائے گا جو اس پیغمبر کے ماننے والے ہوں گے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا۠ بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

یہ منکرینِ حق جب سب کے سب اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کے کمزور لوگ ان لوگوں سے جو دنیا میں بڑے بنے ہوئے تھے، پوچھیں گے کہ ''دنیا میں تو ہم تمھاری پیروی کرتے تھے تو کیا اب اللہ کی سزا میں تم ہمارا بوجھ کچھ کم کر سکتے ہو؟'' وہ جواب دیں گے: ''اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم تمھیں بھی وہی راستہ دکھا دیتے۔ اب تو ہمارے لیے یکساں ہے، خواہ ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں۔ اب ہمارے لیے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔''

جب معاملے کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا: ''بے شک، اللہ نے تم سے سچے وعدے کیے تھے اور میں نے تم سے جتنے وعدے کیے تھے ان میں سے کوئی بھی پورا نہیں کیا۔ میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ بس میں نے تمھیں دعوت دی اور تم نے میری بات مان لی۔ اب مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ اب میں نہ تمھارے کسی کام آ سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد کا علاج کر سکتے ہو۔ (اس سے پہلے) تم نے اپنے عقیدے میں جو مجھے شریک بنا لیا تھا، میں اس سے انکار کرتا ہوں۔''[20] بے شک، اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں ہی کے لیے دردناک سزا ہے۔

جو لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کیے، وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں وہ ایک دوسرے کا خیر مقدم سلامتی کی مبارک باد سے کریں گے[21] ۲۱-۲۳

[۲۰] اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں سارے منکرینِ حق اور ان کے شیاطین آپس میں مسلسل لڑیں گے، جھگڑیں گے اور ایک دوسرے کو الزام دیں گے۔ یہ بھی ان کے لیے سزا کی ایک شکل ہوگی۔

[۲۱] آخرت میں سارے اہلِ ایمان ایک دوسرے کا خیر مقدم سلامتی کے ساتھ کریں گے، اس لیے کہ یہ سب اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ یہ سکون و اطمینان بھی ان کے لیے ایک بڑا انعام ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ

خَبِیْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ

الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ۫ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾

کیا تم لوگوں نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے 'کلمہ ٔ طیبہ' (یعنی اس پاکیزہ بات) کی مثال کس چیز سے دی ہے؟ اس (کلمہ ٔ طیبہ) کی مثال
اُس پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) گہری جمی ہو اور جس کی شاخیں فضا میں (پھیلی ہوئی ہوں)۔ وہ (پاکیزہ
درخت) اپنا پھل ہر آن اپنے رب کے حکم سے مسلسل دے رہا ہو۔ اللہ لوگوں کے لیے (اس طرح کی) مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے
تا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔[۲۲]

'کلمہ ٔ خبیثہ' (یعنی اس ناپاک بات) کی مثال اس بے کار درخت کی سی ہے جو (جھاڑ جھنکاڑ کی طرح) زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ
لیا جائے اور اسے ذرا برابر استحکام حاصل نہ ہو۔[۲۳]

اہل ایمان کو اللہ اِس مضبوط بات کی بنیاد پر دنیا اور آخرت، دونوں میں مضبوطی عطا کرتا ہے اور ظالموں کو اللہ (اپنے قانون کے
مطابق) بھٹکا دیتا ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔۲۴-۲۷

[۲۲] یہاں قرآن مجید نے توحید کو ایک بہت خوب صورت مثال کے ذریعے سے واضح کیا ہے۔ توحید ہی وہ عقیدہ ہے جس سے انسان کے سامنے اس
کائنات کا ہر سوال حل ہو جاتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر انسان کو سکون و اطمینان ملتا ہے اور یہی سارے حقوق انسانی کی بنیاد ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ اس دنیا میں شرک کی تاریکیاں آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی اور ایک وقت ایسا آئے گا جب ہر طرف توحید ہی کا عقیدہ ہو گا۔

[۲۳] کلمہ ٔ خبیثہ سے مراد شرک ہے۔ اس عقیدے کی کوئی جڑ موجود نہیں۔ اس کی بنیاد پر نہ تو زمین و آسمان سے متعلق کسی سوال کو حل کیا جا سکتا ہے،
انسان کو سکون و اطمینان مل سکتا ہے اور نہ اس کی بنیاد پر حقوق العباد بنائے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس عقیدے کو فنا ہو جانا ہے۔
اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ شرک کا عقیدہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا سے ختم ہوتا جائے گا، اس لیے کہ اس کی مثال جھاڑیوں کی طرح ہے جس کی
کوئی جڑ نہیں اور جس سے انسان کو کوئی فائدہ نہیں ملتا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ
الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ
خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْ
لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْ

وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ
لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾

(اے انسانو)، کیا تم نے ان (قائدین) کے حال پر غور نہیں کیا جنھوں نے اللہ کی نعمتوں کے بدلے میں (اس کا) انکار کیا اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گھر (یعنی) جہنم میں جھونک دیا جس میں وہ داخل ہوں گے[۲۴]۔ وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے تاکہ اللہ کے راستے سے دوسروں کو گمراہ کریں۔ (ان سے) کہہ دو کہ چند دن عیش کرلو۔ بالآخر تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے۔

(اے نبیؐ)، میرے ایمان والے بندوں سے کہہ دو کہ نماز کا اہتمام رکھیں اور جو (مال و دولت) ہم نے ان کو عطا کی ہے، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کریں، قبل اس کے کہ وہ دن (یعنی آخرت) آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی۔

وہی اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور بادلوں سے پانی برسایا۔ پھر اس سے مختلف قسم کے پھل کھانے کے لیے پیدا کیے۔ (اسی اللہ نے) کشتی کو تمھارے نفع کے کام میں لگا دیا، تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے۔ (اسی اللہ نے) دریاؤں کو بھی تمھاری نفع رسانی میں لگا دیا۔ (اسی طرح اللہ نے) سورج اور چاند کو بھی تمھاری نفع رسانی میں لگا دیا۔ دونوں ایک قانون کے مطابق گردش میں ہیں۔ (اللہ نے) دن اور رات کو بھی تمھاری نفع رسانی میں لگا دیا اور اس نے ہر اس چیز میں سے تمھیں بخشا جو تم نے مانگا[۲۵]۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو شمار نہ کر پاؤ گے۔ حقیقت یہ ہے کہ (اللہ سے بے گانہ) انسان بڑا ہی حق کھانے والا اور ناشکرا ہے[۲۶]۔ ۲۸-۳۴

[۲۴] جو قائدین اپنی طاقت و حکومت کے زعم میں اپنی آخرت سے غافل ہوں، وہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کی ہلاکت کا باعث بھی بنتے ہیں۔

[۲۵] یعنی تمھاری زندگی کی ہر ضرورت پوری کی اور تم نے علم اور سائنس میں جو ترقی بھی کرنی چاہی، اللہ نے اس کا راستہ تمھارے لیے کھول دیا۔

[۲۶] قرآن میں جہاں بھی انسان کا نام لے کر اس طرح کے الفاظ آتے ہیں۔ اس سے مراد اللہ سے غافل انسان ہوتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ
اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَا اِنِّيْ
اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ
النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٧﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا

نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَهَبَ لِىْ عَلَ

الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۖ رَبَّ

وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع

وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے[۲۷] جب ابراہیمؑ نے دعا کی: ''اے میرے رب، اس شہر کو پرامن بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں

پوجا سے محفوظ رکھ۔ اے میرے رب، ان بتوں نے لوگوں میں سے ایک بڑی تعداد کو گمراہ کر رکھا ہے، اس لیے جو میری پیروی کرے و

مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تُو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے رب، میں نے اس بغیر پانی اور زراعت والی وادی میں

اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس بسا دیا ہے، تاکہ اے ہمارے رب، یہ لوگ نماز کا اہتمام کریں[۲۸]، اس لیے تو لوگوں ک

دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور ان کو پھلوں کی روزی عطا فرما، تاکہ یہ لوگ تیرا شکر ادا کریں[۲۹]۔ اے ہمارے رب، تو جانتا ہے جو

ہم پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ (ہم جانتے ہیں کہ) اللہ سے آسمان وزمین کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ شکر ہے اس ا

کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ (جیسے بیٹے) دیے۔ بے شک، میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔ اے میرے رب، مجھے ا

میری اولاد کو نماز کا اہتمام کرنے والا بنا۔ اے ہمارے رب، میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب، مجھے، میرے والدین اور سب ایما

والوں کو اس دن بخش دیجیو جس دن حساب قائم ہوگا۔'' ۳۵-۴۱

[۲۷] یہاں حضرت ابراہیمؑ کی سرگزشت میں سے ایک اہم حصے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، تاکہ مشرکین قریش کو یہ بات جتائی جائے کہ ان کے

حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ اور بیت اللہ کو صرف اور صرف اللہ کی عبادت کے لیے قائم کیا تھا۔ ہمارے لیے ان آیات میں یہ یاددہانی ہے کہ ساری سرز

حرم امن کا گہوارہ ہے اور یہ کہ ہمیں اپنے عقیدہ وعمل کو شرک کے ہر شائبے سے بچا کر رکھنا چاہیے۔

[۲۸] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں پورے شعور کے ساتھ نماز کا اہتمام کرنے کی بہت بڑی اہمیت ہے۔

[۲۹] اس جگہ قریش کو خصوصی طور پر یہ بات کہی جارہی ہے کہ پروردگار کے خاص فضل اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی وجہ سے لوگ ان کی عزت واحترام کر

ہیں اور ان کو جی بھر کر رزق مل رہا ہے۔ اس لیے ان کو بھی چاہیے کہ وہ شرک کے بجائے توحید کے راستے پر گامزن ہو جائیں۔ آج کی سرزمین عرب میں ر

والوں کے لیے ان آیات میں یہ خاص سبق موجود ہے کہ اسی بیت اللہ کی وجہ سے ساری دنیا کے مسلمان ان کی عزت کرتے ہیں اور اسی ذریعے سے ان کا معا

بھی ترقی کر رہا ہے، اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ بھی باقی مسلمانوں کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آئیں اور سرزمین عرب میں ان کی خدمت کریں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾
مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ
الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ
تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ
لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ
مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ
مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

(اے نبیؐ)، یہ ظالم لوگ جو کچھ کرر ہے ہیں، اس سے اللہ کو تم بے خبر نہ سمجھو[30]۔ وہ تو انھیں بس ایک ایسے دن کے لیے ٹال رہا ہے جب نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ سر اٹھائے بھاگ رہے ہوں گے، نظریں اوپر جمی ہوں گی اور ان کے دل اُڑے ہوئے ہوں گے۔

اے نبیؐ، ان لوگوں کو اس دن سے خبردار کرو جس دن ان پر سزا آدھمکے گی۔ اس وقت یہ ظالم کہیں گے: ''اے ہمارے رب، ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے، ہم تیری دعوت کو قبول کرلیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔'' (اس وقت انھیں جواب دیا جائے گا:) ''کیا تم وہی لوگ نہیں ہو۔ کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے رہے کہ تم اپنی ضد سے ٹلنے والے نہیں ہو؟ حالانکہ تم ان بستیوں میں رہ چکے تھے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا تھا اور تم پر یہ بات واضح تھی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ تمھارے لیے ہم نے (قرآن مجید میں) ان کی مثالیں بھی بیان کردی تھیں۔''

ان (مشرکینِ قریش) نے اپنی ساری چالیں چل دی ہیں۔ان کی یہ ساری چالیں اب اللہ کے پاس[۳۱] ہیں۔اگر چہ ان کی چالیں اتن
زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے (مگر اللہ ان کی تمام چالیں ناکام بنادے گا)۔

پس (اے نبیؐ)، اللہ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہرگز نہ سمجھو[۳۲]۔ اللہ غالب ہے اور (رسولؐ کو جھٹلانے والو
سے) انتقام لینے والا ہے۔(اس دن کو یاد رکھو) جس دن یہ آسمان وزمین بدل دیے جائیں گے اور سب کے سب اللہ یعنی اس واحد او
عظیم منتظم کے سامنے حاضر ہوں گے۔اس دن تم مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھو گے، ان کے لباس تارکول کے ہوں گے اور ا
کے چہروں پر آگ چھائی ہوگی۔(یہ اس لیے ہوگا) کہ اللہ ہر جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دے۔بے شک، اللہ جلد حساب لینے والا ہے[۳۳]۔

(اے سننے اور پڑھنے والو،) یہ (قرآن) سب انسانوں کے لیے ایک اعلان و پیغام ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے ان کو آگاہ کرد
جائے اور وہ جان لیں کہ عبادت کے لائق صرف وہی ایک معبود ہے۔(یہ قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے) کہ عقل والے (اس کو سمج
کر) نصیحت حاصل کریں[۳۴] ۴۲-۵۲

[۳۰] حضورؐ کو مخاطب کر کے دراصل صحابۂ کرامؓ کو تسلی دی جارہی ہے کہ موجودہ مشکل حالات ختم ہوجائیں گے اور اسی دنیا میں اور آخرت میں اللہ مخالفی
رسولؐ کو سزا دے گا۔

[۳۱] یہ سورہ مکی دور کے اختتام میں نازل ہوئی، جب کہ مشرکین قریش کی طرف سے ظلم وستم اور سازشوں کی انتہا ہوچکی تھی، اس لیے حضورؐ اور صحابۂ کرا
کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ اب ان کی سازشیں ناکام ہونے کا وقت قریب آچکا ہے۔

[۳۲] یہاں بھی حضورؐ کو مخاطب کر کے دراصل صحابۂ کرامؓ کو تسلی دی جارہی ہے۔

[۳۳] اگر چہ آج قیامت کا لمحہ ہمیں بہت دور نظر آتا ہے، مگر جب وہ وقت آجائے گا تو ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ یہ تو بہت جلد آگیا ہے۔

[۳۴] یہ اس عظیم سورہ کی آخری آیت ہے اور اس میں حضورؐ کی "بعثت عام" یعنی روز قیامت تک تمام انسانوں کے لیے رسالت کا بیان ہے۔اسی طر
یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ اب ہمیشہ کے لیے قرآن مجید کتاب ہدایت ہے۔

سورۂ حجر مکیّۃ

[۱۵]

نام اور زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کی آیت نمبر ۸۰ میں 'الحجر' کا لفظ آیا ہے، اسی لیے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔

اس سورہ کے مضمون سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سورۂ ابراہیم کی طرح یہ بھی مکی دور کے آخری سالوں میں نازل ہوئی۔ اس کا مضمون وہی ہے جو سورۂ رعد اور سورۂ ابراہیم کا ہے۔

ركوعاتها ٦ # سُورَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ آياتها ٩٩

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾

[پارہ نمبر 14]

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
﴿۵﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ
لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ا،ل،ر۔ یہ کتابِ الٰہی یعنی[1] واضح قرآن کی آیات ہیں۔اے نبیؐ، وہ وقت بہت جلد آجائے گا جب یہ مشرکینِ قریش جنھوں نے آج (تمھاری دعوت ماننے سے) انکار کر دیا ہے، تمنا کریں گے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کیا ہوتا۔اب ان کو چھوڑ دو، کھائیں پئیں، عیش کریں اور (اپنی بے بنیاد) امیدوں میں مگن رہیں[2]۔ عنقریب انھیں معلوم ہو جائے گا۔ہم نے جس قوم کو بھی ہلاک کیا، اس کے لیے ایک ''خاص مہلتِ عمل'' لکھی جا چکی تھی۔کوئی قوم نہ اپنے وقت مقررہ سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے اور نہ اس کے بعد چھوٹ سکتی ہے۔

یہ مشرکین کہتے ہیں: ''اے وہ شخص، جس پر یہ ذِکر (یعنی قرآن) نازل ہوا ہے، تم یقیناً دیوانے ہو۔اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لا سکتے؟'' (اے نبیؐ، ان لوگوں کو جواب دو کہ اللہ فرماتا ہے:) ''ہم فرشتوں کو ہمیشہ فیصلے کے ساتھ اتارتے ہیں اور پھر اُس وقت ان کو کوئی مہلت نہیں ملے گی۔

[۳] رہا یہ ذکر[۴] (یعنی قرآن) تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان[۵] ہیں۔" ۱-۹

[۱] یہاں 'وٗ'، "یعنی" کے معنی میں آیا ہے۔

[۲] یہ سورہ مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئی، جبکہ مشرکین قریش پر حضورؐ اتمام حجت کر چکے تھے۔ اس لیے آپؐ سے کہہ دیا گیا کہ اب ان کو مزید دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔

[۳] یعنی فرشتوں کے اتر آنے کے ساتھ ان کی مہلت عمل ختم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جن جن مشرکین کی مہلت عمل ختم ہو گئی تھی، ان کو فرشتوں کے ذریعے سے جنگ بدر میں ہلاک کر دیا گیا۔

[۴] ذکر کے معنی ہیں یاددہانی کرنا، خبردار کرنا اور نصیحت کرنا۔

[۵] قرآن مجید نے آج سے چودہ سو برس پیشتر یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ کتاب قیامت تک محفوظ رہے گی، اس لیے کہ اس کا نگہبان اللہ ہے۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو چودہ سو برس سے مکمل طور پر محفوظ شکل میں ہے، حالانکہ اس کی ہم زمانہ اور اس سے پہلے کی کسی کتاب کے بارے میں ایسا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾
كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ
مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ
رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ
وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ
مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

(اے نبیؐ)، ہم نے تم سے پہلے بھی (مجرم) گروہوں میں رسول بھیجے ہیں۔ جو رسول بھی ان گروہوں کے پاس آتا، وہ اس کا مذاق اڑاتے۔ ہم مجرموں کے دلوں میں حق کے پیغام کو اسی طرح اتارتے ہیں (کہ وہ اس کا مذاق اڑائیں، اسی طرح) یہ (یعنی مشرکینِ قریش میں سے نافرمان) بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے[6]۔ اس طرح کے لوگوں کا (شروع سے) یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔ اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیتے اور وہ اس میں چڑھنے لگتے، تب بھی وہ یہی کہتے: ''ہماری آنکھوں کو دھوکا ہورہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔''

ہم نے آسمان میں برج یعنی مضبوط قلعے بنائے[7]، کھلی آنکھیں رکھنے والوں کے لیے اس کو آراستہ کیا[8] اور ہر شیطانِ مردود سے ان کو محفوظ کردیا۔ اگر کوئی سن گن لینے کی کوشش کرتا ہے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے[9]۔

ہم نے زمین کو بچھایا، اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر قسم کی چیزیں موزوں تناسب کے ساتھ اگائیں۔ ہم نے اس میں تمھاری معیشت کا سامان بھی رکھا اور اُن (مخلوقات) کا بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو ایک مقررہ مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ (بارش بھری) ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں، پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمھیں سیراب کرتے ہیں۔ اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو۔

ہم ہی زندگی اور موت دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں[10]۔ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بھی ہم جانتے ہیں اور بعد میں آنے والوں کو بھی ہم جانتے ہیں۔

(اے نبیؐ)، یقیناً تمھارا رب ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ بے شک، وہ حکمت والا ہے اور سارے علم پر حاوی ہے۔ ۱۰-۲۵

[۶] چونکہ یہ مجرمین اپنی ضد، تکبر، انانیت، تعصب اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے رسولوں کی مخالفت کا تہیہ کرچکے تھے، اس لیے اللہ نے بھی ان کو اسی ذہنیت میں مگن رکھا۔

[۷] آج کے سائنسی علم کی وجہ سے ہم جانتے ہیں کہ کائنات میں نظر نہ آنے والی ایسی عظیم قلعہ بندیاں یا دیواریں موجود ہیں جن کی وجہ سے اربوں، کھربوں ستارے، سیارے اور کہکشائیں اپنے راستوں پر رواں دواں ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک کا راستہ متعین ہے اور کوئی بھی کسی دوسرے کے راستے میں خلل اندازی نہیں کرسکتا۔ انسانی علم کی تاریخ میں یہ بات پہلی مرتبہ قرآن مجید نے بتائی۔

[۸] یعنی جب عقل وفطرت کی آنکھ کھلی رکھنے والا ایک انسان ان سیاروں اور ستاروں کو دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کیسی حسین وجمیل کائنات ہے اور اس کا خالق کس عظیم درجے کا آرٹسٹ ہے۔

[۹] زمانۂ جاہلیت میں مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ جنات آسمانوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور ان کو کائنات کے بارے میں سب کچھ علم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں ان جنات کے ساتھ رابطہ رکھنے کا دعوٰی کرنے والے لوگ سادہ لوح عوام کو یہ کہہ کر بے وقوف بناتے تھے کہ جنات ان کو غیب کی خبریں پہنچاتے ہیں۔ یہاں قرآن مجید نے اسی عقیدے اور وہم کی تردید کی ہے۔ قرآن نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی جن ان حدود اور دائروں کو توڑ کر کچھ سن گن لینے کی کوشش کرتا ہے تو اسے مار بھگایا جاتا ہے۔ 'شھاب مبین' کے لفظی معنی روشن شعلے کے ہیں۔ یہ قطعاً ضروری نہیں کہ جن (Meteorites) کو ہم آج کل شہاب ثاقب کہتے ہیں، وہ یہی ہو۔ وہ کوئی بھی کائناتی شعاع ہو سکتی ہے۔ یہاں شیطان کے لیے 'رجیم' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ رجیم کے معنی سنگ سار کردہ کے ہیں۔ گویا کوئی بھی شیطان، خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے، وہ پروردگار کی کائنات کو درہم برہم نہیں کر سکتا۔

[۱۰] زمین و اہل زمین کی ہر چیز پروردگار کی عطا کردہ ہے اور یہ سب چیزیں آخر میں پھر پروردگار ہی کے پاس جانے والی ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ
السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ
وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰۤی
اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ
لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ
عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ
الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِیْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ
وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ
عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا
سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع

ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے (یعنی کیچڑ) کی خشک مٹی سے پیدا کیا، اس سے پہلے ہم جنات کو آگ کی گرم ہوا سے پیدا کر

چکے تھے۔ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے، جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: ''میں کیچڑ کی خشک مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے وا
ہوں۔ جب میں اس کو مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر جاؤ۔'' چنانچ
سارے فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے[11]۔ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اللہ نے پوچھا: ''اے ابلیس
تیرا کیا معاملہ ہے کہ تم نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟'' ابلیس نے جواب دیا: ''میں ایک ایسے بشر کو سجدہ کرنے کے لیے تیار نہیں
جسے تو نے سڑے ہوئے کیچڑ کی خشک مٹی سے پیدا کیا[12]۔'' (اس پر رب نے) فرمایا: ''یہ بات ہے تو تم یہاں سے نکل جاؤ، کیونکہ تم مردو
ہو اور اب روزِ جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔'' ابلیس نے کہا: ''اے میرے رب، تو مجھے اس دن تک کے لیے مہلت دے دے جس دن
سب انسان (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے[13]۔'' اللہ نے فرمایا: ''اچھا، اُس معلوم وقت (یعنی قیامت) تک تجھے مہلت ہے۔''

ابلیس بولا: ''میرے رب، چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا[14] اسی طرح اب میں زمین میں دنیا کے ساز و سامان کو ان انسانوں کی نگاہوں میں
دل فریب بناؤں گا اور ان سب کو بہکا دوں گا، سوائے تیرے خاص بندوں کے۔'' اللہ نے فرمایا: (میں انسانوں کو سیدھا راستہ دکھاؤں
گا) یہ راستہ سیدھا مجھ تک پہنچانے والا ہے۔ میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا[15]، سوائے ان بہکے ہوئے لوگوں کے جو تیرے
پیرو بن جائیں[16]۔ ان سب کے لیے جہنم کی وعید ہے۔''

اس جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لیے ان گمراہوں کا ایک حصہ مخصوص ہوگا[17]۔ ۲۶-۴۴

[۱۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ساتھ ساتھ اس وقت موجود ساری مخلوقات کو انسان کی تعظیم کا حکم دیا گیا تھا۔

[۱۲] ابلیس نے اپنے آپ کو انسان سے برتر جانا یعنی وہ تکبر کرنے والا بنا۔ اسی لیے اس نے اپنے سے کم تر مخلوق کی تعظیم سے انکار کیا۔

[۱۳] ابلیس کے چیلنج کا مطلب یہ تھا کہ اس مہلت کے دوران میں وہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کو گمراہی کے راستے پر ڈال کر یہ ثابت کرنے کی کوشش
کرے گا کہ نعوذ باللہ پروردگار کا انسان کی تخلیق کا یہ فیصلہ صحیح نہیں تھا۔

[۱۴] ابلیس نے یہ بہانہ بنا کر اپنے رب پر اپنے آپ کو گمراہ کرنے کا الزام لگایا کہ رب نے اسے اس آزمائش میں کیوں مبتلا کیا۔

[۱۵] یعنی تمھیں انسانوں کو قائل کرنے، اکسانے اور ان کی نفسانی خواہشات کو ابھارنے کی اجازت تو ہے، لیکن تیرا کوئی عملی اختیار ان پر نہیں ہوگا۔

[۱۶] یعنی اگر کوئی انسان اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کی خاطر تیرا پیروکار بن جانا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہوگی، لیکن پھر بھی تجھے انسانو
کے اوپر کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

[۱۷] ان سات دروازوں کی صحیح نوعیت 'امورِ متشابہات' میں سے ہے، اس لیے ہم ان کی صحیح نوعیت نہیں جان سکتے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِينَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ

غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ
اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

(آخرت میں) پرہیزگار بندے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر داخل ہو جاؤ۔ ان کے سینوں کی رنجشیں ہم نکال دیں گے[18] وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ وہاں انھیں نہ کوئی تھکان لاحق ہوگی اور نہ وہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے۔

اے نبیؐ، میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ بے شک، میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں۔ مگر (اس کے ساتھ ساتھ) میری سزا بھی نہایت دردناک ہے[19] ۴۵-۵۰

[۱۸] دنیا میں سچے اہل ایمان کے درمیان بھی غلط فہمیاں اور اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن جنت میں جانے سے پہلے ان کی ان تمام رنجشوں کو صاف کر دیا جائے گا۔

اس آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ دنیا میں سچے اہل ایمان بھی حکمت عملی کے ضمن میں ایک دوسرے سے اختلاف کریں، لیکن اس اختلاف کے باوجود ان کو چاہیے کہ الزامات لگانے کے بجائے ایک دوسرے کا احترام کریں۔

[۱۹] اللہ کی یہ دردناک سزا بنیادی طور پر اس کے باغیوں یعنی مشرکین، رسول کے براہ راست مخالفین اور دنیا میں بھیانک جرائم کرنے والوں کے لیے ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا (وقف لازم)
تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا
بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا
خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ
قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ﴿۶۵﴾
وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۶۷﴾
قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴿۷۰﴾
قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
مُشْرِقِيْنَ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ
الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ — وقف لازم
الْمُرْسَلِيْنَ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
اٰمِنِيْنَ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۸۴﴾

اے نبیؐ، ان لوگوں کو ابراہیمؑ کے مہمانوں[20] سے متعلق بھی آگاہ کردو۔ جب وہ اس کے پاس آئے تو انھوں نے اسے سلام کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا: ''ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے۔''[21] ان مہمانوں نے جواب دیا: ''آپ کوئی اندیشہ نہ کریں۔ ہم آپ کو ایک علم والے فرزند کی خوش خبری دیتے ہیں''۔ ابراہیمؑ نے کہا: ''اب تو مجھ پر بڑھاپا آچکا۔ اب یہ کیسی بشارت؟'' مہمانوں نے جواب دیا: ''ہم آپ کو ایک صحیح بات کی بشارت دے رہے ہیں۔ آپ ناامید ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔'' (اس پر) ابراہیمؑ نے جواب دیا: ''اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو صرف گمراہ لوگ ہی ہوسکتے ہیں۔''[22]

پھر ابراہیمؑ نے پوچھا: ''اے قاصدو، آپ لوگوں کے سامنے کیا مہم ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ البتہ لوطؑ کے گھر والے (اور اس کے ساتھی) اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان سب کو ہم بچائیں گے، سوائے اس کی بیوی کے جس کے لیے ہم نے مقدر کردیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔''[23]

پھر جب یہ فرشتے لوطؑ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: ''آپ لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم تمھارے پاس وہی چیز (یعنی سزا) لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے۔ ہم ایک لازماً ہو کر رہنے والا معاملہ لے کر آئے ہیں اور ہم بالکل ٹھیک بات کہہ رہے ہیں[24]۔ اس لیے تم راتوں رات اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جاؤ اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلو۔ تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے[25]۔ سیدھے وہیں جاؤ، جہاں کے لیے تمھیں حکم دیا گیا ہے۔''

اسی طرح لوطؑ کو ہم نے اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

شہر کے لوگ خوش خوش آ پہنچے۔ لوطؑ نے کہا: ''یہ میرے مہمان ہیں، اس لیے تم لوگ مجھے رسوا نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔''[26] شہر کے لوگوں نے جواب دیا: ''کیا ہم بار بار تمھیں منع نہیں کر چکے کہ ساری دنیا کے ذمہ دار نہ بنو؟'' اس پر لوطؑ نے کہا کہ ''اگر تم کچھ کرنے ہی پر تلے ہوئے ہو تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں[27]۔''

(اے نبیؐ)، تیری جان کی قسم، (اس وقت) وہ لوگ اپنی مستی میں اندھے ہو گئے تھے۔ چنانچہ دن نکلتے ہی ان کو ہماری ڈانٹ (یعنی سزا) نے آ پکڑا۔ ہم نے اس بستی کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا اور ان لوگوں پر مٹی کے پتھروں کی بارش برسا دی[28]۔

اے لوگو، اس واقعے میں سبق حاصل کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ علاقہ ایک جانی پہچانی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس واقعہ میں ایمان والوں کے لیے بھی بڑی نشانی ہے[29]۔

'اصحاب الایکہ' (یعنی وہ جنگل والے)[30] بھی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے، اس لیے ہم نے ان سے بھی انتقام لیا۔ ان دونوں قوموں کے یہ علاقے کھلی شاہراہ پر واقع ہیں[31]۔

حجر[32] کے لوگوں نے بھی رسولوں[33] کو جھٹلایا۔ جب ہم نے اپنی نشانیاں ان کے پاس بھیجیں تو انھوں نے ان نشانیوں کو نظر انداز کر دیا۔ یہ لوگ اطمینان سے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے[34]۔ آخر کار ایک صبح انھیں ہماری ڈانٹ (یعنی سزا) نے آ پکڑا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ ۵۱-۸۴

[۲۰] یہاں ابراہیمؑ کی سرگزشت سنانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ اپنے رسول کی کس طرح مدد کرتا ہے۔

[۲۱] اس ڈر لگنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کی طرف سے اس طرح کے فرشتے عموماً کسی بستی کو سزا دینے کے لیے بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ ابراہیمؑ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ فرشتے ان کی بستی کو سزا دینے کے لیے نہ بھیجے گئے ہوں۔

[۲۲] ایک بندۂ مومن اپنے رب کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا۔ اگر دنیا میں اس پر تکلیفیں آئیں تو اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ آخرت میں اس کا

اچھا بدلہ اسے دے گا۔

[۲۳] جب ابراہیمؑ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی بستی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے تو انھوں نے فرشتوں سے یہ سوال کیا۔ فرشتوں کے جواب سے یہ بخوبی معلو
ہوتا ہے کہ کسی پیغمبر کا قریب ترین رشتہ دار بھی اگر حق کو جھٹلائے تو اللہ کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

[۲۴] یعنی تمھاری قوم پر اتمام حجت ہو چکا ہے۔ جب کوئی قوم اپنے رسول کی براہ راست دعوت سننے کے باوجود اسے جھٹلائے تو ایسی قوم کے لیے د
میں بھی سزا مقدر کر دی جاتی ہے۔

[۲۵] کسی جگہ سے نکلتے ہوئے اس کی طرف مڑ مڑ کر دیکھنا، اس بات کی علامت ہے کہ اس کے ساتھ اسے لگاؤ ہے۔ رسول کی جس بستی کے لیے اتما
حجت کے بعد سزا کا فیصلہ ہو جائے تو اس کے ساتھ دل کا کوئی لگاؤ رکھنا منع ہونا چاہیے۔

[۲۶] یہ فرشتے آخری اتمام حجت کے لیے خوب صورت نوجوانوں کی شکل میں ان کے پاس آئے تھے، اس لیے شہر کے لوگوں نے لوطؑ کے گھر پر ہلا بول دیا۔

[۲۷] یعنی فطری راستہ وہ ہے، جس کی میں تمھیں تلقین کر رہا ہوں۔

[۲۸] رسولوں کی نافرمان اقوام پر اللہ کی سزا اس طرح آتی ہے کہ ہر گناہ گار کو سزا دی جاتی ہے اور ہر بے گناہ کو بچا لیا جاتا ہے۔ ان نافرمانوں کے نابال
بچوں کے متعلق قرآن مجید نے ہمیں نہیں بتایا کہ کیا وہ لوگ بھی اس سزا کے دوران میں ہلاک ہو جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر ان کو ہلاک کر دیا گیا تھا تو یقیناً ر
قیامت اللہ ان پر نظر کرم فرمائے گا۔

[۲۹] عراق سے مصر جاتے ہوئے اور سرزمین عرب سے شام جاتے ہوئے یہ تباہ شدہ علاقہ راستے میں پڑتا ہے، اس لیے تباہی کے آثار آج بھی موجو
ہیں۔ اہل ایمان کے لیے اس میں رسالت کی حقانیت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ ان واقعات پر غور کرنے سے اور ان واقعات کی روشنی میں حضورؐ کی پوری زند
کی سرگزشت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ حضورؐ اللہ کے سچے رسول تھے۔

[۳۰] اس سے مراد اہل مدین ہیں جن کی طرف شعیبؑ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ 'ایکہ' کے معنی جھاڑی اور جنگل کے ہیں۔ اس شہر کے پاس ایک بڑ
جنگل بھی تھا، اس لیے اس شہر کو 'ایکہ' بھی کہا جاتا ہے۔

[۳۱] یہ علاقہ بھی سرزمین عرب سے فلسطین اور شام جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔

[۳۲] حجر، قوم ثمود کے مرکزی شہر کا نام تھا جس کے اندر صالحؑ کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ یہ جگہ شمالی عرب اور شام کے درمیانی علاقے میں واقع تھی۔

[۳۳] ایک رسول کا انکار دراصل پورے سلسلۂ رسالت کو جھٹلانا ہے، اس لیے یہاں جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔

[۳۴] اس بستی کو سنگ تراشی کے فن میں کمال حاصل تھا۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے، یہ لوگ متکبر بن گئے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ

عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَٱخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّىٓ أَنَا
ٱلنَّذِيرُ ٱلْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ أَنزَلْنَا عَلَى ٱلْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ ٱلَّذِينَ جَعَلُوا۟ ٱلْقُرْءَانَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ
أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَٱصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَٰكَ
ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ ﴿٩٥﴾ ٱلَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ
بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَٱعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ ٱلْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

ہم نے آسمان وزمین اوراس میں موجود سب چیزوں کوایک مقصد کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے[۳۵]۔ بلاشبہ فیصلے کی گھڑی آنے والی ہے[۳۶]۔ اس لیے اے نبیؐ، تم ان منکرین سے خوب صورتی کے ساتھ چشم پوشی کرو[۳۷]۔ یقیناً تمھارا رب سب کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ ہم نے تم کو سات مثانی، یعنی قرآن عظیم عطا کیا ہے[۳۸]۔ تم اس دنیوی مال ومتاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے اور نہ ان کے حال پر دل کڑھاؤ۔ اپنی مہربانی کے بازو اہلِ ایمان پر جھکائے رکھو[۳۹]۔ (انکار کرنے والوں سے) کہہ دو کہ میں تو ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح (کی تنبیہ) ہم نے ان تفرقہ پردازوں کی طرف بھی بھیجی تھی، جنھوں نے اپنے قرآن (یعنی تورات وانجیل) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے[۴۰]۔ اس لیے قسم ہے تیرے رب کی، ہم ان سب سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھیں گے۔

(اے نبیؐ)، جس چیز کا تمھیں حکم دے دیا گیا ہے، اسے علی الاعلان کہہ دو۔ ان مشرکین سے منہ پھیرلو۔ ہم تمھاری طرف سے ان مذاق اڑانے والوں سے نمٹنے کے لیے کافی ہیں[۴۱]۔ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک کرتے ہیں، عنقریب انھیں معلوم ہوجائے گا (کہ رسول کے مقابلے میں یہ سب مخالفین اسی دنیا میں تباہ وبرباد ہوجائیں گے اور رسول کے ساتھیوں کو اس سرزمین پر غلبہ حاصل ہوجائے گا)۔

(اے نبی)، ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ (تمھارے متعلق) بناتے ہیں ان سے تمھارے دل کو دکھ ہوتا ہے۔ (ان باتوں کی کوئی پروا نہ کرو)۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، سجدہ کرنے والوں میں سے بنو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو، یہاں تک کہ وہ یقینی کام ہوجائے[۴۲]۔ ۸۵-۹۹

[۳۵] ہمارے حوالے سے اس پوری کائنات کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے اللہ کو پہچانیں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ باقی رہا یہ سوال کہ اس کائنات کے پیدا کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہے تو اس کا جواب ہمیں اللہ آخرت میں دے گا۔

[۳۶] یعنی جب اس سرزمین عرب میں تمھارے ساتھیوں کے ہاتھوں اسلام کو غلبہ مل جائے گا، یہ واقعہ قیامت تک کے لیے تمھاری رسالت کی دلیل بنے گا۔

[۳۷] یعنی ان منکرین کے غلط الزامات اور طنز کی طرف دھیان مت دو اور اپنا مثبت کام جاری رکھو۔

[۳۸] 'مثانی' جمع ہے 'مثنیٰ' کی۔ مثنیٰ اس چیز کو کہتے ہیں جو دو دو کر کے ہو۔ یہی لفظ سورۂ زمر آیت ۲۳ میں پورے قرآن کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ 'سبع' کے معنی ہیں سات۔ گویا 'سبع من المثانی' کے معنی ہیں جوڑوں کے سات مجموعے۔ قرآن مجید کی ساری سورتیں مضامین کے اعتبار سے جوڑا جوڑا ہیں، مثلاً سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران یا سورۂ ضحیٰ اور سورۂ الم نشرح۔ اسی طرح قرآن مجید میں مشترک مضامین والی سورتوں کے سات مجموعے یا ابواب بن گئے ہیں۔ ہر مجموعے کی ابتدا مکی سورتوں سے ہوتی ہے اور انتہا مدنی سورتوں پر ہوتی ہے۔ ہر باب کے اندر ساری سورتوں کی ترتیب بھی نزولی ہے۔ گویا یہاں حضورؐ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ اللہ نے آپ کو اتنی عظیم نعمت عطا کی ہے جس کی وجہ سے اسلام اور آپؐ کا نام رہتی دنیا تک زندہ اور قائم رہے گا۔

دوسرے مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دہرائی جانے کے لائق ہیں۔" چنانچہ ان مترجمین کے نقطۂ نظر کے مطابق اس سے مراد "سورۂ فاتحہ" ہے۔ لیکن مولانا امین احسن اصلاحی کو اس ترجمے سے اتفاق نہیں ہے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کی آیات سات نہیں، بلکہ چھ ہیں۔ دوسرا یہ کہ 'مثنیٰ' بار بار دہرائی جانے والی چیز کو نہیں کہتے، بلکہ اس چیز کو کہتے ہیں جو دو دو کر کے ہو۔ قرآن مجید میں بھی کئی جگہ 'مثنیٰ' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ یہ لفظ دو دو کے معنی میں آیا ہے، مثلاً سورۂ نساء آیت ۳ اور سورۂ سبا آیت ۴۶۔

دو مرفوع روایات میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ 'سبع من المثانی' سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ اگرچہ یہ روایات صحیح کے درجہ میں نہیں ہیں، تاہم یہ کہنے کا بھی ایک خاص موقع موجود ہے۔ وہ یہ کہ سورۂ فاتحہ کی حیثیت پورے قرآن کے دیباچے کی ہے اور اس میں نہایت خوب صورتی کے ساتھ پورے قرآن مجید کا ایک خلاصہ آ گیا ہے۔ چنانچہ اس پہلو سے سورۂ فاتحہ کو بھی سبع مثانی اور قرآن عظیم کہا جا سکتا ہے۔

[۳۹] یعنی تمھارا اصل کام ان مشرکین کو دعوت دینا اور اہل ایمان کی تربیت ہے۔

[۴۰] اس آیت میں قرآن سے مراد تورات و انجیل ہیں۔ اس لیے کہ اپنے زمانے میں یہی کتابیں ان کے لیے قرآن کی مانند تھیں۔ یہاں تفرقہ پردازوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ چونکہ یہ سورہ مکی دور کے اس زمانے میں نازل ہوئی جب اہل کتاب کو بھی حضورؐ کا پیغام آہستہ آہستہ پہنچ رہا تھا، اس لیے قرآن مجید نے یہاں ان کا بھی تجزیہ کیا ہے۔

[۴۱] حضورؐ کو اللہ کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ جب بھی مشرکین آپ کا مذاق اڑانے لگیں تو آپ اُن کے پاس سے ہٹ جائیں۔

[۴۲] اس مبارک سورہ کی اس آخری آیت میں حضورؐ کو مخالفین کے پروپیگنڈے پر صبر کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ صبر اس طریقے سے حاصل ہوگا کہ آپؐ اپنے رب کی تسبیح کریں، اپنے اہل ایمان ساتھیوں کے ساتھ نماز کا اہتمام کریں اور اپنے رب کی عبادت جاری رکھیں۔ اللہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو بہت جلد اسی دنیا میں غلبہ عطا فرما دے گا اور یہ کام یقینی طور پر ہونا ہے۔

سورۂ نحل مکیّۃ

[۱۶]

نام اور زمانۂ نزول

اس سورہ کی آیت نمبر ۶۸ میں 'نحل' کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ بطور علامت اس سورہ کو "النحل" کہا جاتا ہے۔

اس سورہ کے اندرونی مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ "الحجر" کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ حضورؐ کے مکی دور کا آخری زمانہ تھا اور کچھ ہی عرصے بعد حضورؐ کو مدینہ ہجرت کرنی تھی جہاں یہود کو بھی اسلام کا پیغام پہنچانا تھا، اس لیے اس سورہ میں یہود کو بھی مختصر خطاب کیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے مذہب یہودیت کا کچھ تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

ایاتہا ۱۲۸ # سُوۡرَةُ النَّحۡلِ مَكِّيَّةٌ رکوعا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱﴾ يُنَزِّلُ الۡمَلٰۤئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ
مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰى
يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۴﴾ وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَـ
وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۵﴾ وَلَكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ﴿۶﴾ وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُـ
بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۷﴾ وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡـ
وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصۡدُ السَّبِيۡلِ وَمِنۡهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹﴾

اللہ کے نام سے جو بے حدوحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

(اے مخالفین رسولؐ) اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے، اب تم اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔[۱]

اللہ پاک اور بالا و برتر ہے اُس (شرک) سے، جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، اپنے فرشتو
اپنے حکم کی روح (یعنی وحی) کے ساتھ اس بندے پر نازل فرما دیتا ہے[۲]، تا کہ وہ پیغمبر لوگوں کو آگاہ کر دے کہ میرے (یعنی اللہ) کـ
تمھارا کوئی معبود نہیں ہے، اس لیے تم مجھ ہی سے ڈرو۔ اس اللہ نے زمین و آسمان کو ایک مقصد کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ بلند و برتر ہـ
شرک سے، جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اسی اللہ نے انسان کو ایک بوند سے پیدا کیا اور یہ انسان ایک کھلا ہوا جھگڑالو بشر بن گیا[۳]۔ اسی اللہ نے جانور پیدا کیے، جن میں تمھا
لیے پوشاک بھی ہے، خوراک بھی ہے اور ان سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ ان جانوروں کے اندر تمھارے لیے ایک شان بھی
جب کہ تم ان کو شام کو گھر واپس لاتے ہو اور صبح ان کو چرنے کے لیے بھیجتے ہو۔ وہ تمھارے بوجھ اور ساز و سامان ایسی جگہوں تک پہنچا

اں جہاں تم شدید مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک، تمھارا رب محبت کرنے والا اور مہربان ہے۔ اسی نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے، تاکہ تم ان پر سوار ہو اور یہ جانور تمھارے لیے زیب وزینت بھی ہیں۔ اللہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کا تمھیں کوئی علم نہیں ہے۔ سیدھا راستہ بتانا اللہ کے ذمے ہے، جبکہ ٹیڑھے راستے بھی موجود ہیں[۴]۔ (اللہ نے تمھیں اختیار دیا ہے، ورنہ) اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ ۱-۹

[۱] اس سورہ کی ابتدا اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑی بات کی صورت میں کی گئی یعنی یہ کہ اللہ کا یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ اس رسول کو غلبہ حاصل ہوگا اور اس رسول کے مخالفین ختم کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ حضورؐ کے مخالفین سے یہ بات کہی گئی کہ تم فیصلے کے لیے جلدی نہ مچاؤ، اس لیے کہ فیصلہ تمھارے خلاف ہو چکا ہے۔

یہ اللہ کا وہی فیصلہ ہے جس کے تحت وہ رسول کے ساتھیوں کو غلبہ عطا کرتا ہے اور رسول کے براہ راست دشمنوں کو نیست ونابود کر دیتا ہے۔

[۲] یہاں 'الروح' سے مراد وحی ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی زندگی روح کی وجہ سے ہے، اسی طرح رسالت کی زندگی اللہ کی وحی کی وجہ سے ہے۔ اس لیے پیغمبر پر نازل کی گئی وحی کو بھی 'الروح' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

[۳] یعنی اللہ نے انسان کو بحث واستدلال کی ایسی قوت بخشی ہے جس کی وجہ سے یہ ہر معاملے میں دوسروں سے اختلاف کر سکتا ہے۔

[۴] اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن لوگوں تک دین کا پیغام سرے سے پہنچا ہی نہیں یا اپنی پوری شکل میں نہیں پہنچا، پروردگار ان کے ضمیر میں ان کو بتائی گئی اچھائی اور برائی کی تمیز کے حوالے سے، ان سے حساب لے گا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ
وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا
ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ
لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾
وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا

نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

اسی اللہ نے تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے تمھارے جانوروں کے لیے چارا بھی پیدا ہوتا ہے۔ اسی پانی سے اللہ تمھارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ بے شک، اس کے اندر بہت بڑی نشانی ہے غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے[۵]۔ اسی اللہ نے رات اور دن، سورج اور چاند کو تمھاری نفع رسانی میں لگا رکھا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم سے نفع رسانی میں لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً عقل سے کام لینے والوں کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں[۶]۔ اللہ نے زمین میں تمھارے لیے یہ رنگ برنگی چیزیں پھیلائی ہیں۔ ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔

وہی اللہ ہے جس نے سمندر کو (تمھاری) نفع رسانی میں لگا رکھا ہے، تاکہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں (یعنی موتی) نکالو جنھیں تم پہنتے ہو[۷]۔ تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ سمندر کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔ اسی اللہ نے زمین میں پہاڑ ڈال دیے، تاکہ زمین تمھیں لے کر جھک نہ پڑے۔ (اسی اللہ نے) نہریں (جاری کر دیں) اور قدرتی راستے (بنائے)، تاکہ تمھیں راہ معلوم ہو۔ اسی طرح دوسری علامتیں بھی ہیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ تو کیا وہ (اللہ) جو سب چیزوں کو تخلیق کرتا ہے اور جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کر سکتے، دونوں یکساں ہیں؟ کیا تم سوچتے نہیں؟ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کو پوری طرح نہ جان سکو گے۔ بے شک، اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ جو کچھ تم چھپاتے ہو، اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، اسے بھی وہ جانتا ہے۔

یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں وہ کسی بھی چیز کی خالق نہیں ہیں، بلکہ خود مخلوق ہیں۔ (یہ ہستیاں) مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان ہستیوں کو خود بھی معلوم نہیں ہے کہ انھیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا[۸]۔ ۱۰-۲۱

[۵] قرآن مجید ہر جگہ انسان کو غور و فکر کرنے کے لیے ابھارتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ دین بغیر سوچے سمجھے کچھ باتوں کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا نام ہے۔

[۶] قرآن مجید ہر جگہ ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہم عقل سے کام لیں۔

[۷] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زینت کی تمام چیزیں جائز ہیں، بشرطیکہ ان میں تکبر، اسراف اور بے حیائی نہ ہو۔

[۸] یہاں ان گزرے ہوئے انسانوں کا بیان ہے جنھیں لوگ ان کے مرنے کے بعد پوجتے ہیں یا ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہمیں بتایا

ہے کہ موت کے بعد ہر انسان اپنے پروردگار کے ہاں پہنچ جاتا ہے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ
قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ
السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ
شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَى
الْكَافِرِيْنَ ﴿٢٧﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰى
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٩﴾

(اے انسانو)، تمھارا معبود ایک وہی اللہ ہے۔ مگر جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لانا چاہتے ان کے دلوں میں انکار بس کر رہ گیا ہے اور وہ تکبر میں پڑ گئے ہیں[9]۔ یقیناً ان کے چھپے اور کھلے، سب اعمال اللہ کو معلوم ہیں۔ اللہ تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ جب ان منکرینِ حق سے پوچھا جاتا ہے کہ تمھارے رب نے یہ کیا چیز (اس پیغمبر پر) نازل کی ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ”یہ تو اگلے وقتوں کی بے کار کہانیاں ہیں[10]۔“ تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی پورے اٹھائیں اور اِن لوگوں کے بوجھ میں سے بھی حصہ بٹائیں جن کو یہ بغیر کسی علم کے گمراہ کر رہے ہیں[11]۔ جان لو کہ نہایت ہی برا ہوگا وہ بوجھ جو یہ لوگ اٹھائیں گے۔

ان مشرکین سے پہلے بھی (پیغمبروں کی براہ راست منکر) اقوام ایسی ہی چالیں چل چکی ہیں، مگر اللہ نے ان کی عمارت بنیاد سے اکھیڑ پھینکی، اس کی چھت اوپر سے ان کے سر پر آن پڑی اور ایسے رخ سے ان پر سزا آئی جس طرف سے اس سزا کے آنے کا ان کو کوئی گمان نہ تھا۔ (اس دنیوی سزا کے بعد) قیامت کے دن بھی اللہ انھیں رسوا کرے گا اور (ان سے) پوچھے گا: ”بتاؤ، اب کہاں ہیں

میرے وہ شریک جن کی حمایت میں تم لڑتے تھے۔'' [12]

جن لوگوں کو (دنیا میں) 'العلم' (یعنی اللہ کی کتابوں کا علم) عطا ہوا تھا وہ پکار اٹھیں گے: ''آج رسوائی اور بدبختی ہے ان منکرینِ حق کے لیے''۔ یہ منکرین حق جن کو فرشتے اس حال میں وفات دیں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہوں گے تو اس وقت وہ اپنے آپ کو فرشتوں کے حوالے کرتے ہوئے کہیں گے کہ ''ہم تو کوئی برائی نہیں کر رہے تھے۔'' [13] ہاں، بے شک اللہ اچھی طرح باخبر ہے تمھارے کرتوتوں سے۔ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، یہیں اب تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔ پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے، ان متکبرین کے لیے [14] ۲۲-۲۹

[۹] آخرت پر ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنے تکبر، عیاشیوں اور نفسانی خواہشات کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا اور ان کا حساب کتاب بھی نہیں دینا چاہتا۔

[۱۰] قرآن مجید میں رسولوں کی سابقہ نافرمان اقوام کے قصے اس لیے بیان ہوئے ہیں کہ سب لوگوں کو علم ہو جائے کہ جب کسی قوم میں رسول آجاتا ہے تو اس قوم کے سامنے صرف دو راستے ہوتے ہیں۔ یا وہ اپنے رسول کی بات مان کر دنیا میں بھی اپنے آپ کو محفوظ کر لے اور آخرت کا اجر بھی پا لے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ رسول کا انکار کر دے۔ اس صورت میں آخرت کی سزا سے پہلے دنیا میں بھی اس کو لازماً سزا دی جائے گی۔ جو لوگ ان داستانوں میں موجود اس بہت بڑی بات کی طرف توجہ نہیں دینا چاہتے، وہ یہی کہتے ہیں کہ یہ تو بس پرانے وقتوں کے قصے ہیں جن میں ہمارے لیے کوئی سبق پوشیدہ نہیں ہے۔ آج بھی جو انسان ان داستانوں میں موجود اس سبق کی طرف توجہ کیے بغیر ان کو پڑھتا ہے تو اس کے دل میں بھی یہ خیال آتا ہے کہ قرآن بار بار ان داستانوں کا ذکر کیوں کر رہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم ان داستانوں کی روشنی میں حضوؐر کی پوری جدوجہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کی یہ دھمکی سرزمین عرب کے منکرین کے لیے اسی طرح لفظ بہ لفظ پوری ہوئی جس طرح یہ دھمکی قوم نوحؑ، قوم عادؑ، قوم ثمود اور دوسری اقوام کے لیے پوری ہوئی تھی۔ درحقیقت رسالت محمدی کا سب سے بڑا ثبوت پچھلے پیغمبروں کی یہی داستانیں ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید بار بار ان کا تذکرہ کرتا ہے۔

[۱۱] 'العلم' سے مراد اس وحی کا علم اور اس پر یقین ہے جو اللہ کے پیغمبروں پر نازل ہوئی۔ چنانچہ جو بھی انسان اس 'العلم' کے بغیر توحید، رسالت اور آخرت کے متعلق کچھ کہتا ہے، وہ دراصل اپنے لیے اور دوسرے انسانوں کے لیے گمراہی کا سامان تیار کر رہا ہے۔

[۱۲] گویا پیغمبر کے براہ راست منکر گروہوں کو پہلے دنیا میں سزا دی جاتی ہے اور اس کے بعد آخرت میں بھی ان کو سزا دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سزا، جزا اور آزمائش تینوں معاملات کرتے ہیں، البتہ یہ بات کہ کون سا معاملہ سزا و جزا کا ہے اور کون سا آزمائش کا، اس کا تعین آخرت میں ہوگا۔

[۱۳] یہ منکرین حق کی موت کے وقت کا حال ہے۔ یہ بات بھی امور متشابہات میں شامل ہے جس کی صحیح کیفیت سے ہم واقف نہیں ہو سکتے۔

[۱۴] قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے ہمارے سامنے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول کے براہ راست مخالفین کو موت کے فوراً بعد قیامت کے دن تک عالم برزخ میں اس طرح سزا دی جاتی ہے کہ مسلسل ان کو آخری ٹھکانا یعنی جہنم دکھایا جاتا ہے۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ

خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ

كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا

وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٤﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ

نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ

هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٣٧﴾

(اس کے برعکس) جب تقویٰ والوں سے یہ بات پوچھی جاتی ہے کہ یہ کیا چیز ہے جو تمھارے رب کی طرف سے نازل ہو رہی ہے[15] تو وہ جواب دیتے ہیں: ''بہت بہترین بات اتر رہی ہے۔''[16] جن لوگوں نے بھلائی کی راہ اختیار کی، ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے[17] اور آخرت کا گھر تو اس سے بھی کہیں بہتر ہے۔ کیا ہی خوب ہے پرہیزگاروں کا گھر (یعنی) ہمیشہ کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے۔ ان میں نہریں بہ رہی ہوں گی اور ان میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اللہ متقیوں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔ جب فرشتے ان متقین کی روحیں پاکیزہ حالت میں قبض کرتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں: ''آپ پر سلامتی ہو، آپ اپنے اعمال کے صلے میں جنت میں داخل ہو جائیے۔''[18]

اے نبیؐ، یہ منکرینِ حق تو اب بس اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا فیصلہ صادر ہو جائے[19] یہی

رویہ ان سے پہلے (پیغمبروں کی نافرمان) اقوام نے بھی اختیار کی تھی۔ پھر جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ ان پر اللہ کا ظلم نہ تھا، بلکہ یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ان کو اپنے کیے ہوئے کاموں کی سزا پہنچی اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے تھے، اسی سزا نے ان کو گھیر لیا۔ یہ مشرکین کہتے ہیں: "اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباواجداد اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے اور اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام نہ ٹھہراتے۔"[20] ایسے ہی بہانے ان سے پہلے کے لوگ بھی بناتے رہے ہیں۔ (ان بہانوں کے جواب میں) رسولوں پر صاف صاف (اللہ کا پیغام) پہنچا دینے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہم نے ہر امت میں ایک رسول اس دعوت کے ساتھ بھیجا: "اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت[21] (کی بندگی) سے بچو۔" (اس کے بعد) ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کچھ لوگوں پر گمراہی مسلط ہو کر رہی۔ (ان منکرینِ حق سے کہو کہ) اس سرزمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ رسولوں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔[22]

(اے نبیؐ)، تم ان منکرینِ حق کی ہدایت کے لیے بہت حریص ہو،[23] مگر اللہ (اپنے قانون کے مطابق) جس کو بھٹکا دیتا ہے پھر اسے ہدایت نہیں دیا کرتا[24] اور اس طرح کے لوگوں کا کوئی بھی مددگار نہیں بن سکتا۔ ۳۰-۳۷

[۱۵] اہل تقویٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق، دونوں کا پورا پورا خیال رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو ہر صحیح بات کو پورے عقل وشعور کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔

[۱۶] یعنی اللہ نے قرآن مجید میں ہمارے سامنے پچھلی قوموں کی جو داستان بیان کی ہے، اس میں اللہ کی طرف سے ہمارے لیے بہترین سبق ہے اور اس کی روشنی میں غور کرتے ہوئے ہمیں یہ واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ محمدؐ اللہ کے سچے نبیؐ اور رسول ہیں۔ پس یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔

[۱۷] سارے اہل ایمان کے لیے دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ ان کو اپنے عقیدے اور عمل کی وجہ سے دنیا میں بہت ذہنی سکون واطمینان ملتا ہے۔ ان کو ہر وقت یہ توقع ہوتی ہے کہ ہماری آخرت بہت بہتر ہوگی۔

[۱۸] یہ باتیں موت کے وقت بھی ہوتی ہیں، اس لیے یہ بھی امور متشابہات میں داخل ہیں۔

[۱۹] ان آیات کے نزول کے وقت محمدؐ کو مکہ میں مشرکین کو دعوت دیتے ہوئے کئی برس ہو چکے تھے۔ اس لیے قرآن نے درج بالا بات کہی۔

[۲۰] ہر زمانے کے بدقماش اور بدعنوان لوگ اپنے غلط کاموں کے لیے تقدیر کو بہانہ بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں یوں لکھا تھا، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ پروردگار انسانوں سے ان کی زندگی کے صرف ان معاملات میں حساب لے گا جن میں پروردگار نے ان کو اپنا راستہ خود منتخب کرنے کی آزادی دی ہوتی ہے۔ جن چیزوں میں اللہ نے انسان کو مجبور پیدا کیا ہے، ان چیزوں اور ان کے نتائج سے متعلق اللہ کسی کو سزا نہیں دے گا۔

[۲۱] 'طغی' کے معنی سرکشی، تکبر اور بغاوت کے ہیں۔ گویا طاغوت کا مطلب ہے جنات یا انسانوں میں سے وہ لوگ جو سراپا سرکش، باغی اور متکبر ہوں۔ ابلیس کا نام جس طرح شیطان ہے، اسی طرح طاغوت ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب قیامت تک تمام انسانوں کے لیے محمدؐ ہی آخری رسول ہیں

[۲۲] وہ انجام یہ ہے کہ رسولؐ کے مخاطبین کو اس دنیا میں بھی سخت سزا دی گئی ہے۔

[۲۳] حضورؐ ہر وقت تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے دعا مانگا کرتے تھے، چنانچہ آپؐ کی اس خواہش کو قرآن مجید نے انتہائی پیار بھرے لہجے میں حرص قرار دیا۔

[۲۴] وہ قانون یہ ہے کہ جب انسان اپنی ضد، سرکشی اور خواہشات نفسانی کی وجہ سے گمراہی کے راستے پر چلنا چاہے تو اللہ اس کے لیے وہی راستہ آسان کر دیتا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا
قَوْلُنَا لِشَىْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا
وقف لازم لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا
النصف تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

(اے نبیؐ)، یہ (مشرکین) اللہ کے نام سے پکی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو انسان مر جاتا ہے، اللہ اس کو ہر گز دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔[25] (ان کی یہ بات بالکل غلط ہے) اٹھائے گا کیوں نہیں یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ (قیامت کا آنا) اس لیے ضروری ہے کہ یہ لوگ جس چیز کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں، اس (کی حقیقت) کو (ان پر) واضح کر دے اور حق کا انکار کرنے والے جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔[26] جب ہم کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ "ہو جا" اور وہ کام ہو جاتا ہے۔[27]

(اے نبیؐ)، جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کر گئے، ان کو ہم دنیا میں بھی اچھی طرح کامیاب کریں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔[28] کاش، یہ لوگ اس بات سے واقف ہوتے۔ (یہ وہ مظلوم ہیں) جنھوں نے صبر کیا ہے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔

(اے نبیؐ)، ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔'اھل الذ کر'(یعنی تورات
وانجیل کے حقیقی علما) سے پوچھ لو، اگر تم لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے[29] پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجا
تھا۔اور اب یہ'الذ کر'(یعنی قرآن مجید) تم پر نازل کیا گیا ہے، تا کہ لوگوں کے سامنے اس بات کو اچھی طرح واضح کر دو[30] جو ان کے لیے
اتاری گئی ہے، تا کہ یہ لوگ (اس پر) غور وفکر کریں۔۳۸-۴۴

[۲۵] مشرکین عرب میں سے بے شمار لوگ ایسے بھی تھے جن کا کہنا یہ تھا کہ زندگی صرف یہی دنیا کی ہے اور کسی آخرت کا وجود نہیں ہے۔

[۲۶] گویا آخرت اس لیے ضروری ہے کہ حق کو قبول کرنے والے انسانوں اور حق کو قبول نہ کرنے والے انسانوں کے درمیان فرق کو نمایاں کر دیا جائے۔

[۲۷] یعنی یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کرلے اور وہ چیز وجود میں نہ آئے۔البتہ یہ بات بھی قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے واضح ہوتی ہے کہ ہر چیز ایک ارتقائی عمل کے ذریعے سے یعنی تدریج کے ساتھ عمل میں آتی ہے۔

[۲۸] یہ ان مہاجرین کا بیان ہے جو کفار کے ناقابل برداشت مظالم سے تنگ آکر حضورؐ کے مشورے کے مطابق مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ان اہل ایمان کے بارے میں قرآن مجید نے بالکل واضح طور پر یہ وعدہ اور پیشین گوئی کر دی کہ ایک وقت آئے گا جب یہی مہاجرین حبشہ اس سرزمین میں غالب حیثیت میں زندگی بسر کریں گے۔اس وقت ان مہاجرین کی حالت کو دیکھ کر یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ان کو اس دنیا میں بھی کامیابی ملے گی، مگر قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

[۲۹] جس طرح قرآن مجید کا ایک نام'الذ کر' ہے، اسی طرح تورات وانجیل کا بھی یہی نام ہے۔'الذ کر' کے معنی ہیں یاد دہانی کرنے والی کتاب۔ یہاں'اھل الذ کر' سے مراد تورات وانجیل کے حقیقی علما ہیں۔

[۳۰] گویا حضورؐ کی اصل ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اپنے مخاطبین میں سے ہر انسان کو دین کا پیغام اچھی طرح وضاحت کے ساتھ پہنچادیں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ
يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّ
لِلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ

يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ۤ السجدة وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ

اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ

اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

یہ (مشرکینِ قریش) جو (حضورؐ کی مخالفت میں) بدترین چالیں چل رہے ہیں، کیا اس بات سے بالکل ہی بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر سزا اس طرف سے آجائے، جہاں سے سزا کے آنے کا ان کو وہم و گمان تک نہ ہو، یا پھر ان کو چلتے پھرتے اچانک پکڑ لے یا پھر ایسی حالت میں انھیں آ پکڑے، جبکہ انھیں خود بھی آنے والی مصیبت کا اندیشہ لاحق ہو اور وہ اس سے بچنے کی فکر میں چوکنے ہوں وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے یہ لوگ اس کو عاجز کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (اِس وقت اللہ ان مشرکین کو مہلت دے رہا ہے، کیونکہ) حقیقت یہ ہے کہ تمھارا پروردگار بڑا ہی محبت کرنے والا اور رحیم ہے۔[31]

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، اس کا سایہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں گرتا ہے۔ سب کے سب اسی طرح عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں۔[32] آسمان و زمین میں ساری جان دار مخلوقات اور ملائکہ اللہ کے آگے سربسجود ہیں۔ وہ ہرگز سرکشی نہیں کرتے۔ وہ اپنے سے بالاتر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو حکم ان کو دیا جاتا ہے، اسی کے مطابق کام کرتے ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے: ''دو معبود نہ بناؤ۔ اللہ بس ایک ہی ہے، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو۔''[33] زمین و آسمان میں سب کچھ اسی کا ہے۔ اسی کی اطاعت ہمیشہ لازم ہے تو پھر اے لوگو، تم اللہ کے علاوہ دوسروں سے کیوں ڈرتے ہو۔ ۴۵-۵۲

[۳۱] یہ انھی دنیوی سزاؤں کا بیان ہے، جو رسول کی براہ راست مخاطب اقوام پر رسول کی نافرمانی کے نتیجے کے طور پر نازل ہوتی ہیں۔

[۳۲] سارے قوانین فطرت اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کے اسی قانون کی پیروی کر رہی ہے۔ اس پیروی کرنے کو قرآن سجدہ کرنے سے تعبیر کرتا ہے۔

[۳۳] یعنی جس طرح ساری کائنات اللہ کے قوانین اور اس کے حکم کے مطابق چل رہی ہے، اسی طرح انسانوں کے لیے پروردگار کا حکم یہ ہے کہ لوگ صرف اسی کی عبادت کریں۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا

فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ

الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا

يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

اے لوگو، تمھیں جتنی نعمتیں بھی حاصل ہیں یہ سب کی سب اللہ کی طرف ہیں۔ پھر جب تمھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی اللہ سے فریاد کرتے ہو۔ پھر جب اللہ تم پر سے اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے شریک ٹھہرانے لگتا ہے، تاکہ اللہ کے احسان کی ناشکری کرے۔ چلو چند روزہ عیش کر لو، عنقریب تمھیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔

جن (چیزوں کی حقیقت) کے بارے میں ان (مشرکین) کو کوئی علم نہیں ہے، ہمارے ہی دیے ہوئے رزق میں سے ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں۔ (اے مشرکو،) اللہ کی قسم، تم سے ضرور پوچھا جائے گا کہ یہ جھوٹ تم نے کیسے گھڑ لیے تھے۔[۳۴]

یہ مشرکین اللہ کی بیٹیاں بناتے ہیں۔ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ اور یہ مشرکین اپنے لیے ان چیزوں کی خواہش کرتے ہیں جو یہ خود چاہیں (یعنی بیٹے)۔[۳۵] جب ان مشرکین میں سے کسی کو بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ بے حال ہو جاتا ہے۔ وہ اس بری خبر پر لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ (سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو (اپنے پاس) رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے۔ افسوس، یہ لوگ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں۔[۳۶] یہ بری مثال ان لوگوں کی ہے جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ اللہ کے لیے ساری اچھی اور اعلیٰ صفتیں ہیں۔ وہی (سب پر) غالب اور دانائی میں کامل ہے۔ ۵۳-۶۰

[۳۴] مشرکین عام طور پر اپنے دیوی دیوتاؤں کے لیے اپنی کمائی میں سے ایک مقرر حصہ الگ کر کے نکالتے ہیں۔ حالانکہ اس کے لیے اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔

[۳۵] سرزمین عرب میں کئی قسم کے مشرکین موجود تھے۔ بہت سارے مشرک قبیلے ایسے بھی تھے جو صرف دیویوں کو پوجتے تھے۔ ان کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اس پر قرآن مجید نے یہ تبصرہ کیا کہ یہ بات کتنی باعث حیرت ہے کہ اپنے لیے تو یہ زیادہ سے زیادہ بیٹے مانگتے ہیں اور اللہ کے

بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ شرکیہ عقائد عام عقل وفہم سے بھی کتنے دور ہیں۔

[۳۶] چونکہ دیویوں کے حوالے سے مشرکین پر تنقید کے ضمن میں بیٹیوں کی بحث بھی آگئی، اس لیے قرآن نے ضروری سمجھا کہ مشرکین کو یہ بتادیا جائے کہ وہ اپنی بیٹیوں سے کتنا برا سلوک کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان مردوں اور عورتوں میں مساوات رکھی ہے، البتہ بحیثیت صنف ان میں جو فرق ہے، اس کے مطابق ان کی بعض ذمہ داریاں اور حقوق ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن ان ذمہ داریوں اور حقوق کو بھی آپس میں بالکل متوازن بنادیا گیا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ
اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ
الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ
قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾

اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر فوراً ہی پکڑتا تو زمین پر کسی جان دار کو زندہ نہ چھوڑتا، لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو کوئی بھی اس وقت سے ایک لمحہ بھر آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔[۳۷]

(اے نبیؐ،) یہ مشرکین اللہ کے لیے وہ چیزیں تجویز کررہے ہیں جو خود اپنے لیے انھیں ناپسند ہیں۔ ان کی زبانیں (یہ) جھوٹ بھی بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے اچھا انجام ہوگا۔[۳۸] (ایسا بالکل نہیں ہے،) بلکہ ان کے لیے لازماً دوزخ کی آگ ہے اور وہ اسی میں پڑے چھوڑ دیے جائیں گے۔

(اے نبیؐ)، اللہ کی قسم تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں جب ہم نے رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے برے عمل ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا کر دکھائے۔ (آج بھی) وہی شیطان ان مشرکین کا (سرپرست اور) ساتھی بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ دردناک سزا کے مستحق ہیں۔[۳۹]

اے نبیؐ، ہم نے تم پر یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ تم ان لوگوں پر اس چیز کو اچھی طرح واضح کردو جن میں یہ ایک دوسرے سے اختلاف کررہے ہیں۔[۴۰] اہلِ ایمان کے لیے یہ (قرآن) رہنمائی اور رحمت (بن کر اترا) ہے۔[۴۱] ۶۱-۶۴

[۳۷] اس دنیا میں ہر فرد اور قوم سے ظلم سرزد ہوتا رہتا ہے، لیکن پروردگار ہمیشہ لوگوں کو مہلت دیتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم شرک اور رسول کی موجودگی میں
اس کی مخالفت ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں کو دنیا میں کچھ عرصے کے لیے مہلت دی جاتی ہے اور پھر ان کو دنیا میں بھی بہت جلد سزا دے دی جاتی ہے۔ اس
میں تکبر یعنی انسانوں کو اونچے اور کم تر طبقات میں تقسیم کرنا، بے انصافی، بددیانتی اور خیانت بھی بہت بڑے ظلم ہیں۔ چنانچہ جو قوم ان معاملات میں نسبتاً
ہوتی ہے، اس کو پروردگار اس دنیا میں زیادہ عرصہ عزت کے ساتھ جینے کی مہلت دیتا ہے اور جو قوم ان معاملات میں جتنی زیادہ کمزور ہوتی ہے، اتنی ہی اس کی
عزت کے ساتھ جینے کی مہلت کم کر دی جاتی ہے۔

[۳۸] کچھ مشرکین آخرت پر یقین رکھتے تھے، لیکن وہ کہتے تھے کہ ہم پروردگار کی مقرر کی ہوئی تقدیر کی وجہ سے شرک اور برے اعمال کر رہے ہیں، اس
لیے آخرت میں ہمارا اچھا انجام ہوگا۔

[۳۹] یعنی ان کی طرف سے تقدیر کا یہ بہانہ بالکل غلط ہے۔ یہ شیطان کی سکھائی ہوئی ایک چال ہے جس کے ذریعے سے یہ لوگ اپنے غلط کاموں کو جائز
قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی یہ کوشش ناکام و نامراد ہوگی۔

[۴۰] مشرکین کے اندر کئی گروہ ایک دوسرے سے بہت سے عقائد اور معاملات میں اختلاف کرتے تھے۔ اس زمانے میں ایک اللہ کی عبادت کرنے
والے ایسے لوگوں کا گروہ بھی موجود تھا جن کو 'حنفا' کہا جاتا تھا۔ یہ قرآن مجید اس لیے نازل ہوا کہ صحیح عقیدہ و عمل اس زمانے کے مشرکین کو بھی سمجھائے
قیامت تک کے تمام انسانوں کے سامنے بھی صحیح عقیدہ و عمل کا راستہ کھول دے۔

[۴۱] یعنی جو اہل ایمان اس قرآن پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں، یہ ان کی زندگیوں کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت
جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ اَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَاِنَّ
لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُّسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾
ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِ
شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُ
اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْ

فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا اور اس زمین کے خشک ہو جانے کے بعد اس پانی کے ذریعے سے اس کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے جو بات کو (غور سے) سنتے ہیں۔

بے شک، تمھارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے۔ ہم ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ تم کو پلاتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے نہایت خوش گوار ہے۔

کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم ایک چیز تمھیں پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔

تمھارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی [۴۲] کہ پہاڑوں، درختوں اور چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بناؤ۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوسو اور اپنے پروردگار کے ہموار راستوں پر چلو۔ اس کے پیٹ سے ایک مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے [۴۳]۔

بے شک، (شہد کی مکھی کے) اس (سارے کام) میں بھی ایک بڑی نشانی ہے، ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں [۴۴]۔

اے انسانو، اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور پھر وہی تم کو وفات دیتا ہے۔ تم میں سے کسی کو ''ارذل العمر'' (یعنی بدترین عمر) تک لوٹا دیا جاتا ہے کہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے [۴۵]۔ بے شک، اللہ ہی (کامل) علم اور (کامل) قدرت والا ہے۔

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملے میں برتری دے رکھی ہے۔ یہ برتری والے اپنا رزق (اس طرح) اپنے مملوکوں کو نہیں دیتے کہ دونوں اس میں برابر ہو جائیں۔ تو پھر یہ لوگ اللہ (کے ساتھ شرک کر کے اس) کے فضل کا انکار کیوں کرتے ہیں [۴۶]۔ ۶۵-۷۱

[۴۲] یہاں وحی سے مراد ہر مخلوق کی جبلت (Instinct) ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا کام اس دنیا میں ایک خاص طریقے سے انجام دیتی ہے۔

[۴۳] شہد نہ صرف ایک مفید اور لذیذ غذا ہے، بلکہ کئی امراض کا علاج بھی ہے۔

[۴۴] اوپر کی آیات میں اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھانے والوں کی تین صفات بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کھلے کانوں سے صحیح بات کو سنتے اور قبول کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ عقل سے کام لیتے ہیں اور سوچنے سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ تیسری یہ کہ وہ اس دنیا اور کائنات میں تفکر و تدبر کرتے ہیں اور حقائق تک پہنچنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ یہی صفات انسانیت کی اصل بنیاد ہیں اور انھی کی وجہ سے انسان روحانی خوشی اور سائنسی علم کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے۔

[۴۵] اس بیماری کو طبی اصطلاح میں (dementia) کہا جاتا ہے جس کا کوئی علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوا۔

[۴٦] یعنی جب اس چھوٹی سی دنیا میں تم رزق اور باقی بے شمار معاملات میں مرتبے کا فرق کرتے ہو تو تمھیں یہ سوچنا اور سمجھنا چاہیے کہ اللہ کا مرتبہ تو سب سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ پھر تم اس کے شریک کیسے ٹھہراتے ہو۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ
اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا
مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ
مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ
اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ
وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷٦﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ
اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

اللہ ہی نے تمھارے لیے تمھارے ہم جنس جوڑے بنائے اور اسی اللہ نے ان جوڑوں سے تمھیں بیٹے اور پوتے عطا کیے۔ اسی اللہ نے تمھیں پاکیزہ رزق عطا کیا۔ کیا (اس کے باوجود اب بھی) یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں، اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ اور اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کے لیے آسمان سے کسی رزق پر اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین سے۔ وہ اس کی طاقت ہی نہیں رکھتیں۔ پس اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔[۴۷] بے شک اللہ جانتا ہے، جبکہ تم نہیں جانتے۔

اللہ تمھیں ایک مثال کے ذریعے سے سمجھاتا ہے۔ ایک طرف ایک مملوک ہے جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے جسے ہم نے اپنی جانب سے اچھا رزق عطا کیا ہے اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا رہتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟[۴۸] (جب یہ دونوں خود تمھاری نظر میں برابر نہیں ہیں تو تم نے اللہ کی مخلوق کو اللہ کے برابر کیسے قرار دیا)۔ سارا شکر اور ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن ان مشرکین کی ایک بڑی تعداد (اس حقیقت کو) نہیں جانتی۔

اسی طرح اللہ دو آدمیوں کی مثال بیان کرتا ہے۔ جن میں سے ایک گونگا بہرا ہے، کوئی کام کرنے پر قادر نہیں ہے اور اپنے آقا پر ایک بوجھ بنا ہوا ہے۔ جہاں کہیں بھی اس کو بھیجتا ہے وہ کوئی بھی کام درست طریقے سے نہیں کر سکتا۔ (اس کے بالمقابل ایک دوسرا شخص ہے) جو دوسروں کو بھی انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود بھی ایک سیدھے راستے پر ہے۔ (بتاؤ،) کیا یہ دونوں مساوی ہو سکتے ہیں؟ [۴۹]

زمین و آسمان کے پوشیدہ حقائق اللہ ہی کے لیے ہیں۔ قیامت کے برپا ہونے کا معاملہ بس آنکھ جھپکنے کی طرح، بلکہ اس سے بھی کم وقت میں ہوگا۔ بے شک، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۷۶-۷۷

[۴۷] یعنی اس کو دنیوی بادشاہوں پر قیاس نہ کرو کہ جس طرح ان کے وزیروں کے بغیر کوئی عام انسان ان بادشاہوں تک اپنی درخواست نہیں پہنچا سکتا، اسی طرح اللہ کے حضور بھی اس کے وزیروں اور مصاحبوں کو خوش کیے بغیر اس کے ہاں کوئی درخواست نہیں پہنچ سکتی۔

[۴۸] یعنی اگر تم چھوٹی سی دنیا میں اس فرق کو سمجھتے ہو تو پھر اللہ اور اس کے بندوں کو کیسے یکساں کر دیتے ہو۔

[۴۹] اس مثال میں دوسرا شخص دراصل ایک ایسا حاکم ہے جو خود بھی صحیح عمل کرتا ہے اور اپنی مملکت میں بھی انصاف کا حکم دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسے حاکم کے درجے اور اس کے مقابلے میں ایک گونگے بہرے اور ذہنی طور پر پس ماندہ انسان کے حقوق و فرائض میں واضح فرق کو ہر انسان جانتا ہے۔ جب ایک انسان اس دنیا کی زندگی میں اس فرق کو جانتا ہے تو پھر وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو کس طرح شریک ٹھہرا سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

اللہ نے تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور پھر اسی نے تمھیں کان، آنکھیں اور دل

دیے تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو۔ کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو آسمان کی فضا میں مسخر نہیں دیکھا؟ ان کو بس اللہ ہی تھامے ہوئے ہوتا ہے۔ یقیناً ان میں بھی ایمان والوں کے لیے نشانیاں موجود ہیں۔

اللہ ہی نے تمھارے لیے تمھارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا۔ اسی نے تمھارے لیے چوپایوں کی کھال سے گھر (یعنی خیمے) بنائے جنھیں تم سفر اور قیام، (دونوں صورتوں) میں ہلکا پاتے ہو۔ اسی اللہ نے ان جانوروں کی اون، ان کی روئیں اور ان کے بالوں سے تمھارے لیے گھریلو سامان اور ایک وقت تک (کام آنے والی) استعمال کی بہت سی چیزیں بنائیں۔

اسی اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے تمھارے لیے سایے کا انتظام کیا، تمھارے لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں، تمھیں گرمی سے بچانے والے لباس بخشے اور ایسے لباس بھی جو جنگ کے دوران میں تمھیں محفوظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے، تاکہ تم اس کے فرماں بردار بنو۔[۵۰]

(اے نبیؐ، اللہ کے اتنے زیادہ احسانات کے بعد بھی) اگر یہ لوگ (اس پیغام سے) منہ موڑتے ہیں تو تم پر صرف صاف صاف (حق کا پیغام) پہنچا دینے ہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ حق کا انکار کرنے والے اللہ کی نعمتوں کو پہچان لیتے ہیں اور پھر اس سے انجان بن جاتے ہیں۔ ان کی ایک بڑی تعداد حق ماننے کے لیے تیار نہیں ہے[۵۱]۔ ۷۸-۸۳

[۵۰] درج بالا آیات میں قرآن مجید نے اللہ کے ان احسانات کی طرف انسان کی توجہ دلائی ہے جن کی طرف اس کا دھیان بہت کم جاتا ہے۔ اس طرح قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ تم زندگی کے جس رخ پر بھی غور کرو، اس میں تمھیں توحید کی نشانی نظر آئے گی۔

[۵۱] یہ آیات مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئیں جب عقل و شعور والے زیادہ تر لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے، ان کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول نہ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ
ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا
هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ
يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ

عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى
لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع

ایک دن (آئے گا) جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو کھڑا کریں گے۔[۵۲] اس وقت حق کا انکار کرنے والوں کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی ان سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ یہ ظالم لوگ جب اس عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ اس میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ انھیں کوئی مہلت دی جائے گی۔ (اس دنیا میں) شرک کرنے والے لوگ جب (وہاں) اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: ''اے ہمارے رب، یہی ہیں ہمارے وہ شرکا جنھیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔[۵۳]'' (اس پر ان کے) وہ معبود انھیں جواب دیں گے: ''تم بالکل جھوٹے ہو۔[۵۴]'' اس دن یہ سب منکرینِ حق اللہ کے سامنے بالکل عاجز بن جائیں گے اور ان کے سب غلط عقیدے بالکل ہوا ہو جائیں گے۔ جن لوگوں نے خود بھی حق کا انکار کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کے راستے سے روکا، ہم ان کی سزا پر مزید سزا کا اضافہ کریں گے، اس لیے کہ انھوں نے (دنیا میں) فساد برپا کیا تھا۔[۵۵]

ایک دن (آئے گا) جب ہم ہر اُمت میں سے خود اسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے اور اے نبیؐ، ہم تمھیں ان لوگوں (یعنی تمھارے مخاطبین) پر گواہ بنائیں گے۔

(اے نبیؐ)، ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ یہ ہر بات کی صاف صاف وضاحت کرے اور اپنے ماننے والوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت بنے۔ ۸۴-۸۹

[۵۲] یہاں امت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف کسی رسول کی براہ راست بعثت ہوئی ہو۔ اس طرح یہاں شہید یعنی گواہ سے مراد رسول ہے جو ان لوگوں کے متعلق گواہی دے گا، جن تک اس نے براہ راست اللہ کا پیغام پہنچایا ہو۔

[۵۳] یعنی ان معبودوں نے ہمیں کہا تھا کہ ہم اللہ کے بجائے ان سے مدد طلب کریں۔

[۵۴] یعنی یہ معبود انھیں کہیں گے کہ ہم نے کبھی بھی تم سے ایسا نہیں کہا۔ یہ غلط عقائد تو تم نے ہمارے بعد اپنی نفسانی خواہشات کے تحت خود بنائے تھے۔

[۵۵] جو لوگ حق کی دعوت پوری طرح سننے کے باوجود غلط راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں، ان کے لیے بھی سزا ہے۔ لیکن جو لوگ اس سے آگے بڑھ کر دوسروں کو بھی حق سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ دگنی سزا پائیں گے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ
قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ط تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا م بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ط إِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ط
وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ
يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا م
بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ م بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾
وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾

اللہ (تمھیں) انصاف، احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ بہترین سلوک کا حکم دیتا ہے[56]۔ (اللہ تمھیں) بے حیائی، بدی اور ظلم وستم سے منع کرتا ہے[57]۔ اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔ جب تم اللہ کے ساتھ ایک عہد باندھ لو تو پھر اس کو پورا کرو اور جب تم کوئی پختہ قسم کھالو تو پھر اسے مت توڑو، جبکہ تم اس پر اللہ کو بھی گواہ ٹھہرا چکے ہو[58]۔ بے شک، اللہ تمھارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

[59] اُس عورت کی مانند نہ بن جاؤ جس نے بڑی محنت سے (کھڈی پر) روئی سے دھاگہ بنایا اور پھر اسے خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اے لوگو، تم آپس کے معاملات میں اپنی قسموں کو دھوکا وفریب کا ذریعہ بناتے ہو، تاکہ کچھ لوگ دوسروں سے بڑھ کر فائدہ حاصل کریں، حالانکہ اللہ اس ذریعے سے تمھاری آزمایش کر رہا ہے[60]۔ وہ قیامت کے دن ان تمام باتوں کی اچھی طرح تم پر وضاحت کر دے گا جس میں تم ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہو[61]۔

اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) ہدایت دے دیتا ہے[62]۔ تمھارے سب اعمال کے بارے میں تم سے لازماً (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا۔

اے لوگو، تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب اور دھوکے کا ذریعہ مت بناؤ کہ (اسلام کی طرف بڑھتا ہوا) کوئی قدم جمنے کے بعد پھسل

جائے۔ (اگر تم یوں کرو گے تو) اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کا برا نتیجہ دیکھو گے اور پھر تمھارے لیے ایک سخت سزا ہوگی۔[۶۳] اللہ کے عہد کو تھوڑے سے فائدے کے بدلے مت بیچ ڈالو۔[۶۴] جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہی تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم علم سے کام لو۔ ۹۰-۹۵

[۵۶] یہاں قرآن مجید نے اسلام کے تین بنیادی احکام کا ذکر کیا ہے۔ ان میں پہلا حکم انصاف کا ہے یعنی انسان دنیا کے ہر معاملے میں انصاف سے کام لے۔ دوسرا حکم احسان کا ہے۔ احسان کا مطلب ہے کہ انسان ہر کام کو بہترین طریقے سے انجام دینے کی کوشش کرے اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دے۔ تیسرا حکم صلہ رحمی کا ہے یعنی وہ رشتہ جو میاں بیوی کے تعلق سے وجود میں آتا ہے، اس کے حقوق کو برقرار رکھنا۔ اس میں ساری انسانیت آجاتی ہے، اس لیے کہ ساری انسانیت آدم و حوا کی اولاد ہے۔ یہ تو اس کا وسیع ترین حلقہ ہوا اور اس کا سب سے قریبی حلقہ میاں بیوی، بچے، والدین، بہن، بھائی، سسر، ساس اور اسی طرح دوسرے رشتہ دار ہیں۔

[۵۷] درجہ بالا تین مثبت احکامات کے بعد قرآن مجید نے تین منفی چیزوں سے ہمیں منع کیا ہے۔ فحش کام کا اصل مطلب بدکاری ہے اور اس میں باقی تمام گناہ کبیرہ بھی آجاتے ہیں۔ منکر کا مطلب ہر وہ غلط کام ہے جو ساری انسانیت کے نزدیک غلط کام ہو۔ بغی کا مطلب سرکشی ہے یعنی انسان اپنی قوت اور اپنے اثر سے ناجائز فائدہ اٹھائے اور دوسروں پر ظلم کے ذریعے سے ان کا حق چھینے۔

[۵۸] اللہ کے نام پر کیا ہوا ہر وعدہ اور اللہ کے نام پر کھائی گئی ہر قسم کو پورا کرنا لازم ہے، بشرطیکہ یہ کسی گناہ کے کام کے لیے نہ کھائی گئی ہو۔

[۵۹] اگر انسان درج بالا ساری ہدایات کا خیال نہ کرے تو پھر اس کی زندگی کی ساری محنت بالکل اکارت چلی جاتی ہے اور اسے اپنی محنت کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ملتا۔

[۶۰] ایک تاجر اپنے گاہک کے سامنے اس لیے قسم کھاتا ہے، تاکہ اس پر مال فروخت کر کے اس سے فائدہ حاصل کرے۔ قرآن کے نزدیک ایسی قسم آخرت میں بڑے نقصان کا باعث بنے گی۔ افسوس کہ آج مسلمان اپنے روزمرہ معاملات میں قرآن مجید کی درج بالا ہدایات کا زیادہ خیال نہیں رکھتے۔

[۶۱] یعنی اگر تم نے ایک جھوٹی قسم کھائی ہوگی تو تمھارے اس جھوٹ کو دوسروں کے سامنے کھول دیا جائے گا اور اس طرح تمھیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

[۶۲] ہدایت و گمراہی کے بارے میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو انسان اپنے عقل و شعور اور ضمیر سے کام لیتا ہے، اللہ اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھول دیتا ہے اور جو انسان تعصب، تکبر اور نفسانی خواہشات کے راستے پر مسلسل چلتا رہتا ہے، اللہ اس کے لیے وہی غلط راستہ آسان بنا دیتا ہے۔ اسی آزادی و اختیار کی وجہ سے انسانوں سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا۔

[۶۳] حضورؐ کے زمانے میں بے شمار مخالفین اسلام حضورؐ کے خلاف پروپیگنڈے اور غلط الزامات لگاتے ہوئے بے شمار قسمیں کھاتے تھے، تاکہ معصوم لوگوں کو گمراہ کر کے اسلام کے راستے سے روک سکیں۔ یہاں انھی لوگوں کا ذکر ہے۔ اس میں ہمارے لیے بھی حکم ہے کہ ایک سچی بات سے عام انسانوں کو نہ روکا جائے، کیونکہ یہ ایک بڑا جرم ہے۔ اور اگر ہم کسی حق بات کی مخالفت کرتے ہوئے دوسروں کو دھوکا دینے کی خاطر قسمیں کھائیں گے تو یہ خصوصی طور پر ایک

بہت بڑا جرم ہے۔

[۶۴] اللہ کے ساتھ سب انسانوں نے توحید کا عہد کیا ہے۔ پھر اس کے بعد انسان غلط چیزوں کو اپنے لیے جائز قرار دینے کی خاطر اپنے لیے شرک کا دروازہ کھول لیتے ہیں۔ یہاں اسی کا بیان ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ
لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ
هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَ
كْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى
لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا
لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾
اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اے انسانو، جو کچھ تمھارے پاس ہے، وہ ختم ہو کر رہ جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہی باقی رہنے والا ہے۔ صبر سے کام لینے والوں کے لیے ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر ہم دیں گے۔ ہر مومن مرد و عورت، جو نیک عمل کرے گا تو ہم اسے (دنیا میں) پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے[۶۵] اور (آخرت میں بھی) ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا انعام دیں گے۔

جب تم قرآن پڑھنے لگو تو اس دھتکارے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو[۶۶]۔ شیطان کا ان لوگوں پر کچھ بھی زور نہیں چلتا جو ایمان لائے ہوئے ہوں اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہوں۔ اس کا زور تو صرف انھی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں

اور اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

(اے نبیؐ)، جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں — اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ نازل کرتا ہے — تو یہ منکرینِ حق کہتے ہیں کہ (یہ قرآن) تم اپنی طرف سے گھڑ رہے ہو[۶۷]۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر لوگ علم نہیں رکھتے[۶۸]۔ اے نبیؐ، (ان سے) کہہ دو کہ اس (قرآن) کو روح القدس (یعنی جبرائیلؑ) نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی جانب سے نازل کیا ہے، تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ (قرآن) مسلمانوں کے لیے ہدایت وبشارت ہو[۶۹]۔ (اے نبیؐ)، ہمیں علم ہے کہ منکرینِ حق کہتے ہیں کہ اس شخص کو تو ایک آدمی سکھاتا ہے۔ جس آدمی کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں، اس کی زبان عجمی ہے، جبکہ یہ (قرآن) تو فصیح عربی زبان ہے[۷۰]۔ بے شک، جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے، اللہ ان کو ہدایت نہیں دے گا اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک سزا ہے۔ جھوٹ تو وہ لوگ گھڑ رہے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لا رہے اور یہی لوگ حقیقت میں جھوٹے ہیں[۷۱]۔ ۹۶-۱۰۵

[۶۵] اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہر انسان کی دنیوی زندگی بھی انتہائی پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ یہاں خصوصاً ان ہدایات کی طرف اشارہ ہے جو آیات ۹۰ تا ۹۵ میں دی گئی ہیں۔

[۶۶] شیطان، خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے، وہ دوسروں کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر ان کو راہ راست سے بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ ہر مومن کو چاہیے کہ قرآن مجید کو پڑھتے وقت یہ دعا مانگے کہ اللہ اسے شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے اور قرآن مجید کے اصل پیغام تک اسے پہنچنے کی توفیق ملے۔

[۶۷] یہاں آیت سے مراد شریعت کا حکم ہے۔

مکی دور میں ہی قرآن مجید میں بعض ایسی ہدایات دی گئیں جو تورات کے احکام سے مختلف تھیں۔ اس کا ایک نمونہ آگے آیات ۱۱۸ تا ۱۲۴ میں آئے گا۔ چنانچہ مکی دور میں بعض مخالفین اسلام یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ اسے نعوذ باللہ یہ شخص خود ہی گھڑ رہا ہے، اس لیے کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں تورات کے احکام کے خلاف ہدایات نازل نہ ہوتیں۔ اس الزام کا جواب آگے متعلقہ آیات میں آرہا ہے۔ یہاں صرف اتنی بات کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ مختلف زمانوں میں اس نے کیا کچھ نازل کیا ہے۔

[۶۸] یعنی یہ لوگ آسمانی کتابوں کا صحیح علم، مختلف احکام کے بدلنے کی حکمت اور پوری دنیا کے متعلق اللہ کی اصل اسکیم سے واقف نہیں۔

[۶۹] یعنی یہی قرآن اب ہمیشہ کے لیے اہل ایمان کو ثابت قدم رکھے گا اور ان کے لیے ہدایت اور خوش خبری کا باعث ہوگا۔

[۷۰] مکہ میں باہر سے آئے ہوئے بعض افراد غلاموں کی حیثیت سے موجود تھے۔ جب مشرکین قریش حضورؐ کی زبانی عظیم الشان مسائل پر مبنی قرآن سنتے تو وہ یہ احمقانہ الزام لگاتے کہ شاید یہ چند غلام حضورؐ کو یہ چیزیں سکھا پڑھا رہے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کے لیے اس الزام کی تحقیق کرنا کچھ دشوار نہ تھا۔

یہاں قرآن نے اس الزام کی لغویت کے اس پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان باہر سے آئے ہوئے افراد کی زبان تو عربی ہے ہی نہیں تو پھر وہ کہاں سے ایسا عظیم الشان کلام بنا کر حضورؐ کو دے دیتے ہیں۔

[۷۱] یعنی حضورؐ کے یہ مخالفین کسی حالت میں بھی ایمان نہیں لانا چاہتے جس کی وجہ سے یہ لوگ اس طرح کے جھوٹے الزامات لگا رہے ہیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا
فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ
وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ
تَاْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

[۷۲] جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد پھر حق کا انکار کرے گا، اگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو تب تو خیر،[۷۳] لیکن جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے (آخرت میں) دردناک سزا ہے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ اللہ حق کا انکار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔[۷۴] یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔[۷۵] یہ لوگ (آخرت سے) غافل ہیں۔ یہی لوگ آخرت میں خسارے میں رہیں گے۔

(اس کے برخلاف) جن اہل ایمان نے آزمایشوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، جدوجہد کی اور صبر سے کام لیا تو ایسے لوگوں کے لیے اُس دن یقیناً تیرا رب بڑا ہی بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے، جب ہر انسان اپنے بچاؤ کی فکر میں لگا ہوگا، ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ذرہ برابر ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔[۷۶] ۱۰۶-۱۱۱

[۷۲] مکی دور میں سماجی اور خاندانی حیثیت سے کمزور لوگوں کے لیے ایمان لانا بہت ہی مشکل تھا۔ حضورؐ کے مکی دور میں اسلام قبول کرنے والے افراد تین طبقات میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک وہ لوگ جنھوں نے ہر طرح کی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور علی الاعلان ایمان پر جمے رہے۔ دوسرا وہ گروہ ان

افراد پر مشتمل تھا جو نا قابل برداشت مظالم سے تنگ آکر اپنی جان بچانے کے لیے اس حالت میں کلمۂ کفر کہہ رہے تھے کہ ان کا دل ایمان پر پوری طرح مطمئن ہوتا تھا۔ ایک تیسرا گروہ ایسے افراد کا بھی آہستہ آہستہ بن رہا تھا جو خفیہ طور پر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے، لیکن بظاہر وہ اپنے اسلام کا اول تو اعلان ہی نہ کرتے تھے اور یا پھر کہہ دیتے تھے کہ ہم اسلام قبول کرنے کے بعد دوبارہ پرانے مذہب کی طرف لوٹ گئے ہیں۔ اس صورت حال میں یہ ضروری تھا کہ ان سب گروہوں کا تجزیہ کیا جائے، تاکہ ایسے لوگوں کو خود بھی معلوم ہو جائے کہ پروردگار کے ہاں ان کی کیا حیثیت ہے۔ چنانچہ آگے کی آیات میں انھی تین گروہوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

[۷۳] ہر زمانے میں مخلص لوگ بھی اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ لوگ جو اپنے نظریے کے لیے ہر طرح کی قربانی دے سکتے ہیں۔ یہ لوگ عزیمت کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو دشمن کی طرف سے ایک حد سے زیادہ مشکلات برداشت نہیں کرسکتے۔ اور عملی طور پر بظاہر یہ اپنے مخالفین کی بات مان لیتے ہیں۔ گویا یہ لوگ رخصت کے راستے پر عمل کرتے ہیں۔ مشکل حالات میں اللہ نے رخصت کے راستے پر چلنے کی اجازت بھی دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین کے ہر حکم پر عمل درآمد میں قرآن مجید نے رخصت کا ایک راستہ بھی مسلمانوں کے لیے کھلا رکھا ہے۔ اس آیت میں ایسے مسلمانوں کے لیے رخصت کے راستے کی اجازت دی گئی ہے۔ صحابۂ کرامؓ میں سے بھی بعض مثلاً عمارؓ بن یاسرؓ نے کبھی کبھی رخصت کے راستے پر عمل کیا تھا۔ ایسے ہی ایک موقعے پر حضورؐ نے ان سے کہا کہ ''اگر ظالم مشرکین پھر اسی طرح کا ظلم کریں تو تم پھر یہی باتیں کہہ دینا۔''

[۷۴] اب یہ اس تیسرے گروہ کی بات ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی نفسانی خواہشات اور معاشی ضروریات کی وجہ سے ٹھنڈے دل سے دوبارہ اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ گیا تھا۔ ان کے متعلق قرآن نے یہ اعلان کردیا کہ یہ لوگ بھی مخالفین اسلام میں شامل ہیں۔

[۷۵] چونکہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی خاطر دوبارہ شرک اپنا لیا تھا، اس لیے اللہ نے ان سے ایمان کی صلاحیت بھی سلب کرلی۔

[۷۶] اب پہلے گروہ یعنی اصحاب عزیمت کا بیان ہے۔

درجہ بالا آیات مکی دور میں نازل ہوئیں۔ اس لیے یہاں ''جہاد'' سے مراد خالصتاً پرامن جدوجہد ہے۔ اس لیے کہ مکی دور میں، جبکہ حضورؐ کو ابھی حکومت نہیں ملی تھی، مسلح جنگ یعنی قتال کی اجازت نہیں تھی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ
فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَا

وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَا

قَلِيْلٌ ص وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے۔ (یہ مثال مشرکینِ مکہ پر بالکل صادق آتی ہے) یہ بستی بالکل امن واطمینان کی حالت میں تھی
ہر طرف سے اس بستی کو فراوانی کے ساتھ رزق پہنچ رہا تھا۔لیکن ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری شروع کر دی۔تب اللہ نے ا
کے کرتوتوں کی پاداش میں ان کو بھوک اور خوف کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔ان کے پاس خود انھی میں سے ایک رسول آیا،مگر انھوں
اس کو جھٹلایا تو ان کو عذاب نے آدبوچا اور وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔[77]

پس (اے لوگو)، اللہ نے جو کچھ حلال اور پاکیزہ رزق تم کو بخشا ہے، اسے کھاؤ[78]۔اور اگر تم واقعی اس کی بندگی کرنے والے ہو تو اللہ
نعمت کا شکر ادا کرو۔اللہ نے تم پر کچھ حرام کیا ہے۔وہ ہے مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گ
ہو۔[79] البتہ اگر کوئی انسان مجبور ہو (کہ ان چیزوں کو کھالے)، جبکہ وہ اس حرام کو دل سے چاہنے والا نہ بنے اور ضرورت سے تجاوز نہ کر
تو (ایسی صورت میں) اللہ یقیناً معاف کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔[80] اپنی زبانوں کے ذریعے سے یہ جھوٹی باتیں مت کرو ک
فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام۔اس طرح کی باتیں کر کے تم لوگ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہو۔جو لوگ اللہ پر جھوٹی تہمت
لگائیں گے، وہ ہرگز (آخرت میں) کامیابی حاصل نہیں کریں گے۔ایسے لوگوں کے لیے (دنیا کی) چند روزہ عیش ہے اور (آخرت
میں ان کے لیے) دردناک سزا ہے۔۱۱۲-۱۱۷

[۷۷] اس مثال کے ذریعے سے قرآن نے مشرکین مکہ کو ان کے مستقبل کی ایک تصویر دکھا دی ہے۔حضورؐ کے مکی دور میں بھی اور مدنی دور میں بھ
مشرکین قریش پر قحط آئے اور ان کو کئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ایسی ہر مصیبت صرف اسی وقت ٹلتی تھی جب یہ لوگ حضورؐ سے دعا کی درخواست کرتے۔لیکن
یہ لوگ اتنے ڈھیٹ تھے کہ اس کے باوجود اسلام کی مخالفت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے تھے۔بالآخر حضورؐ کے تمام دشمن ایک ایک کر کے ذلت کی موت ہلاک
کر دیے گئے۔

ان مکی آیات میں قرآن نے جو مثال بیان کی ہے، وہ درحقیقت ایک پیشین گوئی بھی ہے، جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

[۷۸] حلال اور پاکیزہ رزق سے مراد وہ رزق ہے جو حلال ذرائع سے کمایا گیا ہو اور فطرت انسانی کے مطابق ہو۔

[۷۹] خوراک کے ضمن میں حلال وحرام سے متعلق بحث سورۂ بقرہ آیت ۳، سورۂ مائدہ آیت ۱۷۳ اور سورۂ انعام آیت ۳۵ میں گزر چکی ہے۔

[۸۰] یہاں بھی قرآن مجید نے رخصت کا پہلو بیان کردیا ہے، لیکن اس بات کو واضح کردیا ہے کہ رخصت کے راستے پر چلنے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس حرام چیز کے ساتھ دلی رغبت قطعاً نہ رکھے اور ضرورت کے سوا رخصت کے راستے سے فائدہ قطعاً نہ اٹھائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی چیزوں کو دنیا کے پیمانوں پر نہیں تولا جاسکتا۔ صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی نیت کیا ہے اور وہی روز آخرت میں اس کے مطابق فیصلہ صادر کرے گا۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ
مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ۙ
شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ۭ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا
جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

جو لوگ یہودی ہوئے، ان پر بھی ہم نے وہی چیزیں حرام کیں جو ہم نے پہلے تم کو (آیت نمبر ۱۱۵ میں) بتائیں۔ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے[۸۱]۔ البتہ جن لوگوں نے جہالت[۸۲] کی بنا پر کوئی برائی کی اور پھر اس کے بعد توبہ کرکے اپنے عمل کی اصلاح کردی تو بے شک، اس کے بعد تیرا رب بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

بے شک ابراہیمؑ (یہودیت، نصرانیت اور مشرکین میں سے کسی گروہ سے تعلق نہ رکھتے تھے، بلکہ اپنی ذات میں) ایک الگ امت تھے۔ وہ اللہ کے فرماں بردار اور اس (کی عبادت) میں یکسو تھے۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ ہی نے ان کو (رسالت کے لیے) منتخب کیا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔ اللہ نے دنیا میں بھی ان کو بھلائی عطا فرمائی اور آخرت میں بھی وہ صالحین کے گروہ میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تمھاری طرف وحی کی کہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو بالکل یکسو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے[۸۳]۔

(جہاں تک یہودیوں کے لیے ''سبت''[۸۴] کی پابندی کی بات ہے تو) ہم نے ''سبت'' کو انھی لوگوں پر عائد کیا تھا جنھوں نے (بعد میں) اس کے ضمن میں اختلاف کیا۔[۸۵] جن چیزوں میں یہ یہودی آپس میں اختلاف کرتے رہتے ہیں، ان سب کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ ہی ان کے درمیان فرمائے گا۔[۸۶] ۱۱۸-۱۲۴

[۸۱] یہودی مذہب میں درج بالا چار چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہاں قرآن مجید نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہود پر بھی بنیادی طور پر صرف یہی چیزیں حرام کی گئی تھیں۔ بعد میں ان کے مذہبی رہنماؤں نے آپس میں بے کار بحثیں کر کر کے اپنے آسان دین کو بہت مشکل بنا دیا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد کا طرزِ عمل یہ تھا کہ وہ سرکشی کی ذہنیت کی وجہ سے ہر حکم میں اپنے لیے فرار کا راستہ اختیار کرتے تھے، اس لیے اللہ نے سزا کے طور پر ان پر کئی دوسری چیزیں بھی حرام ٹھہرا دیں۔

[۸۲] جہالت کے معنی بے علمی (Ignorance) کے ہیں۔ ضد، تعصب اور نفسانی خواہشات کے راستے پر انسان اسی وقت چلتا ہے جب وہ صحیح بات کو فراموش کر دیتا ہے، اس لیے یہ سب کیفیات بھی جہالت کے مظاہر (symbols) ہیں۔

[۸۳] امت مسلمہ درحقیقت ملت ابراہیمی ہی کے طریقے کا نام ہے۔ ہم اسی راستے پر چل رہے ہیں جو ابراہیمؑ کا راستہ تھا۔ یہودیت، عیسائیت اور عربوں کا شرک اور اس کے حلال و حرام کے بے شمار قاعدے، بہت بعد کی پیداوار ہیں جن سے امت مسلمہ کو کوئی سروکار نہیں۔

[۸۴] بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہفتے کے دن کوئی دنیوی کام نہیں کریں گے اور سارا دن اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں گے۔ ''سبت'' کا احترام ابراہیمؑ کے دین کا کوئی جز و نہ تھا، بلکہ اسے خاص طور پر بنی اسرائیل کے لیے لازم کیا گیا تھا۔

[۸۵] حضورؐ کے زمانے میں یہود یہ الزام لگاتے تھے کہ حضورؐ ''سبت'' کا احترام نہیں کرتے۔ اس کا جواب تو اوپر قرآن مجید نے دے دیا اور یہاں قرآن مجید نے یہودیوں کو اپنے گریبان میں جھانکنے کے لیے کہا کہ خود تم لوگوں نے ''سبت'' کے احکام کے معاملے میں آپس میں کتنا زیادہ اختلاف کیا۔ اس اختلاف کی وجہ سے بنی اسرائیل کے کئی گروہوں نے ''سبت'' کے دن عملاً ہر چیز اپنے لیے حلال کر لی۔

[۸۶] ''سبت'' کے آداب اور احکام کے بارے میں یہودی فقہ میں آپس میں سیکڑوں اختلافات ہیں۔ ہر معاملے کی طرح اللہ قیامت کے دن بنی اسرائیل کو اس بات سے آگاہ کر دے گا کہ ''سبت'' کے اصل احکام کیا تھے اور انھوں نے اس کے نفاذ میں کیا کیا غلطیاں کر کے اپنے آسان دین کو مشکل بنا لیا۔ اس بات میں ہم مسلمانوں کے لیے بھی سبق موجود ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ
بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَئِنْ
صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ

مِمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿١٢٨﴾ ع

(اے نبیؐ)، اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور عمدہ طریقے سے نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور لوگوں کے ساتھ بہترین طریقے سے مکالمہ کرو۔[87] بے شک، تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پانے والے ہیں۔ اگر تم بدلہ لو تو صرف اتنا لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو، لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ راستہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔[88]

اے نبیؐ، صبر ہی کیے جاؤ۔ تمھیں صرف اللہ ہی کے تعلق سے صبر حاصل ہو سکتا ہے۔[89] ان مشرکین پر رنج نہ کرو اور ان کی چالوں سے اپنے آپ کو پریشانی میں بھی مبتلا مت کرو۔ یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے، جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو ہر کام بہترین طریقے سے کرنے والے بنتے ہیں۔[90] ۱۲۵-۱۲۸

[۸۷] یہاں دعوت دین کے لیے تین بنیادی باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ دعوت انتہائی حکمت یعنی دانائی اور دلائل کے ساتھ دی جائے۔ دوسری بات 'موعظة حسنة' ہے یعنی یہ کہ دعوت سچی خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ ہو اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ مکالمہ انتہائی پسندیدہ طریقے سے کیا جائے۔

اس مکالمے کا مقصد دوسرے کو قائل کرنا ہونا چاہیے اور جب یہ محسوس ہو کہ دوسرا فرد ضد پر اتر آیا ہے تو اسے اس وقت اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ کسی فرد کو دین کی دعوت صرف اس ماحول میں دی جائے جب وہ بات سننے کے لیے اس کا دل آمادہ و تیار ہو۔

[۸۸] حضورؐ کے زمانے میں مکی دور میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی، چنانچہ مسلمانوں کے سامنے بار بار یہ سوال آجاتا تھا کہ اگر کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرے تو کیا ہمیں دین اس ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ یہاں قرآن مجید نے اس کا یہ جواب دیا کہ اصل راستہ بدلہ نہ لینے کا ہے، کیونکہ اسی راستے کے ذریعے سے دین کی خدمت کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان عزیمت کے اس بہترین راستے پر چل نہ سکتا ہو تو اس کے لیے اتنی اجازت موجود ہے کہ وہ ظالم سے صرف اتنا ہی بدلہ لے جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ یہ اجازت صرف اس وقت کے لیے ہے جب کوئی باقاعدہ حکومت یا اجتماعی تنظیم قائم نہ ہو۔ ایسی صورت ہر زمانے میں پیش آسکتی ہے۔ جب ایک باقاعدہ حکومت موجود ہو تو پھر کسی بھی فرد کو قانون کی عدالت کے سوا کسی اور طریقے سے بدلہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔ اس بات کی بہت سی تفصیل مدنی سورتوں میں آئی ہے۔

[۸۹] صبر کا راستہ نہایت مشکل راستہ ہے۔ بسا اوقات اس راستے پر چلنے کی وجہ سے انسان کو بزدلی کا طعنہ سہنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس جذباتیت اور فوری ردعمل کا راستہ انسان کی نفسانی خواہش کو فوری تسکین پہنچا دیتا ہے۔ اللہ سب مسلمانوں کے لیے ردعمل (Re-action) کے راستے کے بجائے صبر کا راستہ ہی پسند کرتا ہے۔ تاہم اس راستے پر انسان کی طبیعت اسی وقت آمادہ ہوتی ہے جب اس کا اللہ سے ایک مضبوط شعوری تعلق موجود ہو۔

[۹۰] یہ اس مبارک سورہ کی آخری آیت ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی بات کی تفصیل بیان کی گئی ہے جسے اس سورہ کی پہلی آیت میں کہا گیا تھا۔ وہ بات یہ ہے کہ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ آپؐ کے ساتھیوں کے ذریعے سے اس سرزمین میں اسلام کو غلبہ دے گا اور اللہ ان کی خصوصی مدد فرمائے گا۔ یہ وہی وعدہ ہے اور اللہ کی وہی سنت یعنی طریقہ ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں اور ان کے ساتھیوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ چنانچہ یہاں حضورؐ سے یہ کہا گیا ہے کہ ان مشرکین کی ساری جارحیت اور چال بازیاں ختم ہو کر رہ جائیں گی اور اگر آپؐ کے ساتھی 'تقویٰ' اور 'احسان' سے کام لیں گے تو اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔

سورۂ بنی اسرائیل مکیّۃ

[۱۷]

نام

اس سورہ کو سورۂ ''بنی اسرائیل'' کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی آیت نمبر ۴ میں یہ لفظ آیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے سورہ ''اسراء'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ اس سورہ کی پہلی آیت میں آیا ہے۔

زمانۂ نزول اور موضوع

اس گروپ کی باقی سورتوں کی طرح یہ سورہ بھی مکی دور کے بالکل آخری زمانے میں حضورؐ پر نازل ہوئی۔ اس سورہ میں پچھلی ساری سورتوں کے موضوعات کو لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سابقہ سورہ کی آیات ۱۱۸ تا ۱۲۴ کی مزید تفصیل بیان ہوئی ہے۔ چونکہ اس سورہ کے نزول کے بہت جلد بعد حضورؐ کو مکے سے ہجرت کر کے مدینے جانا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو اس ہجرت کے لیے تیار کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کا تجزیہ مزید تفصیل کے ساتھ کیا جائے، تاکہ جب مسلمان مدینے پہنچیں تو بنی اسرائیل کے مذہب، تصورات اور تاریخ سے متعلق انھیں واقفیت ہو اور انھیں یہ بھی معلوم ہو کہ وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بنا پر پروردگار ایک نئی امت مسلمہ کو اس دنیا میں اٹھا رہا ہے۔ واقعۂ معراج کا بیان اس سلسلہ کی ایک انتہائی اہم کڑی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی اخلاقی تربیت کے لیے بھی اس سورہ میں کئی احکام دیے گئے، تاکہ مسلمان ابھی سے ان پر عمل درآمد شروع کر دیں اور پھر جب مدینے کے اندر ایک ریاست وجود میں آجائے تو انھی اخلاقی ہدایات کے مطابق ایک پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کی جا سکے۔

رکوعاتها ۱۲ | # سُوْرَةُ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ مَكِّيَّةٌ | اٰياتها ۱۱۱

[پارہ نمبر15]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحَانَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ
لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱﴾ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا
تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِىْ وَكِيْلًا ﴿۲﴾ ؕ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ
اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا
بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا
لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿۶﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ
لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ وقف لازم
لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اللہ کی ذات نقص و عیب سے پاک ہے۔ وہی اللہ ایک رات اپنے بندے (یعنی نبیؐ) کو مسجد حرام سے اُس دور والی مسجد تک لے گیا جس کے ماحول کو اللہ نے برکت بخشی، تاکہ حضورؐ کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ یقیناً وہی اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

ہم نے (اس سے پہلے) موسیٰؑ کو کتاب عطا کی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت نامہ بنایا کہ میرے سوا کسی کو اپنا وکیل مت

۳۔ تم انھی لوگوں کی اولاد ہو جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا۔ بے شک، نوحؑ ایک شکر گزار بندہ تھا۔[2]

ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں ایک بڑا فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔[3] پھر جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے زور آور بندے مسلط کر دیے جو تمھارے گھروں میں گھس پڑے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے لازماً پورا ہونا تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمھیں ان پر غلبے کا موقع دے دیا، مال واولاد سے تمھاری مدد کی اور تمھاری تعداد بہت بڑھا دی۔[4]

اے بنی اسرائیل، اگر تم بھلے کام کرو گے تو اپنے ہی لیے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو وہ بھی اپنے ہی لیے کرو گے۔[5]

پھر جب دوسری بات کا مقرر وقت آ گیا (تو ہم نے اپنے زور آور بندے تم پر مسلط کر دیے) کہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (اقصیٰ) میں اس طرح گھس پڑیں جس طرح پہلی بار گھسے تھے اور جس بھی چیز پر ان کا زور چلے اسے تباہ کر کے رکھ دیں۔[6]

ہو سکتا ہے کہ اب بھی تمھارا رب تم پر رحم فرمائے، لیکن اگر تم پھر وہی برے کام کرو گے تو ہم بھی تمھیں اسی طرح سزا دیں گے اور پھر ہم نے جہنم کو منکرینِ حق کے لیے ایک قید خانہ بنا کر رکھا ہے۔[7] ۸-۱

[۱] اس آیت میں اس عظیم واقعے کا ذکر کیا گیا ہے جو عام طور پر ''معراج'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس آیت میں ''مسجد اقصیٰ'' سے مراد دراصل بیت المقدس ہے۔ اقصیٰ کے معنی ''دور والی'' کے ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار نے حضورؐ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا ایک سفر انتہائی معجزانہ طریقے سے کرایا، تا کہ حضورؐ کو کچھ اہم نشانیاں دکھائی جا سکیں۔

سورۂ ''نجم'' میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ پروردگار نے حضورؐ کو ان عظیم مقامات کا مشاہدہ بھی کرایا، جہاں مادے کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور اس سے آگے وہ عظیم حقائق ہیں جو عام انسانوں کے لیے 'امور متشابہات' کی حیثیت رکھتے ہیں۔

واقعۂ معراج کے متعلق اہل علم میں بہت اختلاف موجود ہے۔ مثلاً یہ کہ کیا یہ سفر خواب کی حالت میں تھا یا بیداری کی حالت میں۔ حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ بن مالک اور بہت سے دوسرے اہل علم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ واقعہ روحانی طور پر پیش آیا تھا۔ اس کے برعکس اکثر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ یہ واقعہ بیداری کی حالت میں جسم وروح، دونوں کی موجودگی میں ہوا تھا۔ اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نجم میں بیان کردہ واقعات اکٹھے پیش آئے تھے یا یہ علیحدہ علیحدہ اوقات میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اس معاملے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ واقعات کب اور کتنی مرتبہ پیش آئے تھے۔ اس واقعے کی جو تفصیلات روایات میں آتی ہیں، ان میں بھی آپس میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔

ایک عام انسان کے لیے ان اختلافات کی تفصیل جاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس ضمن میں پہلی اہم بات یہ ہے کہ پیغمبر کا خواب بھی حقیقت ہوتا ہے اور اس کا ہر مشاہدہ بھی ایک حقیقت ہوتا ہے۔ یہ مشاہدات روحانی طور پر پیش آتے ہوں یا جسمانی طور پر، ہر صورت میں حقیقت ہیں۔ اس کے برعکس ایک عام انسان کا آنکھوں کے ساتھ بیداری کی حالت میں مشاہدہ بھی غلط ہو سکتا ہے اور اسے دھوکا لگ سکتا ہے۔ آج کا سائنسی علم ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا ہے، جب انسان کے لیے قرآن کے بیان کو ماننے میں عقلی طور پر مسئلہ درپیش نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس واقعے کی جتنی تفصیلات روایات میں بیان ہوئی ہیں،

وہ تمثیلی رنگ کی ہیں۔ یعنی حقائق کو ایک مثال کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے۔

اس آیت میں ارض فلسطین کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ''ہم نے اس کے ماحول کو برکت بخشی۔'' یعنی جس طرح اب ''مسجد حرام'' پوری دنیا کی امت مس
مرکز ہے، بالکل اسی طرح یہ مسجد اقصیٰ بھی کئی ہزار برس تک اسلام کے نور سے منور رہی ہے اور اس سرزمین پر بے شمار انبیا وصالحین تشریف لائے ہیں۔
حیثیت سے یہ جگہ ہمارے لیے بہت قدرومنزلت کی حامل ہے۔ ممکن ہے کہ اس پورے علاقے میں کچھ اور برکتیں ایسی بھی ہوں جو ہم پر مستقبل میں
ہوسکیں۔

جس وقت حضورؐ کو ان مقامات اور نشانیوں کا مشاہدہ کرایا گیا، اس وقت اس جگہ کوئی مسجد بظاہر موجود نہیں تھی۔ اس جگہ دراصل حضرت سلیمانؑ ن
سیکرٹریٹ تعمیر کیا تھا جس میں لازماً مسجد بھی موجود تھی۔ اس عاجز کا رجحان یہ ہے کہ اس مسجد کی جگہ وہی تھی جہاں حضرت عمر فاروقؓ کو اللہ نے اس مسجد کی
رکھنے کی توفیق دی جس کو آج ہم ''مسجد اقصیٰ'' کہتے ہیں۔ اس جگہ کے علاوہ باقی سارا ہیکل سلیمانی درحقیقت ایک پبلک سیکرٹریٹ تھا۔

وہ کون سی نشانیاں تھیں جن کا مشاہدہ حضورؐ کو کرایا گیا، اس کی تفصیل صرف اللہ کے علم میں ہے۔ تاہم قرآن کے دوسرے مقامات سے یہ بات معلوم
ہے کہ ان مشاہدات کا ایک حصہ یقیناً یہ بھی ہوگا کہ آپؐ کے ذریعے سے ایک نئی امت مسلمہ تشکیل دی جارہی ہے جو قیامت تک دین کی دعوت کا کام کر
اور اللہ کی طرف سے آپؐ کی مدد و نصرت کی جائے گی۔

[۲] چونکہ ارض فلسطین کا سارا تعلق بنی اسرائیل سے تھا، اس لیے یہ بتادیا گیا کہ موسیٰؑ بنی اسرائیل کے لیے اللہ کی طرف سے ہدایات لائے تھے، لیکن
اسرائیل کی ایک بڑی تعداد نے کئی مواقع پر ان پر عمل کرنے میں کوتاہی سے کام لیا۔ آگے اس سورہ میں قرآن مجید نے ان احکام کی تفصیل کی ہے اور ا
امت مسلمہ کے لیے بھی لازم قرار دیا۔ البتہ جہاں جہاں ان احکام کے نقل کرنے اور انھیں آگے پہنچانے میں تورات کے مرتبین سے غلطیاں ہوئی تھیں، قر
نے ان کی تصحیح بھی کردی۔ وکیل کے معنی اس ذات کے ہیں جس پر کامل بھروسا کرکے اپنے معاملات اس کے حوالے کردیے جائیں۔

[۳] جب بنی اسرائیل کے ہاں بہت زیادہ اخلاقی کمزوریوں نے جنم لیا تو ان کے کئی انبیا نے ان کو اس کے برے نتیجے کے طور پر آنے والی ممکنہ
سے آگاہ کیا۔ انھی تنبیہات کو قرآن نے یہاں 'قضینا' سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے لیے پروردگار نے یہ طریقہ مقرر کیا تھا کہ جب بھی ایک
سے زیادہ سرکشی دکھائیں گے تو آخرت کے ساتھ ساتھ اسی دنیا میں بھی ان کو سزا دی جائے گی اور جب بھی وہ اخلاقی اعتبار سے نسبتاً بہتر صورت میں ہوں
تو دنیا میں بھی ان کے ساتھ اسی کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لیے حضرت مسیحؑ کی بعثت تک یہی قانون تھا۔

[۴] یوں تو بنی اسرائیل پر وقتاً فوقتاً بہت سی تباہیاں آئیں۔ لیکن اس آیت میں جس عظیم تباہی کی طرف اشارہ ہے، وہ ۵۹۸ قبل مسیح میں عراق کے با
بنوکدنضر کی طرف سے ان پر حملہ تھا۔ اس حملے میں بنوکدنضر نے بنی اسرائیل کے تمام شہروں اور قصبوں کو تباہ کرکے رکھ دیا، یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو بھی
طرح برباد کردیا اور بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد کو ان کے علاقے سے نکال کر تتر بتر کردیا۔ دور غلامی میں بنی اسرائیل کے اندر اصلاح کا جذبہ ابھر آیا او
کی ایک بڑی تعداد کی حالت ٹھیک ہوگئی۔ چنانچہ اللہ نے اس طرح ان کی مدد کی کہ ۵۳۹ قبل مسیح میں ایرانی بادشاہ سائرس نے عراق پر قبضہ کرلیا، یہودیو
اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دی، وہاں انھیں خودمختار حکومت قائم کرنے کی اجازت بھی دے دی اور ان کی مقدس عبادت گاہ کو بھی نئے سرے
تعمیر کرایا۔ درج بالا آیات میں عراق کے بنوکدنضر کی افواج کے لیے ''ہمارے زورآور بندے'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ لوگ مشرک تھے، لیکن
کے ذریعے سے اللہ نے بنی اسرائیل کو سزا دی۔ قرآن مجید نے سورۂ بقرہ آیت ۲۵۱ اور سورۂ حج آیت ۴۰ میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ اللہ اس دنیا میں مخ

گروہوں کو دوسرے گروہوں کے ذریعے سے دفع کرتا رہتا ہے، تاکہ دنیا میں ظلم ایک حد سے آگے نہ بڑھے اور توحید کی دعوت زندہ رہے۔ بعض اوقات اللہ دو ظالم گروہوں کو بھی آپس میں ٹکرا دیتا ہے، تاکہ دونوں کو اپنے اپنے حصے کی سزا ملے اور دوسری اقوام کو زندہ رہنے کا موقع ملے۔

[۵] اللہ کا یہ قانون آخرت میں سبھی افراد کے لیے ہے۔ یہی قانون دنیا میں اقوام اور ممالک کے لیے ہے، اس لیے کہ آخرت میں اقوام سے بحیثیت قوم حساب نہیں لیا جائے گا۔ بنی اسرائیل پر بھی یہ قانون اس دنیا میں دوسری اقوام کی طرح لاگو ہوتا ہے۔

[۶] دوسری دفعہ کی تباہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ستر برس بعد بنی اسرائیل پر آئی۔ اس تباہی کے بارے میں حضرت مسیحؑ اور آپ کے پیروکاروں نے بار بار بنی اسرائیل کو متنبہ کیا۔ بالآخرتر کی رومی سلطنت نے فوجی کارروائی کر کے لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا یا غلام بنایا اور ایک دفعہ پھر یروشلم کے شہر اور ہیکل کو مسمار کر دیا۔ اس کے بعد اگلے دو ہزار برس تک بنی اسرائیل کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔

[۷] دوسری عظیم تباہی سے ستر برس پہلے بنی اسرائیل پر اُس دن اللہ کی طرف سے اتمام حجت ہو چکا تھا جس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے اٹھا لیے گئے۔ گویا اِس کے ساتھ ہی وہ غیر مسلم قرار دیے گئے تھے اور اُس وقت اہل ایمان ہونے کے حق دار صرف حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے والے لوگ تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس آیت میں کیے گئے وعدے کا تعلق بنی اسرائیل سے ان کی قومی و نسلی حیثیت کے حوالے سے ہے۔ گویا مستقبل میں اگر وہ قومی حیثیت سے دوسروں سے نسبتاً بہتر ہوں تو پروردگار انھیں دنیا میں ایک دفعہ پھر نسبتاً باوقار زندگی گزارنے کا موقع دے گا۔ باقی رہی آخرت کی بات تو ان میں سے جتنے لوگ جان بوجھ کر غلط عقائد رکھیں گے اور اسلام کی دعوت مکمل طور پر ملنے کے باوجود اس دین حق کو قبول نہیں کریں گے، ان کے لیے جہنم کی سزا ہے۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا
كَبِيْرًا لا ﴿٩﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ
بِالْخَيْرِ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ
مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿١٢﴾
وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ط وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط
كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿١٤﴾ ط مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ
عَلَيْهَا ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾

(اے انسانو،) بے شک یہ قرآن اس (راستے) کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا (راستہ) ہے۔ جو ایمان والے نیک عمل

کرتے ہیں انھیں اس بات کی خوش خبری دیتا ہے کہ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انھیں یہ خبردار کرتا ہے کہ ان کے لیے ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہیں۔

انسان برائی کا اس طرح طلب گار بنتا ہے جس طرح اس کو دراصل بھلائی مانگنی چاہیے۔ یہ انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔[8]

(دیکھو،) ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا۔ رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا، تا کہ تم (اس میں) اپنے رب کے فضل (یعنی رزقِ حلال) کے لیے کوشش کرو۔ ان نشانیوں سے تم ماہ و سال کی تعداد اور ان کا حساب بھی معلوم کر سکتے ہو[9]۔ (اسی طرح) ہم نے (ہدایت کے لیے) ہر چیز کی پوری تفصیل کر دی ہے۔

ہر انسان کا اصل نصیب ہم نے اس کے ساتھ باندھ دیا ہے[10]۔ قیامت کے دن ہم اس کے لیے ایک رجسٹر نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ (اس وقت اسے کہا جائے گا) لو، پڑھ لو اپنا نامۂ اعمال۔ آج اپنا حساب کرنے کے لیے تم کافی ہو۔

جو کوئی انسان ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو یہ راستہ خود اسی کے لیے مفید ہے اور جو انسان گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا بوجھ اسی پر ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہم صرف اسی وقت سزا دینے والے بنتے ہیں جب ایک رسول اس گروہ پر بھیج دیں[11]۔ ۹-۱۵

[۸] یہاں دراصل حضورؐ کے زمانے کے مخالفین اسلام کے بارے میں بیان کیا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ اس دعوت پر غور کر کے خیر کی طرف آئیں، یہ لوگ بار بار مطالبہ کرتے ہیں کہ ان پر وہ آفت اور تباہی لائی جائے جس کی دھمکی ان کو دی جا رہی ہے۔ یہ آیت انسان کی اس عمومی خامی کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ جہاں انسان کو انتہائی حکمت، صبر اور غور و فکر کے ساتھ اپنا راستہ متعین کرنا چاہیے، وہاں وہ جلد بازی سے کام لے کر غلط اور تباہی کے راستے پر چلنا شروع کرتا ہے۔

[۹] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ و سال کے لیے شمسی اور قمری، دونوں طرح کے کیلنڈر استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

[۱۰] یعنی اس کا نامۂ اعمال مسلسل تیار ہو رہا ہے۔

[۱۱] دنیا میں کسی قوم پر صرف اسی وقت عذاب آتا ہے جب اس قوم کو ایک رسول آ کر براہِ راست خبردار کرے۔ آخرت میں پروردگار کسی انسان کو صرف اسی وقت پوری سزا دیتا ہے جب رسول کا پیغام اس تک اپنی بہترین اور کامل شکل میں پہنچ گیا ہو۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ

اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

جب ہم کسی بستی کو (اس کے جرائم کی سزا میں) ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو بدترین نافرمانیاں کرنے کا حکم دے دیتے ہیں۔ تب اس بستی کے بارے میں فیصلہ ہو جاتا ہے اور پھر ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ دیکھ لو کتنی ہی قومیں نوحؑ کے بعد ہمارے حکم سے ہلاک ہوئیں۔ تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے اور ان کو دیکھنے کے لیے کافی ہے۔[12]

(اے انسانو،) جو کوئی دنیا ہی کا خواہش مند ہو، ہم اس کو اسی دنیا میں اپنی مرضی کے مطابق دے دیتے ہیں اور پھر ہم (اس کی آخرت کے لیے) جہنم لکھ دیتے ہیں جس میں وہ خوار اور رحمت سے محروم ہو کر داخل ہوگا۔ اور جو آخرت کا طلب کرنے والا بنتا ہے اور اس کے لیے بہترین کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے۔ تو درحقیقت ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبول و منظور ہوگی۔ اور ہم تیرے پروردگار کی بخشش سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان کی بھی اور اُن کی بھی۔ یہ تیرے رب کی بخشش ہے اور تیرے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ دیکھ لو، (دنیا میں) ہم نے کچھ گروہوں کو کچھ دوسرے گروہوں پر (دنیوی سامان کے لحاظ سے) کیسی فضیلت دے رکھی ہے۔ تاہم آخرت درجات اور فضیلت کے اعتبار سے (دنیا سے) کہیں بڑھ کر ہے[13] ۱۶-۲۱

[۱۲] جب کوئی قوم جرائم میں اس طرح غرق ہو جاتی ہے کہ اس کے کھاتے پیتے خوش حال طبقات جرائم میں اپنی قوم کی سرگردگی کرنے لگتے ہیں۔ تب اس قوم پر اتمام حجت ہو جاتا ہے اور پروردگار ایسی قوم کے خوش حال لوگوں کو بدترین نافرمانیوں اور بدمستیوں کے لیے ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں 'امرنا' کا مطلب ان خوش حال لوگوں کے لیے نافرمانیوں کا راستہ آسان کرنا ہے۔ اس کے بعد ایسی قوم کو یا صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے یا پھر وہ اس دنیا میں بے عزت اور بے وقار ہو کر غلامی کی زندگی بسر کرتی ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ بے انصافی، ظلم، بددیانتی، میرٹ کے خلاف چلنا، کمزور طبقات کی خدمت نہ کرنا اور خاندانی زندگی کو نقصان پہنچانے والے افعال، وہ برائیاں ہیں جو کسی قوم کو تباہی کی طرف لے جانے کا سبب بنتی ہیں۔

[۱۳] یعنی دنیا کی فضیلتیں تو آزمائش کے لیے ہیں۔ اصل درجے اور نعمتیں تو آخرت کی ہیں۔ عاجلہ کے معنی ہیں جلدی ملنے والی چیز۔ دنیا اور اس کے نف
کو آخرت کے مقابلے میں عاجلہ کہتے ہیں۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّا
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ
لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ
صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ط اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ
ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ
الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ
لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ
كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ
جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ
هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ص وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ
وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ
السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ج اِنَّكَ لَنْ

تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ
اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

(اے انسانو)[14]، اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہ کرو ورنہ تم ملامت زدہ اور بے یار و مددگار رہ جاؤ گے۔

تمھارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ:

- تم لوگ صرف اسی کی عبادت کرو۔
- والدین کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو۔ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ نرمی اور رحم دلی کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کرتے رہو: "اے میرے رب، ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انھوں نے (رحم کے ساتھ) مجھے بچپن میں پالا تھا۔"[15] جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اس سے تمھارا رب بخوبی واقف ہے۔ اگر تم صالح بن کر رہو گے تو (اپنے قصور پر متنبہ ہو کر صحیح رویے کی طرف) پلٹ آنے والوں کے لیے اللہ مغفرت کرنے والا ہے۔
- رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو۔
- فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔
- اگر تمھیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں، جس کے تم امیدوار ہو، ان (رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں) سے منہ موڑنا پڑ جائے تو بہر حال ان سے، بہت نرمی کے ساتھ بات کرو۔[16]
- نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھے رکھو اور نہ اس کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو، کیونکہ اس طرح تم ملامت زدہ اور مصیبت زدہ بن کر رہ جاؤ گے۔

بے شک، تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے، رزق کو کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے،) تنگ کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انھیں دیکھ رہا ہے۔[17]

- اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بے شک، ان کا قتل بہت بڑا جرم ہے۔
- زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، کیونکہ یہ کھلی بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔[18]

o جس جان کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اس کو 'سوائے حق' کے قتل مت کرو۔ جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو، اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے۔ پس (اسے چاہیے کہ) قاتل کو قتل کرنے میں حد سے نہ بڑھے، کیونکہ اس کی مدد کی گئی ہے۔[19]

o یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو، سوائے اس طریقے کے جو اس کے حق میں بہت بہتر ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچ جائے۔

o عہد کی پابندی کرو۔ یقیناً عہد کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا۔

o جب تم ناپ کے ساتھ کوئی چیز دو تو بالکل صحیح طریقے سے اسے ناپو اور (اسی طرح) بالکل صحیح ترازو سے وزن کرو۔ یہ (دنیا کے لحاظ سے بھی) اچھا طریقہ ہے اور آخری انجام کے اعتبار سے بھی یہی طریقہ ہے۔[20]

o کسی ایسی چیز کے پیچھے جاسوسی نہ کرو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔ یقیناً کان، آنکھ اور دل، سب ہی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

o زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کے طول کو پہنچ سکتے ہو۔[21]

درج بالا ساری باتوں کی برائی تیرے رب کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے۔[22]

یہ وہ دانائی کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں۔ (ایک دفعہ پھر سن لو کہ) اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو شریک نہ کرو، ورنہ تم ملامت زدہ اور مردود ہو کر جہنم میں جھونک دیے جاؤ گے۔ ۲۲-۳۹

[۱۴] یہاں سے آگے ۱۸ آیات میں اللہ نے انسان کو دانائی کی چند ایسی باتوں کی نشان دہی کی ہے جن پر چل کر انسان کی آخرت اور دنیا، دونوں سنور جاتی ہیں۔ یہ باتیں تعداد میں دس ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے حاضری کے وقت جو 'احکام عشرہ' دیے تھے، وہ بھی بالکل یہی تھے۔ البتہ تورات کی روایات میں ان میں کچھ کمی بیشی کی گئی جس کی قرآن نے تصحیح کر دی۔

[۱۵] رحم میں محبت کا مفہوم آپ سے آپ شامل ہے، جس طرح والدین اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں، اللہ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

[۱۶] آیت نمبر ۲۸ درحقیقت آیت نمبر ۲۶ ہی کی مزید تشریح ہے۔ یعنی اگر کسی انسان کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہو تو اسے لازماً اپنے کمزور رشتہ داروں، غریبوں اور مسافروں پر خرچ کرنا چاہیے۔ یہ ان کا حق ہے، نہ کہ مال دار کی طرف سے ان پر کوئی احسان۔ البتہ اگر کوئی شخص خود ایک محدود معیشت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہو اور دوسروں کی مدد پر قادر نہ ہو تو اسے چاہیے کہ ہمیشہ محبت آمیز، خوب صورت نرم لہجہ استعمال کرے اور کسی کی دل آزاری نہ کرے۔ ہر انسان پر یہ پورے معاشرے کا حق ہے۔

[۱۷] آیت نمبر ۲۹ بھی درحقیقت آیت نمبر ۲۷ کی مزید وضاحت کر رہی ہے۔ ہر انسان کو چاہیے کہ اپنی پوری زندگی منصوبہ بندی اور تدبیر کے ساتھ گزارے۔ ہر انسان کو ہر معاملے میں معتدل اور درمیانی رویہ اختیار کرنا چاہیے، مثلاً نہ تو فضول خرچی کرنی چاہیے اور نہ کنجوسی کرنی چاہیے، بلکہ ان دونوں کے

درمیان کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ فضول خرچی اور کنجوسی، دونوں شیطانی اور ناشکری کے رویے ہیں۔

[۱۸] زنا کے پاس پھٹکنے کا مطلب اس کی خواہش کو دل میں پالنا، اس کے لیے منصوبے بنانا اور پھر اس منصوبے پر عمل درآمد کی کوشش کرنا ہے۔ اس کوشش کے بعد انسان اس گناہ کی انجام دہی میں یا تو کامیاب ہوجاتا ہے یا ناکام۔ اگر وہ کامیاب ہوجائے تو پورے گناہ کا جرم اس سے سرزد ہوجاتا ہے۔ تاہم اگر وہ اس گناہ کی طرف لے جانے والے راستے پر چلتا ہے تو یہ بھی جرم کی ایک شاخ ہے۔

[۱۹] آیت نمبر ۳۱ اور آیت نمبر ۳۳ میں ایک ہی جرم کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ کی نظر میں قتل انسانی اتنا بڑا جرم ہے کہ ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کو قتل کرنے کے برابر ہے۔ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۳۲ میں وہ دو جرائم بیان کیے گئے ہیں جن کی پاداش میں کسی انسان کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ سرزمین عرب میں، حضورؐ کے وقت میں، بعض قبائل میں اپنی اولاد، خصوصاً اپنی بچیوں کو قتل کرنے کا رواج تھا، تا کہ وہ ان کی معیشت پر بوجھ نہ بننے پائیں۔ آج بھی اس طرح کے رواج غیر مہذب معاشروں میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن نے اس بھیانک جرم کی طرف خصوصی طور پر بھی توجہ دلائی، کیونکہ یہ عام قتل سے بھی بہت بڑا جرم ہے۔

واضح رہے کہ قتل اولاد بالکل الگ چیز ہے اور اولاد کی صحت و تعلیم اور والدین کی صحت وسکون کی خاطر اولاد میں مناسب وقفہ کرنا بالکل الگ چیز ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں اس مناسب وقفے کے لیے عزل (coitus interuptus) کا طریقہ رائج تھا اور صحیح احادیث کے مطابق حضورؐ نے اس کی اجازت دی تھی۔

جس جگہ بااختیار ریاست قائم نہ ہو، وہاں مقتول کے رشتہ داروں کی یہ مجبوری بن جاتی ہے کہ وہ قاتل سے اس جرم کا بدلہ خود لیں۔ قرآن نے اس شرط کے ساتھ یہ اختیار دیا کہ اس میں حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ مثلاً مجرم کے علاوہ دوسروں کو قتل کرنا، مجرم کو اذیت دے دے کر قتل کرنا یا مارنے کے بعد لاش کی بے حرمتی کرنا۔ مکی دور میں کوئی باقاعدہ ریاست نہیں تھی۔ آج بھی دنیا کے کئی خطوں میں باقاعدہ ریاست عملاً موجود نہیں ہے۔ یہ اجازت ایسے ہی حالات کے لیے ہے۔ جب ریاست موجود ہو تو ہر مقدمۂ قتل کی تحقیق و تفتیش اور فیصلے پر عمل درآمد حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ولی کے کئی معنی ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ دوست، سرپرست، محافظ، حامی، مددگار، نگہبان، بچانے والا، کارساز، نمائندہ، وکیل اور وارث کے لیے استعمال ہوا ہے۔

[۲۰] کسی انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بلاضرورت دوسروں کی ذاتی زندگی میں مداخلت کرے اور دوسروں کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ دوسروں کا خط پڑھنا، اعتماد کے ساتھ کی گئی بات کو افشا کرنا یا کسی کے گناہوں کا چرچا کرنا بھی غلط ہے۔ البتہ حکومت کو یقیناً یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانون اور تمام اخلاقی تقاضوں کے تحت کسی مجرم، مشکوک یا سازشی شخص کی جاسوسی کر سکتی ہے۔

[۲۱] تکبر بہت بڑا گناہ ہے۔ زمین کی گہرائی اور پہاڑوں کے طول وعرض کے سامنے بھلا انسان کی کیا حیثیت ہے۔

[۲۲] یعنی درج بالا آیات میں جتنی باتوں کا حکم دیا گیا ہے، ان کا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح ان آیات میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے، ان کو کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، یہی ہدایات ''احکام عشرہ'' کی صورت میں بنی اسرائیل کو بھی دی گئی تھیں، لیکن جس صورت میں بائیبل آج ہمارے پاس موجود ہے اس میں ان میں سے اکثر احکام کو صرف بنی اسرائیل کی نسل تک مخصوص کردیا گیا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ کی پسندیدہ قوم (Chosen people of God) سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے ان میں سے اکثر احکام کو اپنی قوم تک محدود کرڈالا۔ قرآن مجید نے اس کی تصحیح کر کے بتایا کہ یہ احکام

پوری انسانیت کے لیے ہیں۔

ع أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا
فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوا ۚ وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَغَوْا
إِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ
وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا
غَفُورًا ﴿۴۴﴾ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا ﴿۴۵﴾
وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا
عَلٰى أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوٰى إِذْ يَقُولُ
ع الظّٰلِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿۴۸﴾

(اے مشرکینِ مکہ،) کیا تمھارے رب نے تمھارے لیے تو بیٹے مخصوص کیے اور خود اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنا ڈالا؟ یہ بڑی سنگین بات ہے جو تم کہتے ہو۔[۲۳]

ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے طریقوں سے (لوگوں کو) سمجھایا، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، لیکن یہ چیز ان کی بیزاری میں اضافہ کیے جا رہی ہے۔[۲۴]

(اے نبیؐ، ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ کے ساتھ کچھ دوسرے معبود بھی ہوتے، جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، تو وہ عرش والے پر ضرور چڑھائی کر دیتے۔[۲۵] اللہ پاک ہے اور ان باتوں سے بہت بالا اور برتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ ساتوں آسمان، زمین اور وہ ساری چیزیں جو آسمان و زمین میں ہیں، سب اسی اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو، تاہم تم ان کی تسبیح کا شعور نہیں رکھتے[۲۶]۔ بے شک، اللہ بہت ہی نرمی کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

(اے نبیؐ)[۲۷]، جب تم قرآن سناتے ہو تو ہم تمھارے اور ان آخرت کے منکروں کے درمیان ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں، ان کے دلوں پر غلاف اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں کہ اس کو نہ سمجھیں۔ جب تم قرآن میں اپنے رب ہی کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت کے ساتھ پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ جب یہ لوگ تمھاری باتیں کان لگا کر سنتے ہیں تو کس غرض سے کان لگاتے ہیں۔ جب یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں تو یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کے پیچھے چل پڑے ہو — اے نبیؐ، دیکھو یہ لوگ کیسے کیسے فقرے چست کر رہے ہیں۔ یہ بھٹک گئے ہیں، اب انھیں کوئی راستہ نہیں مل رہا۔ ۴۰-۴۸

[۲۳] یعنی ایک تو تم شرک کرتے ہو اور دوسرا یہ کہ جس چیز کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اسے اللہ کے لیے پسند کرتے ہو۔ گویا اس طرح تم اپنے رب کی تحقیر بھی کرتے ہو۔

[۲۴] 'صرفنا' کے معنی ہیں کسی حقیقت کو مختلف اسلوبوں اور طریقوں سے پیش کرنا۔ یہ قرآن مجید کا منفرد اسٹائل ہے کہ انسان اسے جہاں سے بھی کھولے تو ہر دس پندرہ آیات کے اندر توحید اور دوسرے اہم موضوعات آجاتے ہیں۔ ایک صاحب شعور انسان کے لیے اس میں بہت مثبت سبق ہے، جبکہ ایک بے شعور انسان اس سے بے زار ہو جاتا ہے۔

[۲۵] مشرکانہ مذاہب کے تمام قصے کہانیوں میں سارے 'خدا' ہر وقت آپس میں لڑتے بھڑتے آتے ہیں، جبکہ پوری کائنات اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس میں حیرت انگیز توازن، ہم آہنگی اور سخت ترین قوانین کی پابندی موجود ہے۔

[۲۶] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کو ہم بظاہر بے جان سمجھتے ہیں ان میں ایک خاص طرح کا شعور موجود ہے۔

[۲۷] آگے کی آیات میں ان منکرین کا بیان ہے جن پر اتمام حجت ہو چکا تھا اور اس کے بعد اللہ نے ان کے لیے حق کا راستہ بند کر دیا تھا۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾
اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ
اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ
بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ
بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ
يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ

فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

یہ منکرینِ حق کہتے ہیں کہ جب ہم صرف ہڈیاں اور ریزہ ریزہ رہ جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے (پیدا کر کے) اٹھائے جائیں گے؟ اے نبیؐ، (ان سے) کہو: ''خواہ تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمھارے خیال میں ان سے بھی سخت ہو۔ (پھر بھی تمھیں لازماً اٹھایا جائے گا۔)'' پھر یہ لوگ پوچھیں گے کہ ''ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟'' (ان سے) کہہ دو: ''وہی (اللہ) جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا۔'' پھر وہ تمھارے آگے سر ہلائیں گے[۲۸] اور پوچھیں گے: ''یہ کب ہوگا؟'' (ان سے) کہہ دو: ''عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہی آ پہنچا ہو جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے اور اس وقت تمھارا گمان یہ ہوگا کہ ہم بس تھوڑی ہی دیر (اس حالت میں پڑے) رہے ہیں۔''

(اے نبیؐ)، میرے بندوں (یعنی اہلِ ایمان) سے کہہ دو: ''زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو[۲۹]۔ بے شک، شیطان انسانوں کے درمیان وسوسہ اندازی کرتا رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (غیر مسلموں سے کہو کہ) تمھارا رب تم لوگوں کو خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے گا تو تم پر رحم کرے گا اور اگر وہ چاہے گا تو تم کو سزا دے گا[۳۰]۔''

(اے نبی)، ہم نے تم کو لوگوں پر نگرانی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا[۳۱]۔ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات کو تیرا رب خوب جانتا ہے۔ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیے اور داؤدؑ کو ہم نے ہی زبور عطا کی تھی[۳۲]۔ ۴۹-۵۵

[۲۸] یعنی تمھارے ہر جواب کے بعد بھی یہ لوگ نہ مانتے اور مذاق اڑانے کے انداز میں تم سے سوالات کیے ہی جائیں گے۔

[۲۹] جب قرآن مجید میں کچھ منکرین حق کے متعلق سخت باتیں نازل ہوئیں تو مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ شاید ہمیں بھی ان منکرین حق کو سخت بات کہنے کی اجازت ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کو اس سے روکا اور کہا کہ دراصل قرآن تو صرف ان منکرین حق کے متعلق سخت زبان استعمال کر رہا ہے جن پر اتمام حجت ہو چکا ہے۔ چونکہ تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ غیر مسلموں میں سے کس پر اتمام حجت ہو چکا ہے اور کس پر نہیں ہوا، اس لیے تمھیں کسی بھی مخالف اسلام کے ساتھ سخت زبان میں گفتگو کا حق نہیں ہے۔

[۳۰] یہ بات اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون رحم کا مستحق ہے اور کون سزا کا۔ مومنوں کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ دوسروں کو اسلام کا پیغام بھرپور طریقے سے پہنچا دیں۔

[۳۱] گویا صرف مومن ہی نہیں، بلکہ پیغمبر پر بھی ذمہ داری نہیں کہ لازماً سب کو مسلمان بنائیں۔

[۳۲] ہر پیغمبر کو اللہ نے کچھ امتیازی پہلو عنایت فرمائے اور کچھ اعتبارات سے ان کو دوسروں پر فضیلت بخشی۔ باقی رہی یہ بات کہ کس پیغمبر کی بات مخاطبین نے زیادہ تعداد میں مان لی ہے، اس کا تعلق اللہ سے ہے۔ مثلاً حضرت داؤدؑ کی فضیلت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آسمانی کتابوں میں ان کو ایک

کتاب عطا ہوئی جو تمام تر حمد کی نظموں پر مشتمل ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط اِنَّ عَذَابَ
رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿٥٧﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا
شَدِيْدًا ط كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿٥٨﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط
وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ط وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿٥٩﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ
بِالنَّاسِ ط وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ط وَنُخَوِّفُهُمْ لا فَمَا
يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿٦٠﴾ ع وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ ع ٦ ٨ ٦
خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ ج قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ ز لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ
اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ط
وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ط وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾

اے نبیؐ، (ان مشرکین سے) کہو: ”جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا اپنا کام بنانے والا سمجھتے ہو ان کو پکار دیکھو۔ نہ تو وہ تم سے کسی
مصیبت کو دفع کر سکتے ہیں، نہ اسے ٹال سکتے ہیں۔“ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے قریب جانے کی طلب میں
سرگرم ہیں کہ ان میں سے کون اللہ سے سب سے زیادہ قربت حاصل کرتا ہے۔ یہ لوگ تو خود اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور
اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کی چیز۔

کوئی بستی ایسی نہیں ہے جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اس کو کوئی سزا نہ دیں۔ یہ بات اللہ کے ہاں لکھی ہوئی ہے۔ ۳۴
(جہاں تک ان مشرکینِ عرب کا معاملہ ہے تو) ہم کو صرف اس چیز نے نشانیاں بھیجنے سے روک رکھا ہے کہ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ ایسی ہی نشانیوں کو جھٹلا چکے تھے۔ (اگر یہ مشرکینِ عرب بھی ایسی نشانیوں کو جھٹلا دیں تو ان پر لازماً سزا کا نفاذ ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ) ثمود کو ہم نے علانیہ اونٹنی لا کر دی اور انھوں نے اس پر ظلم کیا۔ ہم تو نشانیاں صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ لوگ انھیں دیکھ کر ڈریں۔

(اے نبیؐ)، یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا کہ تمھارے رب نے ان لوگوں (یعنی منکرینِ حق) کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ وہ
رؤیا جو ہم نے تم کو دکھائی اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، اس کو ہم نے ان لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ ہی بنا دیا ہے۔ ۳۵
ہم انھیں تنبیہ کیے جا رہے ہیں، لیکن ہر تنبیہ ان کی بدترین سرکشی میں اضافہ ہی کیے جا رہی ہے۔

(یہ منکرینِ حق اس طرح کی سرکشی ابلیس کی پیروی میں کر رہے ہیں۔) وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ وہ کہنے لگا: ''کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟'' (پھر وہ بولا: ''اے اللہ،) تو دیکھ کہ جس آدم کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے، اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو میں اس کی ساری نسل کو چٹ کر جاؤں گا۔ بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے۔'' اللہ نے فرمایا: ''جاؤ، ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں گے، تجھ سمیت ان سب کے لیے جہنم کی بھرپور سزا ہے۔ ان میں سے جس جس پر تیرا بس چلے اس کو اپنی دعوت سے پُھسلا لے۔
بے شک، ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لاؤ، مال اور اولاد میں ان کے ساتھ حصہ دار بن جاؤ اور ان کو وعدوں کے جال میں پھانس لو۔ ۳۶
— بے شک، شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں — یقیناً میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اور کارسازی کے لیے تیرا رب کافی ہے۔'' ۶۵-۵۶

[۳۳] بہت سے مشرکین ماضی کے نیک افراد کو اپنی دانست میں اللہ کے انتہائی قریب سمجھتے ہوئے یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید اب قدرت کے کاموں میں وہ بھی حصہ دار بن گئے ہیں۔ یہاں قرآن نے اس وہم کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ کوئی انسان خواہ کتنا ہی زیادہ نیک ہو، وہ بندہ ہی رہتا ہے۔

[۳۴] 'قَرۡيَة' سے مراد کسی قوم کی مرکزی بستی ہے۔ گویا یہ لفظ بطور استعارہ کسی قوم یا تہذیب کے لیے آتا ہے۔ اس آیت میں 'ہلاک کرنے' سے مراد کسی قوم یا تہذیب کی طبعی موت (Natural Death) ہے اور 'مُعَذِّبُوهَا' کا مطلب ہے کسی قوم کو اللہ کی طرف سے سزا دینا۔ جتنی بھی اقوام یا تہذیبیں ہیں، وہ اسی قانونِ قدرت کے تحت ابھرتی بھی ہیں اور زوال کا شکار بھی ہوتی ہیں۔ یہ زوال اور کمزوری بھی اللہ کی طرف سے دراصل ایک سزا ہے۔ اس طرح انسانیت کی آزمایش، اس کا ارتقا اور چھوٹی اقوام کی زندگی برقرار رہتی ہے۔ انسانی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند ایسے عوامل ہیں جن کی بنیاد پر ہر قوم

عروج وزوال کا شکار ہوتی ہے۔ مثلاً جمہوریت، دیانت داری، انصاف، میرٹ، محنت، ملک کے قانون کی پابندی، محروم طبقات کی خدمت، تدبر وحکمت، تعلیم، اور سائنس اور ٹیکنالوجی پر دسترس۔ ایک اور عامل یہ ہے کہ کیا ایک قوم صحیح حکمت عملی سے مسلسل کام لیتی ہے یا نہیں۔

درج بالا عوامل کے مطابق مختلف اقوام اور تہذیبیں عروج وزوال کا شکار ہوتی رہتی ہیں۔

[۳۵] یہاں ان لوگوں کے متعلق بیان ہے جن پر اتمام حجت ہو چکا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے واقعات سے ان کو خبردار کیا تو انھوں نے حضور کا مذاق اڑایا کہ (نعوذ باللہ) اس شخص کو تو چند سو ساتھی بھی نہیں مل رہے اور کہتا ہے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی چابیاں اس کے حوالے کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح جب قرآن میں 'زقوم' کے درخت کا بیان ہوا تو ان لوگوں نے طنز کیا کہ یہ جہنم کی کیسی آگ ہے، جس میں درخت بھی اگتے ہیں۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں بھی ان منکرین حق کے لیے آزمایش اور عذاب کا سبب بن گئیں۔

اس آیت میں واقعۂ معراج کے لیے 'رؤیا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی خواب کے ہیں۔ پیغمبر کا خواب بھی ایک حقیقت ہوتا ہے اور یہ وحی میں شامل ہوتا ہے۔ اس لیے پیغمبر کے خواب اور عملاً کھلی آنکھوں سے کوئی واقعہ دیکھ لینے کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔

[۳۶] ابلیس اور اس کے جنوں اور انسانوں میں سے ساتھی ہمیشہ دوسرے انسانوں کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو طاقت ور بننے، مال دار بننے اور دنیا میں قیادت حاصل کرنے کی خواہشات کو پورا کرنے کا جھانسا دے کر اپنا ساتھی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۙ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ ع يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

(اے انسانو)، تمھارا رب وہی ہے جو تمھارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے، تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بے شک، وہ تمھارے حال پر نہایت مہربان ہے۔ جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس اللہ کے سوا جن دوسروں کو تم پکارتے ہو، وہ سب غائب ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب وہ اللہ تم کو خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو۔ ایسا انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے۔ (اے ناشکرگزار انسانو،) کیا تم اس بات سے بالکل بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ کسی وقت تمھیں خشکی پر ہی زمین میں دھنسا دے یا تم پر تیز آندھی بھیج دے؟ اس وقت تم کسی کو بھی اپنا کارساز نہ پاؤ گے۔ کیا تم اس سے بھی بالکل بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تمھیں دوبارہ اسی سمندر میں لوٹا دے اور پھر تمھاری ناشکری کے نتیجے کے طور پر تم پر سخت طوفانی ہوا بھیج کر تمھیں غرق کر دے؟ اس وقت تمھیں ایسا کوئی بھی نہ ملے گا جو اس پر ہمارا پیچھا کرے۔[۳۷]

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی،[۳۸] انھیں خشکی اور سمندر، دونوں میں سواریاں عطا کیں، ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی۔ (اے انسانو، اس دن کا خیال رکھو،) جبکہ ہم ہر (انسانی) گروہ کو اس کے رہنما سمیت بلائیں گے۔[۳۹] اس وقت جن لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ اپنے اعمال نامہ کو پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ البتہ جو انسان اس دنیا میں (حق کی طرف سے) اندھا بن کر رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا، بلکہ (راستہ پانے میں) اس سے بھی زیادہ ناکام رہے گا۔ ۶۶-۷۲

[۳۷] ہر انسان کو یہ بات ہر وقت ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس کی زندگی کی مہلت کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے اور پھر اسے اللہ کے آگے جواب دہ ہونا ہے۔ چنانچہ اسے ناشکری کا رویہ کبھی اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

[۳۸] اللہ نے انسانوں کو بحیثیت گروہ عزت بخشی ہے۔ یہ عزت انسان کے عقل و فہم اور آزادی و اختیار کی وجہ سے ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انسانوں پر ظلم کرنا، ان کی حق تلفی کرنا اور ان کو غلام بنانا صحیح نہیں ہے۔

[۳۹] اس سے مراد وہ گروہ ہیں جو اپنے رہنما کی مکمل پیروی کرتے رہے، خواہ وہ پیروی صحیح راستے کی طرف تھی یا غلط راستے کی طرف۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ

خِلَافَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ع
لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ
بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ
وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

(اے نبیؐ)، بے شک قریب تھا کہ یہ حق کے منکر تم کو فتنوں میں ڈال کر اس چیز سے ہٹا دیتے جو ہم نے تم پر وحی کی ہے، تا کہ تم اس سے کوئی مختلف بات ہمارے نام پر گھڑ کر اپنی طرف سے پیش کرتے۔ (اگر تم ایسا کرتے) تو یہ لوگ تمھیں ضرور اپنا دوست بنا لیتے۔ اگر ہم نے تم کو مضبوط نہ رکھا ہوتا تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک پڑتے[۴۰]۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم تمھیں زندگی اور موت، دونوں کا دوگنا عذاب چکھاتے اور پھر تم ہمارے مقابلے میں اپنا کوئی مددگار نہ پاتے[۴۱]۔

(اے نبیؐ)، یہ منکرینِ حق اب اس سرزمین (یعنی مکہ) سے تمھارے قدم اکھاڑ دینے کی پوری کوشش کر رہے ہیں، تا کہ تم کو یہاں سے نکال باہر کریں۔ اگر ایسا ہو گیا تو تمھارے بعد یہ لوگ خود بھی یہاں زیادہ دیر ٹکنے نہ پائیں گے۔ ہم نے تم سے پہلے اپنے جو رسول بھیجے، ان کے بارے میں ہماری سنت کو یاد رکھو۔ اور تم ہماری اس سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے[۴۲]۔

(اے نبیؐ)، نماز کا اہتمام رکھو، زوال کے اوقات سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک اور خاص کر فجر کی قراءت کا۔ بے شک، فجر کی قرات بڑی ہی حضوری کی چیز ہے[۴۳]۔ رات کو تہجد پڑھو، یہ تمھارے لیے اضافی (نماز) ہے[۴۴]۔ توقع رکھو کہ تمھارا رب تمھیں مقامِ محمود پر فائز کرے گا[۴۵]۔

(اے نبیؐ)، دعا کرو: ''اے میرے رب، تو (مجھے جہاں) داخل کرے، عزت کے ساتھ داخل کر اور (جہاں سے) نکالنا چاہے، عزت کے ساتھ نکال اور مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار اقتدار نصیب کر دے[۴۶]۔''

اے نبیؐ، اعلان کرو: ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ یقیناً باطل مٹنے والی چیز ہے[۴۷]۔'' ۷۳-۸۱

[۴۰] یعنی اگر تمھارے بجائے کوئی عام انسان ہوتا تو یہ عین ممکن تھا کہ وہ ان تمام مشکلات کا سامنا نہ کر سکتا۔ لیکن چونکہ تمھیں بحیثیت رسول اللہ کی خاص

مدد حاصل ہے، اس لیے تم ان کے مقابلے میں مضبوط رہے۔

[۴۱] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس انسان پر حق بات بالکل واضح ہو، اگر وہ آزمایشوں سے گھبرا کر، اس راستے کو چھوڑ کر باطل کی آسان زندگی اختیار کرلے تو ایسے فرد کو اللہ دنیا اور آخرت، دونوں میں سخت سزا دیتا ہے۔

[۴۲] یہاں قرآن نے مستقبل کے حالات کے متعلق ایسی پیشین گوئی کی ہے جو چند برس کے اندر اندر مکمل طور پر پوری ہوئی۔ قرآن مجید نے یہاں بتادیا کہ یہ لوگ تمھیں مکے سے نکال دیں گے اور اس کے بعد بہت جلد مکے پر ان کا اقتدار بھی ختم ہوجائے گا اور ان کو شکست فاش مل جائے گی۔ قرآن نے مزید بتایا کہ پچھلے سارے رسولوں کے معاملے میں بھی یہی ہو چکا ہے کہ رسول کے مخالفین کو ختم کر دیا گیا اور رسول کے ساتھیوں کو دنیا میں بھی مخالفین پر فیصلہ کن غلبہ عطا ہوا۔ یہ اللہ کی مستقل سنت یعنی اس کا قانون ہے۔ یہ قانون تمھارے لیے بھی اسی طرح عمل میں آئے گا جس طرح تم سے پہلے رسولوں کے لیے یہ قانون عمل میں آچکا ہے۔

[۴۳] اس آیت میں قرآن نے دن رات کی پانچ نمازوں کی ہدایت کی۔ 'دُلُوك' کے معنی زوال کے ہیں۔ سورج کے زوال کے تین درجے ہیں، ایک جب وہ دن کے نصف سے ڈھل جاتا ہے۔ دوسرا جب وہ آنکھوں کی سیدھ سے نیچے کی طرف جھکتا ہے (اسے عربی میں 'مرأی العین' کہتے ہیں) اور تیسرا جب وہ افق سے غائب ہوتا ہے۔ یہ تینوں اوقات ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں کے ہیں۔ 'غسق الیل' سے مراد نماز عشا ہے۔ فجر کے وقت کے لیے خصوصاً قراءت کا ذکر اس لیے کر دیا گیا کہ اس میں لمبی قراءت نہایت پسندیدہ ہے۔

[۴۴] 'نافلة' کا مطلب ہے وہ چیز جو اصل پر زائد ہو یعنی تمام مسلمانوں کے لیے فرض نمازیں تو درج بالا پانچ ہیں، لیکن حضورؐ کے لیے تہجد کی نماز بھی ایک اضافی لازم نماز ہے۔ جبکہ باقی امت کے لیے یہ لازم نہیں، بلکہ نہایت فضیلت کی نماز ہے۔

[۴۵] مقام محمود کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں ایک ایسا مقام مل کر رہے گا جب ایک عظیم امت کی زبانوں پر تمھارے لیے ترانۂ حمد ہوگا اور وہ تم سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبت کریں گے۔

[۴۶] یہ صرف ایک دعا نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے ایک عظیم بشارت ہے جو نہایت پرخطر حالات میں آپ کو دی گئی۔ جب اللہ نبی کو کوئی دعا سکھاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا لازماً ہو کر رہے گا۔ اس آیت کے ذریعے سے آپؐ کو ہجرت کا اشارہ دیا گیا اور آپؐ کو یہ بھی بتایا گیا کہ آپؐ کا نکلنا اور داخل ہونا، دونوں عزت و وقار اور اللہ کی مدد کے ساتھ ہوگا۔ اللہ کی طرف سے آپؐ کے داخلے کا انتظام پہلے سے ہی ہو چکا ہے اور اب آپؐ کو ایک ایسی جگہ لے جایا جائے گا جہاں آپؐ کو پہلے دن سے ہی اقتدار اور غلبہ ملے گا۔

• ان آیات میں ہمارے لیے رسالت محمدی کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔

[۴۷] قرآن کی طرف سے یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب انتہائی نازک حالات تھے اور اسلام کی فتح کا دور دور تک کوئی نام و نشان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن چونکہ ہجرت درحقیقت رسول کی فتح کی ابتدا ہوتی ہے جس کے بعد رسول کے مخالفین لازماً مٹ جاتے ہیں اور دین حق کا غلبہ ہوجاتا ہے، اسی لیے حضورؐ سے کہہ دیا گیا کہ آپؐ ابھی سے یہ اعلان کر دیجیے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مخالفین اسلام کو یہ اعلان محض ایک مذاق معلوم ہوا ہوگا، لیکن چند ہی سال گزرنے کے

بعد زمانے نے دیکھا کہ فتح مکہ کے دن حضورؐ کعبہ میں موجود بتوں پر ضرب لگا رہے تھے اور آپؐ کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی۔ اس آیت کے آخری حصے میں قرآن نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انسانی فطرت کے اندر باطل کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ اگر حق کی طرف دعوت دینے والے صحیح قول و عمل اور حکمت و تدبر کے ساتھ بھرپور طریقے سے کام کرتے رہیں تو باطل نابود ہو کر رہتا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى
الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ع۹
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ ۙ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ
رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ
كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ ۙ
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ
عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ
نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع ع۱۰

ہم اس قرآن میں سے جو کچھ نازل کر رہے ہیں وہ اہلِ ایمان کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ لیکن یہی چیز ظالموں کے لیے ان کے نقصان میں اضافہ کر رہی ہے۔ (اس ظالم) انسان پر جب ہم اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ ہم سے چشم پوشی کرتا ہے اور پیٹھ موڑ لیتا ہے اور جب وہ مصیبت سے دوچار ہو جاتا ہے تو مایوس ہونے لگتا ہے۔[۴۸] اے نبیؐ، (ان لوگوں سے) کہہ دو: ”ہر ایک اپنی روش پر عمل کر رہا ہے اور تمھارا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح تر راستے پر ہیں۔“

(اے نبیؐ)، یہ لوگ تم سے 'الروح' [49] کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو: ''الروح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں تو بس تھوڑا سا علم عطا ہوا ہے [50]۔'' اے نبیؐ، اگر ہم چاہیں تو اس وحی کو چھین لیں جو ہم نے تم پر کی ہے پھر تم ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاسکو گے یہ تو بس تمھارے رب کی رحمت ہے۔ یقیناً اس کا فضل تم پر بہت بڑا ہے [51]۔ اے نبیؐ، کہہ دو کہ ''اگر انسان اور جن، سب کے سب مل کر اس جیسا قرآن لانے کی کوشش کریں تو ہرگز نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہوں [52]''۔

ہم نے لوگوں کو اس قرآن میں طرح طرح سے سمجھایا، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ انکار ہی پر اڑے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں: ''ہم تمھاری بات نہ مانیں گے حتیٰ کہ تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کردو یا تمھارے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور تم اس کے درمیان میں نہریں جاری کردو یا تم آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرادو، جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو، یا تم اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کردو یا تمھارے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمھارے چڑھنے کو بھی صرف اسی وقت مانیں گے، جب تم وہاں سے ہم پر ایک کتاب اتاردو جسے ہم پڑھیں۔''

— (اے نبیؐ، ان سے) کہو: ''میرا رب پاک ہے۔ میں تو بس ایک بشر ہوں، اللہ کا رسول [53]۔'' ۸۴-۹۳

[۴۸] ایک مومن اللہ کے انعام کے وقت شکر بجالاتا ہے اور تکلیف کے وقت صبر کرتا ہے۔ لیکن توحید اور روزِ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والا انسان نعمت کے وقت غرور کرتا ہے اور مصیبت کے وقت مایوس ہوجاتا ہے۔

[۴۹] یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہے۔ جس طرح جسم کی زندگی عقل وفہم اور ذہن کی وجہ سے ہے، اسی طرح عقل وذہن کی زندگی وحی الٰہی سے ہے۔

[۵۰] یعنی یہ وحی الٰہی میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھارا علم اتنا تھوڑا ہے کہ تم اس وحی کا شعور نہیں کرسکتے۔

[۵۱] یہاں بھی قرآن نے اسی اسلوب سے کام لیا ہے، جس کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے ایک بات اصل میں مخالفین اسلام کو سنانی مقصود ہوتی ہے۔

[۵۲] چونکہ قرآن مجید کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے، اس لیے اگر باقی سارے انسان وجنات مل کر اس کے مقابلے میں ایک دوسرا عقیدہ تصنیف کرکے اس عقیدے کے لیے ایسی پر اثر کتاب بنانا چاہیں تو یہ ناممکن ہے۔

[۵۳] دشمنانِ دین کے مقابلے میں اللہ کا رسول ہمیشہ خالص اصولی حیثیت میں کھڑا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ کہلوا دیا کہ تم مجھ سے جتنے بھی مافوق الفطرت (Super Natural) مطالبات کررہے ہو، میں ان میں سے کسی کو بھی پورا نہیں کروں گا، کیونکہ میں ایک انسان ہوں جس کا کام اللہ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچانا ہے اور بس۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ
لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ط وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ط مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ
كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ط فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ
رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۷

جب ان لوگوں کے پاس اللہ کی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو اس قول نے روکا: ''کیا اللہ نے ایک بشر ہی کو رسول بنا کر بھیج دیا؟'' اے نبیؐ، (ان سے) کہو کہ ''اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان کے لیے آسمان سے کسی فرشتے ہی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتے۔''

(اے نبیؐ، ان سے) کہہ دو: ''میرے اور تمھارے درمیان بس ایک اللہ ہی گواہی کے لیے کافی ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔''[۵۴]

جس شخص کو اللہ (اپنے قانون کے مطابق) ہدایت دے گا، وہی ہدایت پانے والا بنے گا اور جسے اللہ (اپنے قانون کے مطابق،) گمراہ کرے گا تو تم ان کے لیے اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔[۵۵] ان مجرموں کو ہم قیامت کے دن اوندھے منہ اندھوں، گونگوں اور بہروں کی طرح اکٹھا کریں گے۔[۵۶] ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اس کو اور بھڑکا دیں گے۔ یہ ان کا بدلہ ہے، اس لیے کہ انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ ''جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائیں جائیں گے؟ (ایسا تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔)'' کیا ان منکرینِ آخرت نے یہ نہ سوچا کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان سب کو دوبارہ پیدا کرے۔ اللہ نے ان سب کے لیے ایک مدت مقرر کی ہے جس (کے آنے)

میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن یہ ظالم انکار ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔

(اے نبیؐ، ان منکرینِ حق سے) کہہ دو کہ "اگر میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تم مالک ہوتے تو تم خرچ ہوجانے کے اندیشے سے ہاتھ روک لیتے۔ یہ (ظالم) انسان بڑا ہی تنگ دل ہے۔" [۵۷] ۹۴-۱۰۰

[۵۴] یعنی اللہ ہی اس بات کی گواہی دے گا کہ آیا تم پر ابھی تک میری رسالت کی صداقت واضح نہیں ہوئی یا تم سب کچھ سمجھ کر بھی بہرے اور گونگے بن رہے ہو۔

[۵۵] اس ضمن میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو انسان اپنے عقل وفہم سے انصاف کے ساتھ کام لیتا ہے، اللہ اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھول دیتا ہے۔ اور جو انسان ضد، انانیت، نفسانی خواہشات اور تعصب کے راستے پر چلنا چاہتا ہے تو اللہ اس کے لیے وہی راستہ آسان کر دیتا ہے۔

[۵۶] یعنی جس طرح اندھے، گونگے اور بہرے کسی کی مزاحمت نہیں کر سکتے، اسی طرح یہ لوگ بھی قیامت کے دن اکٹھے ہونے سے انکار نہ کر سکیں گے۔

[۵۷] مشرکین قریش اس بات پر حضورؐ سے بہت حسد کرتے تھے کہ رسالت کی رحمت ان میں سے کسی فرد پر اترنے کے بجائے اس شخص پر کیوں نازل ہوئی۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کی صفات وکمالات کا عشرِ عشیر بھی ان میں سے کسی کے پاس نہ تھا۔ یہ لوگ تو اتنے تنگ دل تھے کہ اگر ان کو بے انتہا خزانوں کا مالک بنا دیا جاتا تو یہ اس میں سے بھی کنجوسی کرتے۔ اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ ان میں سے کسی کو پیغمبری کا منصب عطا کیا جاتا۔ اللہ نے یہ منصب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خاص اس لیے عطا کیا کہ آپؐ کو رحمۃ للعالمین بنانا مقصود تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ
يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّيْ
لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا
مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ
وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ
وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ
يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ

ںِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدة قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ
ںۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ
لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

نے موسیٰؑ کو نو (۹) واضح نشانیاں عطا کیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب موسیٰؑ سامنے آئے تو فرعون نے یہی کہا:
وسیٰؑ، میں تو تم کو ایک سحر زدہ آدمی سمجھتا ہوں۔'' موسیٰؑ نے جواب دیا: ''تجھے خوب معلوم ہے کہ ان نشانیوں کو زمین و آسمان کے
نے نازل کیا ہے، تاکہ سب کی آنکھیں کھل جائیں۔ اے فرعون، میں تو تم کو ہلاکت زدہ آدمی سمجھتا ہوں۔''[58]

ر کار فرعون نے ارادہ کیا کہ بنی اسرائیل کے قدم اس سرزمین (مصر) سے اکھاڑ دے، لیکن ہم نے اس کو ساتھیوں سمیت اکٹھا
دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم اس سرزمین (فلسطین) میں رہو بسو۔[59] پھر جب آخرت کے وعدے کا
را ہو جائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا حاضر کر دیں گے۔

ں قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ اترا ہے۔[60] اے نبیؐ، ہم نے تم کو صرف ایک بشیر (یعنی ایمان
جنت کی بشارت دینے والا) اور نذیر (یعنی غافل لوگوں کو آخرت کے دن سے خبردار کرنے والا) بنا کر بھیجا ہے۔ اس قرآن کو ہم
تھوڑا کر کے اس لیے نازل کیا ہے، تاکہ تم ٹھیر ٹھیر کر اسے لوگوں کو سناؤ اور اسے ہم نے خود (موقع موقع سے) بتدریج اتارا ہے۔[61]
ے نبیؐ)، ان لوگوں سے کہہ دو: ''خواہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جن لوگوں کو اس سے پہلے 'العلم' دیا گیا ہے،[62] انھیں جب یہ سنایا
تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب۔ یقیناً ہمارے رب کا وعدہ تو لازماً پورا ہونا
نہ کے بل روتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اس قرآن کو سن کر ان کی عاجزی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔''[63]

ے نبیؐ)، کہہ دو: ''(اس ہستی کو) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے پکارو، سب اچھے نام اسی کے ہیں۔[64]

ے نبیؐ)، تم اپنی نماز (یعنی نمازِ تہجد) کو نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت پست آواز سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان کا
ر کرو۔[65]

ے نبیؐ)، کہو: ''ساری تعریف اور شکر اس اللہ کے لیے ہے جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔ وہ

عاجز بھی نہیں ہے کہ اس کو کسی مددگار کی حاجت ہو'' اے نبیؐ، اس کی بڑائی اس طرح بیان کرو، جیسا کہ اس کا حق ہے۔[۶۶] ۱۰۱-۱۱۱

[۵۸] یعنی پروردگار کی طرف سے موسیٰؑ کو عطا کی ہوئی نو نشانیاں فرعون کو تکبر و تعصب کے راستے سے نہ ہٹا سکیں۔ اگر حضورؐ پر بھی اس طرح کی نشانیاں اتار دی جائیں تو یہ ظالم ان کا بھی اسی طرح انکار کر دیں گے۔

[۵۹] یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے مصر سے ہجرت کی اور اس کے بعد اللہ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو تباہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو ایک سرزمین عطا کی، بالکل اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کریں گے، ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیا جائے گا اور یہ سرزمین حضورؐ کے ساتھیوں کے لیے لکھ دی جائے گی۔

[۶۰] یعنی یہ قرآن خالص صداقت کو لے کر نازل ہوا ہے۔ کسی باطل کی آمیزش اس میں ممکن نہیں ہے۔

[۶۱] یہاں اللہ نے اس بات کا جواب دیا ہے کہ قرآن کو موقع و حالات کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ کر اپنے فکر و عمل کا جز بنائیں اور یہ اچھی طرح ان کے ذہن نشین ہو جائے۔ حضورؐ کی زندگی کے حالات کے مطابق اس کا نزول اس لیے بھی ضروری تھا کہ حضورؐ کے زمانے میں اہل ایمان کو بروقت رہنمائی مل جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد اس کو پڑھنے والے سارے اہل ایمان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی ساری جدوجہد مکمل طور پر زندہ و پائندہ رہے۔ اس طرح وہ اس پوری جدوجہد سے واقف بھی رہیں گے اور یہ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ثبوت بھی بن جائے گا۔

[۶۲] یہاں وہ اہل کتاب مراد ہیں جن کو تورات اور انجیل کا علم دیا گیا تھا اور وہ پوری سنجیدگی اور انصاف کے ساتھ اس پر غور و فکر کرتے تھے۔

[۶۳] حضورؐ کے زمانے کے سچے اہل کتاب کو قرآن مجید میں صاف طور پر آسمانی کتابوں کا عکس نظر آتا تھا اور وہ قرآن کو اپنے پیغمبروں اور صحیفوں کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق سمجھتے تھے۔

[۶۴] سب اچھی صفات اللہ کے لیے ہیں اور اس کی صفت رحمت اس کی باقی تمام صفات پر حاوی ہے۔

[۶۵] حضورؐ کی خاص نماز، نماز تہجد تھی۔ باقی نمازوں کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ فجر، مغرب اور عشا کی نماز جب اجتماعی پڑھی جائے تو اس کا ایک مخصوص حصہ امام بلند آواز کے ساتھ پڑھے، جبکہ ظہر و عصر کی نمازوں میں صرف تکبیر بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت ہے۔ انفرادی طور پر فرض نمازیں پڑھنے کی صورت میں انھیں پست آواز کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔ چنانچہ یہاں تہجد کی نماز کے بارے میں یہ حکم دیا گیا کہ اس کو نہ بلند آواز سے پڑھا جائے نہ پست آواز سے۔ گویا اس نماز میں آواز اس طرح رکھی جائے جیسے انسان اپنے اللہ سے سرگوشی کر رہا ہو۔

[۶۶] ہر اہل ایمان کو چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اسی طرح اللہ کی بڑائی بیان کرے جیسے حضورؐ بیان کرتے تھے۔

درج بالا آیت کے ساتھ اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ کہف مکیّۃ

[۱۸]

نام

اس سورہ کی نویں آیت میں یہ لفظ ''الکہف'' استعمال ہوا ہے جس کی وجہ سے اس سورہ کو اسی نام سے پکارا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور موضوع

سابقہ سورتوں کی طرح یہ سورہ بھی مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئی، چنانچہ اس سورہ میں وہ تمام مضامین زیر بحث آئے ہیں جو اس سے پہلے سورتوں میں موجود ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ اس سورہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت یہود و نصاریٰ میں کچھ لوگ اسلام کی طرف مائل ہو رہے تھے اور کچھ لوگ اسلام کی مخالفت میں قریش کے مخالفین اسلام کو کچھ ایسے سوالات بھی سکھا رہے تھے جن کا جواب، ان کے خیال میں، (نعوذ باللہ) حضورؐ کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس سورہ میں ایسے ہی چند سوالات کا جواب دیا گیا۔ ان میں سے ایک سوال اصحاب کہف سے متعلق تھا، دوسرا سوال خضر و موسیٰ اور تیسرا سوال قصۂ ذوالقرنین سے متعلق تھا۔ نہ صرف یہ کہ قرآن مجید نے ان سوالات کے جواب دیے، بلکہ یہ جوابات اس طریقے سے دیے کہ اس سے تمام انسانوں اور اہل ایمان کے سامنے بہت سی اصولی باتیں اور عبرت کے کئی نکات آ گئے۔ ان نکات کا زیادہ تر تعلق آخرت سے ہے۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سورہ کا ایک خصوصی موضوع آخرت ہے۔

رکوعاتہا ۱۲ — سُوْرَۃُ الْکَھْفِ مَکِّیَّۃٌ — آیاتہا ۱۱۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ
لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّیُنْذِرَ
الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِھِمْ ط کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ط
اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا
جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْھَا صَعِیْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾ ط

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ساری تعریف اور شکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں اس نے کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی۔ بالکل ہموار اور مضبوط کتاب، تا کہ یہ کتاب جھٹلانے والوں کو (اللہ کی) سخت سزا سے آگاہ کردے اور نیک عمل کرنے والے اہل ایمان کو خوش خبری دے دے کہ ان کے لیے بہت اچھا اجر ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(یہ کتاب اسی لیے نازل ہوئی ہے کہ) ان لوگوں کو خبردار کردے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ ان لوگوں کو اس (معاملے کے) بارے میں کوئی علم نہیں ہے اور نہ ہی ان کے بزرگوں کو تھا۔ نہایت ہی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔ یہ لوگ خالصتاً جھوٹ بول رہے ہیں۔

(اے نبیؐ)، شاید تم ان حق سے انکار کرنے والوں کے پیچھے ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے غم کے مارے اپنی جان کھودو گے۔

بے شک، اس سرزمین کے اوپر سارے ساز وسامان کو ہم نے اس زمین کی زینت بنایا ہے، تا کہ ہم لوگوں کا امتحان کریں کہ ان میں اچھے عمل کرنے والا کون بنتا ہے[۲]۔ آخر کار ایک دن آئے گا جب ہم زمین کے اوپر ان سب چیزوں کو ایک چٹیل میدان بنا دیں گے۔ ۱-۸

[۱] 'عوجا' کے معنی ہیں: ایسی ٹیڑھی بات جو سمجھ میں نہ آسکے یا جو صراط مستقیم سے ہٹی ہوئی ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین کے قرآن بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

[۲] حضورؐ انسانیت سے اپنی محبت کی وجہ سے دن رات اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح یہ سب لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ قرآن نے اس جانب توجہ دلائی کہ آپ کا اصل کام صرف دعوت دینا ہے۔ دنیا تو ایک آزمائش ہے۔ اس آزمائش میں کوئی کامیاب ہوگا اور کوئی کامیاب نہیں ہوگا۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ
فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ
سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ ع
بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا
يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

کیا تم کہف اور رقیم والوں کو ہماری نشانیوں میں سے بہت عجیب خیال کرتے ہو؟[۳] جبکہ وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزین ہوئے اور دعا کی: ''اے ہمارے رب، ہمیں اپنی خاص رحمت سے نواز دے اور ہمارے (اس) معاملے میں ہمارے لیے رہنمائی کا سامان کر دے۔'' چنانچہ ہم نے اسی غار میں ان کے کانوں پر تھپکی دی اور انھیں کئی برس کے لیے سلا دیا۔ پھر ہم نے ان کو بیدار کیا، تاکہ دیکھیں کہ ان کے دو گروہوں میں سے کون ٹھیک شمار رکھنے والا نکلتا ہے۔

ہم ان کا اصل قصہ تمھیں سناتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے اور ہم نے ان (کو دین) کی ہدایت میں بہت اضافہ بخشا۔ ہم نے اس وقت ان کے دل مضبوط کر دیے جب انھوں نے اٹھ کر اعلان کر دیا: ''ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمان و زمین کا رب ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے۔ (اگر ہم نے ایسا کیا) تو یہ حق سے نہایت ہی ہٹی ہوئی

بات ہوگی۔ یہ جو ہماری قوم کے لوگوں نے اس اللہ کے سوا کچھ دوسرے معبود بنا رکھے ہیں، یہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتے؟ آخر اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟"[۴]

(جب قوم کے لوگوں نے ان پر بہت ظلم وستم شروع کر دیا تو انھوں نے آپس میں کہا کہ) "اب جبکہ تم ان سے اور ان کے معبودوں سے بے تعلق ہو کر ان کو چھوڑ چکے ہو تو (اب چلو فلاں) غار میں پناہ لے لو۔ تمھارا رب تم پر اپنی رحمت کا دامن پھیلائے گا اور اس مرحلے میں تمھاری ہر ضرورت پوری کرے گا۔"[۵] ۹-۱۶

[۳] یہاں خطاب بظاہر حضورؐ سے ہے، مگر اصل میں یہ بات ان لوگوں کو کہی جا رہی ہے جو اس داستان سے واقف تھے اور بغرض امتحان انھوں نے یہ سوال مشرکین مکہ کے سامنے آپؐ سے پوچھنے کے لیے رکھا تھا۔ کہف کے معنی غار کے ہیں اور رقیم اس بستی کا نام ہے، جہاں سے نکل کر اصحاب کہف نے اس غار میں پناہ لی۔ کتاب کے آخر میں دیے گئے نقشے میں یہ جگہ دکھائی گئی ہے۔

[۴] درج بالا آیات میں قرآن نے ان کی داستان کا ایک خلاصہ پیش کیا ہے، تاکہ مخاطبین کے سامنے یہ پورا معاملہ ایک مجموعی صورت میں آجائے۔ اس واقعہ کی سب سے پہلی تحریری شہادت شام کے ایک عیسائی پادری جیمس سروجی کی تقریروں میں ہمیں ملتی ہے جو سریانی زبان میں تھی۔ یہ شخص اصحاب کہف کی وفات کے چند سال بعد پیدا ہوا تھا۔ یہی روایت ایک طرف ہمارے ابتدائی دور کے مفسرین کو پہنچی اور دوسری طرف یہی روایت یورپ بھی پہنچی۔ مشہور تاریخ دان گبن نے اپنی کتاب "تاریخ زوال وسقوط ریاست روما" میں "سات سونے والوں" کے عنوان کے تحت اس قصے کا ایک خلاصہ دیا ہے۔ ۲۵۰ء کے زمانے میں سلطنت روم میں عیسائیوں پر بہت ظلم وستم ہو رہا تھا۔ اس وقت ترکی کے مغربی ساحل پر موجود ایک شہر افی سوس (Ephesus) میں ان سات نوجوانوں نے توحید اور حضرت مسیحؑ کی پیروی کا پرچم بلند کیا۔ یہی اس زمانے کا اسلام تھا۔ مخالفین اور ریاست کے ظلم وستم کی وجہ سے یہ نوجوان ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور پھر یہ لوگ تقریباً چار سو پینتالیس عیسوی میں پیدا ہوئے، جبکہ پوری رومی سلطنت مسیحؑ کی پیروکار بن چکی تھی۔ اس وقت قیصر تھیوڈوسیس نامی فرد رومی سلطنت کا حکمران تھا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جیمس سروجی کی زبانی اس وقت جو داستان ہمیں پہنچی ہے، وہ حرف بہ حرف صحیح ہو۔ ہم اس کے اتنے حصے کی تصدیق کر سکتے ہیں جو قرآن نے بیان کیا ہے اور باقی حصے کو ایک تاریخی روایت کی حیثیت سے مانتے ہیں۔

[۵] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں میں ان کے اللہ کے بیٹے ہونے کا نظریہ یا تو موجود نہیں تھا یا پھر وہ صرف اسی طرح حضرت مسیحؑ کو اللہ کا روحانی بیٹا سمجھتے تھے، جس طرح ہم سب پوری انسانیت کو (الخلق عیال اللہ کی روایت کے مطابق) اللہ کا کنبہ سمجھتے ہیں۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي
ع فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ط مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بان الفاء بعد الالف
من النصف الاول واللام الثانية من النصف الاخير

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ

بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا

بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوا

أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ

أَحَدًا ﴿۱۹﴾ إِنَّهُمْ إِنْ يَّظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿۲۰﴾

وَكَذٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

اگرتم خیال کرتے توتم دیکھتے کہ سورج طلوع ہوتے وقت ان کے غار سے دائیں جانب کو بچا رہتا ہے اورغروب ہوتے وقت ان سے بائیں طرف کو کترا جاتا ہے اور وہ اس (غار) کے صحن میں ہیں۔ (ان کا) یہ (واقعہ) اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے، وہی ہدایت پانے والا بنتا ہے اور جسے اللہ بھٹکا دے، اس کے لیے تم کوئی دستگیری اور رہنمائی کرنے والا نہیں پاسکتے۔

تم ان کو (دیکھ کر) گمان کرتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ ہم انھیں دائیں اور بائیں کروٹیں بھی بدلواتے اور ان کا کتا دونوں ہاتھ پھیلائے دہلیز پر بیٹھا رہتا۔ اگر تمھاری نظر ان پر پڑ جاتی تو تم وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر اس نظارے کا رعب بیٹھ جاتا۔

اسی طرح (ایک لمبی مدت کے بعد) ہم نے ان کو بٹھایا، تاکہ آپس میں پوچھ گچھ کرلیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا: ”تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے ہوگے؟“ دوسروں نے کہا: ”شاید ایک دن یا اس سے کچھ کم رہے ہوں گے۔“

پھر وہ بولے: ”تمھاری قیام کی مدت کو تمھارا رب ہی بہتر جانتا ہے۔ (چلو) اب اپنے میں سے کسی کو اپنی رقم دے کر شہر بھیجو اور وہ اچھی طرح دیکھ لے کہ شہر کے کس حصے میں پاکیزہ کھانا ملتا ہے اور وہاں سے تمھارے لیے کچھ کھانا لائے۔ چاہیے کہ وہ دبے پاؤں جائے اور کسی کو تمھاری خبر نہ ہونے دے۔ اگر یہ لوگ تمھاری خبر پاجائیں تو تمھیں سنگ سار کردیں گے یا تمھیں (زبردستی) اپنی ملت

میں واپس لے جائیں گے اور (اگر ایسا ہوا تو) پھر تم کبھی کامیابی نہ پاسکو گے۔" اس طرح ہم نے (ان نوجوانوں کو سینکڑوں برس بعد اٹھا کر اُس وقت کے) لوگوں کو ان کے حال پر مطلع کر دیا، تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی[9]۔ وہ وقت بھی یاد کرنے کا ہے کہ جب لوگ آپس میں ان نوجوانوں کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ "ان (کے غار) پر ایک عمارت بنا دو، کیونکہ ان کا رب ہی ان (کے معاملے) کو بہتر جانتا ہے۔" تاہم جو لوگ ان کے معاملات پر غالب تھے، انھوں نے کہا: "ہم تو ان (کے غار) پر ایک مسجد بنائیں گے[10]۔" ۱۸:۲۱-۱۷

[۶] گویا پروردگار نے اس غار میں ان کو اس طرح رکھا کہ بظاہر ان کی طبعی حالت (physical condition) بالکل صحیح رہے اور کوئی قریب جانے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔

[۷] تاریخی روایات کے مطابق غار میں اصحاب کہف کے رہنے کی مدت تقریباً ۱۹۶ برس بنتی ہے۔

[۸] جب اصحاب کہف اپنے غار میں پناہ گزین ہو رہے تھے تو اس وقت مشرکوں کی بادشاہت قائم تھی اور حضرت مسیحؑ کو ماننے والے تعداد میں کم اور عام طور پر چھپے ہوئے تھے۔ اس لیے ان نوجوانوں نے اپنے ساتھی کو خاص طور پر یہ تاکید کی کہ وہ کسی ایسی جگہ سے کھانا لے آئے جو حلال طریقے سے ذبح کیا گیا ہو۔

[۹] درمیان میں قرآن مجید نے وہ تفصیلات چھوڑ دی ہیں جن کو ایک آدمی خود بھی سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً جب یہ شخص کھانا خریدنے شہر گیا تو بت پرست ملک کو عیسائی ہوئے ایک مدت گزر چکی تھی، زبان اور لباس سمیت ہر چیز پر یقیناً فرق آ گیا تھا اور جب اس جوان نے دو سو برس پہلے کا سکہ کھانا خریدنے کے لیے پیش کیا تو اس وقت دیکھنے والے کتنی حیرت میں مبتلا ہوئے۔ اس کے بعد اس شخص کو حکام کے سامنے پیش کیا گیا اور بالآخر یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص تو ان سچے اہل ایمان میں سے ہے جو دو سو برس پہلے اپنا ایمان بچانے کے لیے غار میں ہجرت کر گئے تھے۔ یہ خبر ساری آبادی میں پھیل گئی اور لوگوں کا ایک ہجوم غار پر پہنچ گیا۔ اس وقت اصحاب کہف کو معلوم ہوا کہ وہ دو سو برس بعد اللہ کے خاص معجزے کے تحت اٹھے ہیں تو وہ اپنے مسیحی بھائیوں کو سلام کر کے لیٹ گئے اور اللہ نے ان پر موت وارد کر دی۔

[۱۰] ان دونوں گروہوں میں کس کی بات صحیح تھی، اس کے بارے میں قرآن مجید نے ہمیں آگاہ نہیں کیا۔ تاہم ہم اتنا جانتے ہیں کہ حضورؐ نے انبیا اور بزرگوں کی قبروں پر مسجد بنانے سے ہمیں منع کیا ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ
وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا
ع تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ

رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّىْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ
سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ اصحابِ کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ دوسرے کہہ دیں گے کہ یہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا، بالکل اٹکل پچو۔ کچھ اور لوگ کہیں گے کہ یہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ (اے نبیؐ)، کہہ دو میرا رب ہی ان کی تعداد بہتر جانتا ہے۔ بہت کم لوگ ان کی صحیح تعداد جانتے ہیں۔ اس لیے تم سرسری بات سے بڑھ کر ان کی تعداد کے معاملے میں ان لوگوں سے بحث نہ کرو اور نہ ان کے متعلق کسی سے پوچھو۔[11]

(اے نبیؐ)، کسی معاملے کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کروں گا۔ (یہ تمھارے بس میں نہیں،) مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اگر بھولے سے ایسی بات تمھاری زبان سے نکل جائے تو اپنے رب کو یاد کرو اور کہو کہ "امید ہے میرا رب اس سے بھی کم مدت میں صحیح بات کی طرف میری رہنمائی فرمادے گا"۔[12]

(کچھ لوگ کہیں گے کہ) وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور (کچھ لوگ کہیں گے کہ اس مدت میں) نو سال اور زیادہ ہیں۔ (اے نبیؐ)، تم کہہ دو کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ (غار میں) رہے۔[13] زمین و آسمان کے سب پوشیدہ خالات اسی کے علم میں ہیں۔ کیا ہی خوب ہے وہ دیکھنے والا اور سننے والا۔ اللہ کے سوا زمین و آسمان کا کوئی کارساز نہیں اور وہ اپنے اختیار میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔۲۲-۲۶

[11] قرآن مجید کسی بھی داستان کے صرف وہ پہلو زیرِ بحث لاتا ہے جن کا ہمارے ذہن و زندگی سے اہم تعلق ہو۔ جس معاملے کا ہم سے کوئی اہم تعلق نہ ہو، ان کو زیرِ بحث لانا اور اس پر اختلافات اور تنازعات کھڑے کرنا دین کی روح کے منافی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے پوری وضاحت کے ساتھ اس معاملے سے منع کیا۔ اصحاب کہف کے معاملے میں اہم چیز اس داستان کا اصولی اور اخلاقی پہلو ہے، اسی لیے قرآن نے ان نوجوانوں کی تعداد کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں کی۔ ورنہ قرآن کے لیے یہ انتہائی آسان تھا کہ دو تین الفاظ میں ان کی تعداد بیان کر دیتا۔ افسوس کہ بعد میں مسلمانوں کے ہاں بھی ایسی ذہنیت نے جنم لیا کہ انتہائی غیر اہم معاملات پر بحث و مباحثے اور تنازعات میں الجھ کر امت کو تقسیم کر دیا گیا۔ اس معاملے میں اصل بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث نے جس چیز کو جتنی اہمیت دی ہے، ہمارے لیے بس اس چیز کی اتنی اہمیت ہونی چاہیے۔ نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔

[12] جب حضورؐ سے اصحاب کہف کے واقعے کے متعلق پوچھا گیا تو غالباً آپ نے یہ کہہ دیا کہ میں کل اس کا جواب دے دوں گا۔ چنانچہ پروردگار نے

آپؐ کو اس کے بارے میں متنبہ کیا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہر کام میں اپنی پوری تدبیر اور مثبت ارادے سے ضرور کام لیں، لیکن یہ یقین ذہن میں رکھیں کہ ہر کام کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

[۱۳] یعنی اصحاب کہف کے غار میں قیام کی مدت کا تعین بھی غیر اہم ہے، اس لیے اس کے بارے میں بھی کوئی بات کہنے کی ضرورت نہیں۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾
وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ۚ
تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ
سُرَادِقُهَا ۚ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ
وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

(اے نبیؐ)، تمھارے رب کی طرف سے جو کتاب تم پر وحی کی جارہی ہے، اس کو سناؤ۔ اللہ کے قوانین کو کوئی بدل نہیں سکتا اور اس کے سوا تم کوئی پناہ نہیں پاسکتے۔ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ خوب جمائے رکھو جو صبح و شام اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر اسے پکارتے ہیں۔ ان اہلِ ایمان سے ہرگز نگاہیں مت پھیرو۔ تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو (ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے)۔ تم اس شخص کی بات پر دھیان نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا زندگی کا طریقہ بے اعتدالی پر مبنی ہے۔[14] کہہ دو: ''یہی حق ہے تمھارے رب کی جانب سے، اب جس کا جی چاہے، ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے، انکار کر دے۔[15] ہم نے انکار کرنے والے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کے شعلے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیں گی۔ (اس جہنم میں) اگر یہ لوگ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ایسا پانی انھیں دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور ان کے منہ کو بھون

ا لے گا، بدترین پینے کی چیز اور بہت ہی برا ٹھکانا۔

بے شک، جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے تو ہم بہترین عمل کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ ان کے لیے سدا بہار جنتیں ہیں جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہاں انھیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، وہ باریک ریشم اور اطلس و دیبا کی سبز پوشاک پہنیں گے اور وہ بہترین مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھیں گے۔ کیا ہی خوب صلہ ہے اور کیا ہی خوب ٹھکانا۔ ۲۷-۳۱

[۱۴] مکی دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت کم سردار ایمان لائے تھے۔ اس کے برعکس ایمان لانے والوں کا زیادہ تر تعلق غریب طبقے سے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ مکی سردار ایمان لے آئیں، تاکہ یہ لوگ سزا سے بچ جائیں۔ دوسری طرف سرداران قریش اعتراض کرتے تھے کہ اگر آپ کی محفل میں یہ غریب لوگ بیٹھیں ہوں گے تو ہم آپ کی بات نہیں سنیں گے۔ چنانچہ ایک متضاد صورت حال سے حضور کو سابقہ پیش آ گیا۔ اس وقت اللہ نے آپ کو ہدایت کی کہ بے شک آپ سرداروں کو دعوت دیں، لیکن جو لوگ ایمان قبول کر کے آپ کے پاس آتے ہیں، ان کا حق سب سے زیادہ ہے۔ آپ کو ان کی تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ اگر کوئی انسان غرور میں آ کر ان کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دے تو ایسے شخص کے ایمان لانے کی کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ یہی ہدایت ہم سب کے لیے ہے۔

[۱۵] چونکہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، اس لیے پروردگار نے اس میں کسی بھی انسان کے لیے ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار اور آزادی اس کو دے دی ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا
زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ
فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ
مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا
مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ
رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا
قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ
عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

وَاُحِيطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ

اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ

ع الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾

(اے نبیؐ)، ان لوگوں کو دو اشخاص کی مثال سناؤ۔ ان میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیے، ان کو کھجوروں کی قطار سے گھیرا اور ان کے درمیان کاشت کی زمین بھی مہیا کی۔ دونوں باغ خوب پھل لائے اور ان میں ذرا کمی بھی نہیں ہوئی۔ ان باغوں کے اندر ہم نے نہر بھی جاری کر دی۔ جب پھلوں کا موسم آیا تو اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ دوست میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور تعداد کے اعتبار سے بھی طاقت ور ہوں۔ پھر وہ اپنے باغ میں اس حالت میں داخل ہوا کہ وہ اپنی جان پر (غرور کے مارے) آفت ڈھا رہا تھا، کہنے لگا: ''میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ (دولت) کبھی برباد ہو جائے گی۔ میں قیامت کے آنے کا بھی گمان نہیں رکھتا۔ (تاہم اگر کوئی قیامت ہوئی بھی اور) اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو اس سے بھی بہتر جگہ پاؤں گا۔''

اس کے ساتھی نے بحث کرتے ہوئے کہا: ''کیا تم نے اس ذات کا انکار کیا جس نے تم کو مٹی سے، پھر نطفے سے پیدا کیا اور پھر تجھے ایک پورا آدمی بنا کر کھڑا کیا۔ لیکن میرا رب تو وہی اللہ ہے۔ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ جو کچھ ہے، سب اللہ کا فضل ہے۔ اللہ کے بغیر کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں۔ اگر تم مال و اولاد کے اعتبار سے مجھے اپنے سے کم تر سمجھتے ہو تو ممکن ہے کہ میرا رب تمھارے باغ سے بہتر باغ مجھے دے دے اور تمھارے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے، جس سے وہ صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور پھر تم اس پانی کو کس طرح پا سکو گے۔''

بالآخر اس پہلے شخص کے پھلوں پر ایک آفت آئی اور جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا تھا، اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ وہ باغ اپنی خشک شاخوں پر گر پڑا تھا۔ یہ شخص کہنے لگا: ''اے کاش، میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بناتا۔'' اس وقت اس کے پاس نہ تو کوئی جتھا تھا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود ہی انتقام لینے والا بن سکا۔ اس وقت (اسے معلوم ہوا کہ) سارا اختیار صرف اسی برحق اللہ کے لیے ہے۔ وہ بہترین اجر اور بہترین انجام والا ہے۔[16] ۳۲-۴۴

[۱۶] یہ ایک انتہائی سبق آموز مثال ہے، اس مقصد کے لیے کہ دنیا میں زندگی کیسی گزاری جائے۔ دنیا میں ہمارے سامنے روزانہ ایسی مثالیں آتی ہیں کہ کروڑ پتی آن کی آن میں پیسے پیسے کو محتاج ہو گئے۔ اس سے دنیا کی بے ثباتی اور عارضی پن کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ صحیح رویہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا

میں عاجزی اور آخرت کے یقین کے ساتھ زندگی گزارے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا
تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ
الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ
فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ؗ بَلْ
زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ
يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا
يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ ع ١٨
اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿٥٠﴾ مَآ
اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ
يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَاَ
الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ ع ١٩

اے نبیؐ، ان لوگوں کو دنیا کی زندگی کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ جب ہم نے آسمان سے بارش برسائی تو زمین کی پیداوار خوب گھنی ہوجاتی ہے۔ پھر وہی سبزہ چورا چورا ہوجاتا ہے اور ان کو ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں[١٧]۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ مال واولاد تو دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک ثواب اور امید کے اعتبار سے بہتر ہیں۔ (اس دن کی فکر کرو) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے، تم زمین کو دیکھو گے کہ بالکل ننگی ہوگئی ہے اور ہم سب انسانوں کو اس طرح اکٹھا کریں گے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ چھوٹے گا۔ سب کے سب تمھارے رب کے حضور صف در صف پیش کیے جائیں گے۔ (اس وقت

ہم کہیں گے): "تم لوگ ہمارے پاس اسی طرح آئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا۔ تم نے تو گمان کیا تھا کہ ہم نے تمھارے لیے کوئی وعدے کا وقت مقرر ہی نہیں کیا تھا۔"

(اس وقت) نامۂ اعمال (سب کو) دیا جائے گا تو تم دیکھو گے کہ مجرم اس نامۂ اعمال سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: "ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے۔ جس نے کوئی چھوٹا بڑا گناہ درج ہونے سے نہیں چھوڑا۔" جو کچھ ان مجرموں نے کیا تھا، وہ سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

(دنیا کی زندگی کی حقیقت کے معاملے میں یہ بات) یاد رکھو کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنات میں سے تھا، اس لیے اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی[۱۸]۔ اے انسانو، کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو اپنا کارساز بناتے ہو، حالانکہ یہ سب تمھارے دشمن ہیں؟ یہ ظالم (میری عبادت کے بجائے ابلیس کا کہا مان کر) نہایت ہی برا بدل اختیار کر رہے ہیں۔ ابلیس اور اس کی اولاد کو نہ تو آسمان و زمین کے پیدا کرتے وقت میں نے بلایا تھا اور جب خود ان جنات کو تخلیق کر رہا تھا، تب بھی میں نے ان کو نہیں بلایا تھا۔ میرا یہ کام نہیں کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بناؤں[۱۹]۔

جس دن اللہ (ان مجرموں سے) فرمائے گا کہ جن ہستیوں کو تم میرا شریک سمجھ بیٹھے تھے اب ان کو بلاؤ۔ یہ مجرم ان کو پکاریں گے، مگر ان کے یہ (جھوٹے معبود) ان کی مدد کو نہ آسکیں گے۔ ہم ان کے درمیان تباہی کا ایک گڑھا حائل کر دیں گے۔ سارے مجرم (اس روز) دوزخ کو دیکھیں گے اور گمان کریں گے کہ اب انھیں اس میں گرنا ہے۔ (اُس وقت) اس سے وہ بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے۔ ۴۵-۵۳

[۱۷] یہ دنیا ان نباتات کی مانند فانی ہے۔

[۱۸] چونکہ جنات کو بھی اختیار و آزادی حاصل ہے، اس لیے ابلیس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

[۱۹] سارے مشرکانہ مذاہب میں جنات اور دوسری بری روحوں کو راضی کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، تاکہ وہ ان کو نقصان نہ پہنچائیں۔ یہاں قرآن مجید نے اس غلط عقیدے کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ان جنات کا نہ تو تخلیق میں کوئی حصہ ہے اور نہ یہ انسان کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ
عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ
اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ
الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا
لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالوں سے سمجھایا، مگر یہ (ظالم) انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ جب ان ظالم لوگوں کے سامنے ہدایت آئی تو ایمان لانے اور اپنے رب کے حضور معافی چاہنے سے آخر ان کو کس چیز نے روک دیا؟ (کیا یہ لوگ یہی چاہتے ہیں) کہ اللہ کا وہی طریقہ ان کے لیے بھی ظاہر ہو جائے جو پچھلی قوموں کے ساتھ ہو چکا یا اللہ کا عذاب ان کے سامنے نمودار ہو جائے۔[۲۰]

رسولوں کو ہم صرف خوش خبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجتے ہیں۔ یہ منکرینِ حق باطل کی مدد سے جھگڑے کر کے حق کو پسپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھوں نے میری آیات کو اور جس چیز (یعنی سزا) سے ان کو ڈرایا گیا، کا مذاق بنا کر رکھا ہے۔ اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کرائی جائے اور وہ ان سے منہ پھیر لے اور اپنے ہاتھوں کی کمائی کو بھول جائے۔ (ان ظالموں کے اسی رویے کی وجہ سے) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں، تاکہ وہ اس قرآن کو نہ سمجھیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے (کہ اس قرآن کو نہ سنیں)۔ اس وجہ سے اے نبیؐ، اب تم ان کو ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ، وہ کبھی ہدایت پانے والے نہیں ہیں۔[۲۱]

تیرا رب تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر وہ ان (منکرینِ حق) کے غلط کاموں پر انھیں فوراً پکڑنا چاہتا تو ان پر جلدی ہی سزا بھیج دیتا۔ لیکن ان کے لیے (مہلت کا) ایک مقررہ وقت ہے اور (اس کے بعد) وہ اس سزا سے بچ کر کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکیں گے۔[۲۲] (پچھلے رسولوں کی نافرمان یہ بستیاں تمھارے سامنے) موجود ہیں کہ جب انھوں نے ظلم کیا تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان میں سے ہر ایک کی ہلاکت کے لیے (مہلت کا) ایک وقت مقرر کیا تھا۔ ۵۴-۵۹

[۲۰] اس سنت یعنی طریقے سے مراد یہ ہے کہ جب بھی کسی قوم میں رسول آتا ہے تو اس قوم کے سامنے دنیا میں صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ رسول پر ایمان لے آئے تو اس کو دنیا میں بھی کامیابی ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔ اور اگر وہ رسول پر ایمان لانے سے انکار کر دے تو منکرین حق کو اسی دنیا میں سزا دے دی جاتی ہے۔

[۲۱] یہ ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے جن پر اتمام حجت ہو چکا تھا۔

[۲۲] حضورؐ کے معاملے میں منکرین حق کو بائیس برس کی ایک لمبی مہلت ملی۔ اس دوران میں جن جن پر اتمام حجت ہو گیا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاکت کی سزا ملتی رہی۔ بالآخر باقی سب پر اللہ کا فضل وکرم ہوا اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا
نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا
هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَاَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ
اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ
اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ
عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِىْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِىْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ
اتَّبَعْتَنِىْ فَلَا تَسْـَٔلْنِىْ عَنْ شَىْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ
خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ
صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

[۲۳] وہ واقعہ یاد کرنے کے قابل ہے جب (ایک دفعہ) موسیٰؑ نے اپنے شاگرد[۲۴] سے کہا: ''میں یہ سفر ختم نہ کروں گا، یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر[۲۵] پہنچ جاؤں۔ ورنہ میں سال ہا سال چلتا ہی رہوں گا۔'' پھر جب وہ ان دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے اور

اس نے دریا میں اپنی راہ لی۔ پھر جب وہ مزید آگے بڑھ گئے تو موسیٰؑ نے اپنے شاگرد سے کہا: ''اب ہمارا کھانا لاؤ، اس سفر سے تو ہمیں بڑی تھکان ہوگئی ہے۔'' شاگرد نے کہا: ''کیا عرض کروں، جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تو میں مچھلی کو بھول گیا۔ یہ شیطان ہی تھا جس نے اس مچھلی کو یادرکھنے سے مجھے غافل کردیا۔ اس مچھلی نے تو عجیب طرح دریا میں اپنی راہ نکالی۔'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''اسی کی تو ہمیں تلاش تھی۔''[۲۶] چنانچہ وہ دونوں اپنے نقشِ قدم پر پھر واپس لوٹے اور (وہاں) انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا اور جس کو اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔[۲۷]

موسیٰؑ نے اس سے درخواست کی: ''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ جو علم آپ کو عطا ہوا ہے، آپ اس میں سے مجھے بھی کچھ سکھا دیں؟'' اس نے جواب دیا کہ ''تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے اور جو باتیں تمھارے علم کے دائرے سے باہر ہوں گی ان پر تم سے صبر ہو بھی کیسے سکے گا؟ موسیٰؑ نے کہا: ''ان شاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملے میں بھی آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔'' اس نے کہا: ''اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو یہ شرط ہے کہ کسی چیز کے متعلق مجھ سے اس وقت تک کچھ نہ پوچھو جب تک میں خود ہی اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔''

بالآخر وہ دونوں روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اس شخص نے کشتی میں چھید کردیا۔ موسیٰؑ نے پوچھا: ''کیا یہ چھید آپ نے اس کشتی میں اس لیے کیا کہ سب کو غرق کرڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑی ہی عجیب حرکت کی۔''[۲۸] اس شخص نے کہا: ''کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے؟'' موسیٰؑ نے کہا کہ میری بھول چوک پر مجھے نہ پکڑیے اور میرے معاملے میں زیادہ سختی نہ کیجیے۔ ۶۰-۷۳

[۲۳] آگے کی آیات میں واقعۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام بیان کیا جارہا ہے۔ اس قصے کے ذریعے سے ہمیں بتایا گیا ہے کہ جب قرآن انسان کو صبر کرنے کی تلقین کرتا ہے تو دراصل اس صبر کی تین اصولی بنیادیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ اللہ کی اجازت اور اس کے ارادہ واذن کے تحت ہوتا ہے۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ اللہ خیر مطلق ہے۔ اس کا کوئی بھی ارادہ خیر اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ اگر باطل کو ڈھیل دیتا ہے تو صرف اس لیے کہ اس کے اندر ایک بڑا خیر پرورش پا رہا ہوتا ہے اور اگر وہ اچھے لوگوں کو مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے تو اس طرح ان کے لیے کسی بڑے خیر کا راستہ کھول رہا ہوتا ہے۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ انسانی علم بہت محدود ہے۔ اس لیے وہ اللہ کے ہر حکم کی حکمت کو اس دنیا میں معلوم نہیں کرسکتا۔ یہ ساری حکمتیں صرف آخرت میں ہی بے نقاب ہوں گی۔ اس لیے انسان کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ اللہ کے تمام فیصلوں پر صبر وشکر کرتے ہوئے اپنی ڈیوٹی انجام دیتا رہے۔ کسی بھی آزمایش کے موقع پر اس کا ایمان متزلزل نہیں ہونا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام کو تربیت کے لیے ایک ایسی قوم ملی تھی جس میں خوبیاں بھی بہت تھیں اور کمزوریاں بھی بہت۔

چنانچہ یہ ضروری تھا کہ خود موسیٰؑ بھی صبر میں نہایت پختہ ہو جائیں، تا کہ وہ اور ان کے شاگرد اپنی قوم کی تربیت کر سکیں۔

[۲۴] یہ شاگرد اور نوجوان صحابی غالباً حضرت یوشعؑ بن نون تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے رہنما مقرر ہوئے تھے۔

[۲۵] غالباً یہ خلیج عقبہ اور سویز کا وہ سنگم ہے جہاں سے بعد کے مراحل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ گزرے تھے۔ یہ بات واضح ہے کہ اس سفر پر جانے کا حکم انھیں اللہ کی طرف سے ہوا تھا۔

[۲۶] جب وہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو جو مچھلی اس وقت ان کے کھانے کے لیے ان کے پاس موجود تھی، وہ زندہ ہو کر دریا میں جا پڑی۔ شاگرد نے یہ منظر دیکھ لیا اور پھر اسے یہ بات بھلا دی گئی۔ آگے جا کر جب موسیٰ علیہ السلام نے اس مچھلی کو پیش کرنے کی ہدایت کی تو شاگرد کو یک دم یہ بات یاد آ گئی۔ چونکہ شاگرد اس وقت یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ اللہ کے خصوصی حکم کے تحت ہو رہا ہے، اس لیے اس نے سوچا کہ اپنے استاد اور پیغمبر کی بات بھول جانے میں یقیناً شیطانی بہکاوے اور غفلت کو دخل ہوگا، چنانچہ اس نے اس غفلت کے ضمن میں شیطان کا نام لیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا گیا تھا کہ جس جگہ عجیب و غریب واقعہ پیش آئے گا، وہیں ایک خاص بندہ ان کا انتظار کر رہا ہوگا۔

[۲۷] اس بارے میں اختلاف ہے کہ خضرؑ کا تعلق کس گروہ سے تھا۔ عمومی رائے یہ ہے کہ وہ ایک پیغمبر تھے۔ مولانا اصلاحی کی بھی یہی رائے ہے۔ اس کے برعکس مولانا مودودی کا موقف یہ ہے کہ ان کا تعلق فرشتوں کے گروہ سے تھا، اس لیے کہ انھوں نے جو کام کیے، انھیں صرف کارکنان قضا و قدر ہی کر سکتے ہیں۔ اس عاجز کو اسی دوسرے موقف سے اتفاق ہے۔

[۲۸] موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب ایک ایسا کام ہوا جو انسانی شریعت کے منافی تھا تو انھوں نے اس کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھا۔ گویا اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو بھی خضرؑ کی شخصیت کے بارے میں علم نہیں تھا۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

[پارہ نمبر 16]

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ

لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴿٧٩﴾ وَ
أَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا
خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ رُحْمًا﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ
لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَآ أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا
فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۗ ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴿٨٢﴾ ع ۱۲

پھر وہ دونوں چلنے لگے، یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ان کی ملاقات ہوئی تو اس (خاص بندے) نے اس لڑکے کو قتل کر ڈالا۔ موسیٰؑ نے کہا: ''آپ نے ایک معصوم جان کو قتل کر ڈالا، حالانکہ اس نے کسی کا خون نہیں کیا تھا۔ یہ تو آپ نے بہت ہی برا کام کیا۔'' اس شخص نے کہا: ''کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔'' موسیٰؑ نے کہا: ''اگر اس کے بعد بھی میں آپ سے کسی معاملے کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھیے۔ اب تو آپ کو میری طرف سے عذر مل گیا۔''

پھر وہ آگے چلے، حتیٰ کہ وہ ایک بستی میں پہنچے اور وہاں لوگوں سے کھانا کھلانے کی درخواست کی، مگر اس بستی والوں نے ان دونوں کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ وہاں انھوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی۔ اس شخص نے اس دیوار کو پھر تعمیر کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا: ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔'' اس شخص نے جواب دیا: ''بس، اب میرے اور تمھارے درمیان جدائی کی گھڑی آ گئی۔ اب میں تمھیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

اس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کروں، کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ساری کشتیوں کو زبردستی ضبط کر رہا تھا۔

رہا وہ لڑکا، تو اس کے والدین ایمان والے تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بڑا ہو کر سرکشی و ناشکری سے ان پر ظلم نہ کرے۔ پس ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان والدین کو اس لڑکے کی جگہ ایسی اولاد دے جو اخلاق اور رحم دلی میں اس سے بہتر ہو۔

رہا دیوار کا معاملہ تو وہ اس شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ دفن تھا۔ ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس لیے تیرے رب نے چاہا کہ یہ بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ کام تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے ہوا۔ میں نے ان میں سے کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کیا۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے۔''[29] ۸۲-۷۹

[۲۹] خضرؑ کے تینوں کام بظاہر عجیب وغریب تھے جن کی کوئی انسانی توجیہ پیش نہیں کی جاسکتی ہے، لیکن جب انھی کاموں کو قدرت کے وسیع تر تناظر میں دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر کام کے اندر ایک خیر پوشیدہ ہے جسے ظاہری نگاہیں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اس دنیا کے سارے کاموں کی نوعیت ایسی ہی ہے۔ اللہ عادل حقیقی اور رحیم وکریم ہے۔ اس دنیا کے اندر ہونے والے کسی بھی واقعے پر جھنجھلانے اور غصہ ہونے کے بجائے، ہمیں اپنی طرف سے بہترین تدبیر کرنی چاہیے اور یہ یقین کرنا چاہیے کہ دنیا کے اندر ہونے والا ہر واقعہ دراصل انسانیت کو خیر کی طرف لے جارہا ہے، تاہم ممکن ہے کہ ہمیں اس کا شعور نہ ہو۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ
وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ
ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ
الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ
عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

اے نبیؐ، یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کر رہے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ میں اس کا کچھ سبق آموز حال تمھیں سناتا ہوں۔[۳۰]''

ہم نے اس کو زمین میں بڑا اقتدار عطا کیا تھا اور اس کو ہر طرح کے اسباب و وسائل بخشے تھے۔ ایک دفعہ اس نے (مغرب کی طرف ایک مہم) کا ساز وسامان کیا حتیٰ کہ جب وہ غروبِ آفتاب کی آخری حد تک پہنچ گیا تو اس نے سورج کو ایک کالے پانی میں ڈوبتے دیکھا۔[۳۱] وہاں اسے ایک قوم ملی۔ ہم نے کہا: ''اے ذوالقرنین، (تجھے یہ اختیار ہے کہ) چاہو تو ان کو سزا دو اور چاہو تو ان کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔'' اس نے کہا: ''ان میں سے جو ظلم کا مرتکب ہوگا، اسے ہم سزا دیں گے اور پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا جو اسے اور بھی سخت سزا دے گا۔ رہا وہ جو ایمان اور نیک عمل اختیار کرے، اس کے لیے اللہ کے پاس بھی اچھا بدلہ ہے اور ہم بھی اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کریں گے۔[۳۲]''

پھر اس نے ایک دوسری مہم کی تیاری کی یہاں تک کہ وہ طلوعِ آفتاب کی حد تک پہنچا۔ وہاں اس نے ایک ایسی قوم دیکھی جس کے

۳۳

لیے دھوپ سے بچنے کا کوئی سامان ہم نے نہیں کیا تھا۔ یہ حال تھا اُن کا، اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا اُسے ہم جانتے تھے۔ ۸۳-۹۱

[۳۰] ذوالقرنین کے لفظی معنی ہیں دوسینگوں والا۔ قرآن مجید میں ذوالقرنین سے مراد غالباً ایرانی بادشاہ کے خسرو ہے جسے خورس یا سائرس بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک صاحب ایمان، عادل، عالی ظرف اور مقبول بادشاہ تھا۔ قرآن مجید نے اس کو ایک پکا موحد اور مومن قرار دیا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں دین کی دعوت کی ذمہ داری بنی اسرائیل کی تھی، اس لیے غالباً یہ بادشاہ بنی اسرائیل کے کسی عالم کی دعوت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا ہوگا۔ اسی کے خسرو نے ایک بڑا کارنامہ یہ انجام دیا تھا کہ اس نے یہودیوں کو عراق کے بادشاہ کی قید سے نجات دلا دی اور اسی کی مدد سے بیت المقدس اور ہیکل کی از سر نو تعمیر ہوئی۔ اس بادشاہ کو "دوسینگوں والا" اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ میڈیا اور فارس، دونوں ریاستوں کا بادشاہ تھا۔ اسی کا ایک مجسمہ ماضی قریب میں دریافت ہوا جس میں اس کے تاج میں دوسینگ بھی ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنے وقت میں اس کی سلطنت مشرق میں مکران سے لے کر مغرب میں بحیرۂ روم تک قائم ہوئی۔ کتاب کے آخر میں دیے گئے نقشے میں ان جگہوں کو دکھایا گیا ہے۔

[۳۱] یعنی مغرب کی طرف چلتے چلتے وہ ساحل سمندر تک پہنچ گیا اور وہاں غروب آفتاب کے وقت ایسا نظر آیا گویا وہ کسی سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین نے مغرب کی طرف وہ تمام معلوم دنیا جہاں تک اس کے قدم پہنچ سکتے تھے، زیرنگین کر لی جس سے آگے سمندر ہی سمندر تھا۔ یہ کے خسرو کی پہلی مہم کا بیان ہے جو اس کے دارالحکومت ہک متانہ (موجودہ ھمدان) سے مغرب کے لیے شروع ہوئی۔ اس مہم میں اس نے عراق، شام اور ترکی کو فتح کر لیا اور اس کی حکومت بحیرۂ روم تک پہنچ گئی۔

[۳۲] جس طرح ہر بادشاہ کو بظاہر یہ اختیار ملتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنی رعایا پر ظلم کرے اور چاہے تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، یہی اختیار کے خسرو کے پاس بھی تھا، لیکن اس نے اپنے اس اختیار کو انتہائی انصاف کے ساتھ استعمال کیا۔ مورخین کے بیان کے مطابق سائرس کی قوم جس شہر کو فتح کرتی، اس کے شہریوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی تھی۔ بادشاہ مفتوحہ قوموں سے بہت نرمی کا سلوک کرتا تھا، دشمنوں کے لیے معافی کا اعلان کرتا تھا اور اس نے تمام بھاری ٹیکس بالکل معاف کر دیے۔ ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ایک مومن تھا اور توحید اور آخرت پر یقین رکھنے والا بادشاہ تھا۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ 'زردشت' کا پیرو کار تھا۔ گویا زردشت بھی اصل میں موحد اور مومن تھا۔ بہت بعد میں جا کر یہ مذہب بھی اپنی اصل شکل میں محفوظ نہ رہ سکا اور اس کے اندر 'یزداں' یعنی نیکی کے پروردگار اور 'اہرمن' یعنی بدی کے خدا کا تصور آ گیا۔

[۳۳] ذوالقرنین کی یہ مہم مشرق کی سمت تھی اور اس سمت میں بھی ان آخری حدود میں پہنچ گیا، جہاں مہذب دنیا کی سرحد ختم ہوگئی تھی اور آگے ایسے وحشی اور غیر متمدن قبائل کا علاقہ تھا جو عمارتیں اور خیمے تک بنانا نہیں جانتے تھے۔ گویا وہ تمدن کے بالکل ابتدائی دور میں تھے اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ
قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ
تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

رَدۡمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ
اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴿ؕ۹۶﴾ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ ہٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ
رَّبِّیۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ وَ کَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ﴿ؕ۹۸﴾

ذوالقرنین نے پھر ایک اور مہم کی تیاری کی، یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک درے تک پہنچا تو وہاں اس کو ایک ایسی قوم ملی جو (دوسروں کی زبان کی) کوئی بات سمجھ نہیں پاتی تھی۔[۳۴] انھوں نے درخواست کی: ''اے ذوالقرنین، یاجوج اور ماجوج[۳۵] ہمارے ملک میں فساد مچاتے رہتے ہیں۔ اگر ہم آپ کو اس کام کے لیے کوئی ٹیکس دیں تو کیا آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دیں گے؟'' ذوالقرنین نے جواب دیا: ''میرے رب نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے، وہ کافی ہے۔ البتہ تم اپنی محنت سے میری مدد کرو، میں تمھارے اور ان کے درمیان دیوار کھڑی کیے دیتا ہوں۔ میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ۔''

بالآخر جب اس نے (دونوں پہاڑوں کے) بیچ کے خلا کو بھر دیا تو (اس نے لوگوں سے) کہا: ''اب خوب آگ دہکاؤ۔'' جب یہ (آہنی دیوار) بالکل آگ کی طرح سرخ ہوگئی تو اس نے کہا: ''اب تانبا لاؤ، تاکہ اس پر انڈیل دوں۔'' یہ (ایک ایسی دیوار بن گئی) کہ یاجوج ماجوج اس پر چڑھ بھی نہیں سکتے تھے اور اس میں نقب بھی نہیں لگا سکتے تھے۔[۳۶] (اس وقت) ذوالقرنین نے کہا کہ ''یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ دیوار بن گئی)، تاہم جب بھی میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو اس کو ہموار کر دے گا۔[۳۷] میرے رب کا وعدہ برحق ہوتا ہے۔'' ۹۲-۹۸

[۳۴] اس کا یہ سفر کاکیشیا کے وہ پہاڑی سلسلے تھے جو بحیرۂ کیسپین اور بحیرۂ اسود کے درمیان واقع ہیں۔ غالباً اسی سفر کے دوران میں وہ فوت ہوگئے تھے۔ کاکیشیا کے یہ باشندے دوسری قوموں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، اس لیے نہ وہ کسی کی زبان سے واقف تھے اور نہ دوسرے لوگ ان کی زبان سے واقف تھے۔ چنانچہ ان سے رابطے میں ذوالقرنین کو بڑی دشواری پیش آئی۔

[۳۵] یاجوج ماجوج سے مراد نوحؑ کے بیٹے یافث کی وہ اولاد ہے جو ایشیا اور یورپ کے شمالی علاقوں میں آباد ہوئے۔ بعد میں یہ لوگ بحیرۂ کیسپین کے شمالی اور وسطی ایشیا میں منگولیا کے علاقوں میں بھی آباد ہوئے۔

[۳۶] غالباً یہ دیوار کوہ قفقاز (caucasia) کے درہ داریال میں بنائی گئی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ عباسی خلیفہ واثق نے اس دیوار کے متعلق بہت تحقیقات کیں، جس سے اس کا پورا سراغ ملا۔ ان تحقیقات کے مطابق اس وقت اس علاقے میں کورش نام کا ایک شہر اور ایک دریا بھی موجود تھا۔ اس آہنی دیوار کو 'گورا' کہا جاتا تھا جو شاید کورش ہی کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ دیوار دھات سے دو پہاڑیوں کے درمیان بنی ہوئی تھی اور اس کے نچلے حصے میں برسات

...انی کے نکلنے کے لیے کچھ جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔

[۳۷] یعنی یہ دیوار لافانی نہیں ہے۔ کچھ مدت کے بعد اللہ کے قانون قدرت کے مطابق اس کو ختم ہو جاتا ہے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوجُ فِي بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ
يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ
سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَّتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ ع
نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ
يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا
نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا
حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا
بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ
فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

۳۸ ۳۹
(جب قیامت آئے گی تو) اس روز ہم (لوگوں کو) چھوڑ دیں گے۔ سب ایک دوسرے سے موجوں کی طرح ٹکرائیں گے، پھر صور پھونکا جائے گا اور ہم سب انسانوں کو اکٹھا کریں گے۔ اس دن ہم جہنم کو حق کا انکار کرنے والوں کے سامنے لائیں گے، (وہی منکرینِ حق) جن کی آنکھوں پر ہماری نصیحت کی طرف پردہ پڑا رہا اور وہ کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہ تھے۔

کیا یہ منکرینِ حق یہ خیال رکھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر (میرے بندوں کو) اپنا کارساز بنالیں گے؟ ایسے ہی منکرینِ حق کے لیے ہم نے جہنم بطور ضیافت تیار کر رکھی ہے۔

(اے نبیؐ، ان انسانوں سے) کہو کہ کیا ہم تمھیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ ناکام و نامراد کون لوگ ہیں؟ وہ جن کی تمام کوشش اسی دنیا کی زندگی کے لیے تھی (اور اسی میں گم ہو کر رہ گئے) اور وہ اپنے دل میں سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا۔ اس لیے ان کے اعمال ضائع ہو گئے، قیامت کے روز ہم ان کو ذرا بھی وزن نہ دیں گے۔ یہی جہنم ان کا بدلہ ہے، اس لیے کہ انھوں نے حق کا انکار کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔[۴۰]

بے شک، جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان کی میزبانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اس جگہ سے نکل کر کہیں اور جانے کو ان کا دل نہ چاہے گا۔

(اے نبیؐ)، کہہ دو کہ اگر میرے رب کی نشانیوں کو لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی نشانیوں کی تحریر ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا، بلکہ اگر ہم اس کے ساتھ روشنائی کا اتنا ہی اور سمندر ملا دیں (تو وہ بھی ختم ہو جائے گا۔)[۴۱]

(اے نبیؐ، ان انسانوں سے) کہہ دو کہ میں تو بس تمھاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔ مجھ پر یہ وحی کی جا رہی ہے کہ تمھارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ اس لیے جو کوئی بھی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔[۴۲] ۹۹-۱۱۰

[۳۸] اب یہ خاتمۂ کلام کی آیات ہیں۔ اس سورہ میں زیادہ زور عقیدۂ آخرت پر دیا گیا ہے اور اس میں بیان کردہ تینوں واقعات کے اندر بھی عقیدۂ آخرت ہی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اب بطور اصول آخرت کی یاددہانی کرائی جا رہی ہے۔

[۳۹] اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قیامت کے قریب اس دنیا میں ہول ناک جنگیں اور خوں ریزی ہوگی۔ اس سورہ اور سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۹۶ سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ یہ جنگیں یافث کی اولاد یعنی یاجوج ماجوج کی وجہ سے ہوں گی اور اسی طوفان کے اندر سے قیامت نمودار ہو جائے گی۔ عملی طور پر یہ سب کچھ کیسے ہوگا، یہ امور متشابہات میں سے ہے اور اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

[۴۰] یعنی یہ سزا ان لوگوں کے لیے ہوگی جنھوں نے پیغامِ حق ملنے کے باوجود اس سے انکار کیا اور آخرت کو بھول کر صرف اسی دنیا کے ہو رہے۔

[۴۱] اللہ کی کائنات اور اس کی مخلوقات و موجودات کی تفصیل اتنی زیادہ ہے کہ اس کے لیے کسی دنیوی پیمانے کے ذریعے سے کامل طور پر اسے سمجھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بھی باشعور انسان کے لیے یہ حقیقت اس کو توحید کا یقین دلانے کے لیے کافی ہے۔

[۴۲] توحید، رسالت، آخرت اور نیک عمل کی تلقین کے ساتھ اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ مریم مکیّۃ

[۱۹]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۱۶ میں مریم کا لفظ آیا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مرکزی مضمون

اس کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گروپ کی سابقہ سورتوں کی طرح یہ سورہ بھی مکی دور کے آخری سالوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ سورہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے محبت آمیز تسلی پر مشتمل ہے اور اس میں مختلف پیغمبروں اور مریمؑ کے تذکرے کے ذریعے سے دین حق کی کئی اہم اصولی باتوں سے مسلمانوں کو واقف کرایا گیا ہے۔

حضورؐ کے لیے تسلی کے مضمون سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ منصب رسالت اصل میں کیا ہے اور پروردگار اس ذریعے سے کس طرح انسانوں کو اپنی ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔

سیرت ابن ہشام کی روایت کے مطابق نبوت کے پانچویں سال کے آخر اور چھٹے سال میں حضورؐ نے بعض مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ مکہ چھوڑ کر حبش (موجودہ ایتھوپیا) ہجرت کر جائیں کیونکہ وہاں کا مسیحی بادشاہ نجاشی منصف اور عادل ہے۔ جب مسلمان ہجرت کر کے وہاں چلے گئے تو پیچھے سے مشرکین مکہ نے نجاشی کی خدمت میں ایک وفد بھیجا تا کہ ان لوگوں کو واپس لایا جائے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر ان سے مختلف سوالات کیے اور قرآن سنانے کو کہا تو جعفرؓ بن ابوطالب نے ان کو سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا جسے سن کر نجاشی انتہائی متاثر ہوا۔ اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ مریم کے کچھ حصے نبوت کے پہلے چند سالوں میں نازل ہوئے تھے اور موضوع کی مناسبت سے انھیں سورۂ مریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شامل کیا۔

تاہم دوسرے مورخین کے مطابق نجاشی کے دربار میں حاضری کا یہ واقعہ جنگ بدر کے بعد پیش آیا تھا۔ اگر یہ روایات صحیح ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت مکی دور کا آخری زمانہ بھی گزر چکا تھا اور یہ سورہ اس آخری زمانے ہی میں نازل ہوئی۔

آیاتہا ۹۸ — سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ — رکوعاتہا ٦

سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ
وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ
وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ
رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى
يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ
عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ
النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ک۔ ہ۔ ی۔ ع۔ ص۔[1] یہ تیرے رب کے اس فضل کا تذکرہ ہے، جو اس نے اپنے بندے زکریاؑ[2] پر کیا تھا۔ (یہ اس وقت کی بات ہے) جب اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے[3] پکارا۔ اس نے دعا کی: ''اے میرے پروردگار، میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک گیا ہے۔ اے میرے رب میں تجھے پکار کر کبھی محروم نہیں رہا۔ میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں کی طرف سے (برائیوں کا) اندیشہ رکھتا ہوں[4]۔ میری بیوی بانجھ ہے۔ تو تُو مجھے اپنے فضل سے ایک وارث عطا کر جو میری اور آلِ یعقوبؑ کی روایات کا وارث ہو۔ اے رب، اس کو ایک انتہائی اچھا انسان بنا۔''

(اللہ کی طرف سے جواب ملا): ''اے زکریاؑ، ہم تمھیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰؑ ہوگا۔ ہم نے اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نہیں بنائی[5]۔'' زکریاؑ نے عرض کیا: ''اے میرے رب، (بھلا) میرے ہاں کیسے بیٹا ہوگا، جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں

بڑھاپے کی بے بسی تک پہنچ چکا ہوں۔''

جواب ملا: ''ایسا ہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لیے بہت آسان ہے۔ میں نے اس سے پہلے تمھیں بھی تو پیدا
ہے، جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔'' زکریاؑ نے عرض کیا: ''پروردگار، میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجیے۔'' جواب ملا: ''تمھارے لیے نشانی
ہے کہ تم تین دن اور رات لوگوں سے بات نہ کر سکو گے حالانکہ تم بالکل تندرست ہو گے۔''[٦]

پس وہ عبادت کے کمرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا اور ان کو اشارے سے ہدایت کی کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کرو[٧]۔ ١-١١

[١] ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ یہ علیحدہ علیحدہ حروف انسان کو زبان دانی اور تحریر وتقریر کی اس نعمت کی یاددہانی کرتے ہیں جو پروردگار
انسانوں پر کی ہے۔

[٢] یعقوبؑ کے تیرہ بیٹے تھے۔ ان میں سے بارہ قبیلوں میں ملک تقسیم کر دیا گیا اور تیرھویں بیٹے ''لادی'' کی اولاد کو مذہبی خدمات کے لیے مخصوص کر
گیا۔ بنی لادی میں سے ایک خصوصی خاندان ''بنی ہارون'' کو سب سے اعلیٰ ذمہ داری یعنی نماز پڑھانے اور محراب کے اندر خوشبو جلانے کی ڈیوٹی دی گئی تھی
زکریاؑ اسی خاندان سے تھے۔

[٣] گویا یہ دعا بحالت اعتکاف تھی۔ بنی اسرائیل کی شریعت میں ''چپ کا روزہ'' بھی تھا جس میں ایک انسان اللہ کے سوا اور کسی سے بات نہیں کرتا تھا

[٤] یعنی میرے جو اہل خاندان اس وقت موجود ہیں، ان کے بارے میں مجھے اندیشہ ہے کہ وہ آل یعقوبؑ کی شان دار مذہبی روایات اور مشن کو قا
نہیں رکھ سکیں گے۔

[٥] یعنی وہ ایک بے مثال انسان ہوگا۔ یحییٰؑ دو حوالوں سے بالکل بے مثال تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

[٦] یعنی تم پر تین دن اور تین راتیں لازمی روزے کی کیفیت طاری ہوگی۔

[٧] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں ایک خاص جگہ ان کے لیے مختص تھی۔

يَايَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾

وَّبَرًّا ۢبِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ ع ١٥

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ قف وقف لازم

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَال

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ صلے لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَك

بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذَٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ ع

فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا

وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّي إِلَيْكِ

بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا

فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾

(یحییٰؑ کو اللہ کی طرف سے ہدایت ملی کہ) "اے یحییٰؑ[8] اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے۔" ہم نے اس کو بچپن سے ہی قوتِ فیصلہ عطا فرمائی اور خاص اپنی طرف سے سوز و گداز اور پاکیزگی (سے نوازا تھا)۔ وہ نہایت پرہیزگار اور اپنے والدین کا فرماں بردار تھا۔ وہ سرکش و نافرمان نہ تھا۔ اس پر سراسر سلامتی ہو جس دن وہ پیدا ہوا، جس دن وہ فوت ہوا اور بس دن وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔

(اے نبیؐ)، اس کتاب میں مریمؑ کے حالات کو بھی یاد کرو[9] جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر (بیت المقدس میں) مشرقی جانب بیٹھ گئی اور اس نے اپنے آپ کو ان سے پردے میں کر لیا۔[10] (اس حالت میں) ہم نے اس کے پاس اپنی روح (یعنی فرشتے) کو بھیجا جو اس کے سامنے ایک کامل انسان کی شکل میں نمودار ہوا۔ (اسے دیکھ کر) مریمؑ بولی: "اگر تم کوئی خدا ترس آدمی ہو تو میں تم سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں۔" اس (فرشتے) نے کہا: "میں تو تیرے رب ہی کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمھیں ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔"

مریمؑ بولی: "میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا، جبکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں۔"

فرشتے نے کہا: "ایسا ہی ہوگا۔ تیرے رب کا ارشاد ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ ہم اس کو لوگوں کے لیے اپنی ایک نشانی اور اپنی جانب سے ایک رحمت بنائیں۔ یہ کام ہو کر رہنا ہے۔[11]"

مریمؑ کو اس بچے کا حمل ٹھہر گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی۔ پھر یہ ہوا کہ زچگی کی تکلیف اسے ایک کھجور کے درخت کے پاس لے گئی۔[12] اس وقت اس نے کہا: "اے کاش، میں اس سے پہلے ہی مر کھپ جاتی اور میرا نام و نشان تک نہ رہتا۔[13]"

فرشتے نے (کھجور کے) نیچے سے اس کو آواز دی کہ غم نہ کرو۔ اللہ نے نیچے تیرے لیے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تم پر تر و تازہ کھجوریں گر جائیں گی۔ تم انھیں کھاؤ اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اگر کوئی تم سے کچھ پوچھے تو کہہ دو کہ میں

نے رحمان کے لیے روزے کی منت مان رکھی ہے، اس لیے میں آج کسی سے نہیں بولوں گی[14] ۱۲-۲۶

[۸] زکریاؑ کے بیٹے یحییٰؑ کو اللہ نے اپنی طرف سے ایک بے مثال انسان بنایا۔ پروردگار نے بچپن میں ہی ان کو حکم، یعنی حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بخشی۔ دوسرے لوگوں میں یہ صلاحیت بہت بعد میں جا کر پیدا ہوتی ہے۔ پروردگار نے ان کو 'حنان' کا لقب بھی دیا۔ اس کا مطلب ہے 'محبت، ذوق و شوق اور سوز و گداز'۔ اسی لیے انھوں نے ساری زندگی بنی اسرائیل کی اصلاح کے سوا اور کوئی کام نہیں کیا۔ وہ جنگل کے شہد اور اس کی ٹڈیوں پر گزارہ کرتے، صرف کمبل اوڑھتے، انھوں نے کوئی گھر نہیں بنایا اور بالآخر اس زمانے کے یہودی فرماں روا 'ہیرو اینٹی پاس' نے انھیں پہلے جیل میں ڈالا اور پھر قتل کر کے شہید کر دیا۔ یحییٰؑ کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ وہ خود نبی تھے اور ان کو بطور خاص یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ آنے والے رسول یعنی مسیحؑ کی منادی لوگوں کو دیں۔ انبیا کی پوری تاریخ میں اس طرح کی ذمہ داری صرف یحییٰؑ کو دی گئی تھی۔

[۹] یہ دراصل ایک ہی سلسلۂ بیان ہے تاکہ قارئین کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کا پورا پس منظر آ جائے۔ مریمؑ بھی آل ہارون میں سے تھیں۔ وہ واحد خاتون تھی جن کو ان کی والدہ نے بیت المقدس میں عبادت اور خدمت کے لیے بٹھا دیا تھا، ورنہ اس سے پہلے یہ منصب صرف مردوں کو دیا جاتا تھا۔

[۱۰] مریمؑ کا خصوصی محراب یا کمرہ بیت المقدس کے مشرقی حصے میں واقع تھا۔ وہاں وہ ایک پردہ لٹکا کر اعتکاف میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

[۱۱] یعنی بالکل معجزانہ طریقے سے بغیر کسی باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوگی۔ بنی اسرائیل پر اتمام حجت کے لیے یہ ایک عظیم نشانی ہوگی۔ وہ پوری انسانیت کے لیے بھی ایک رحمت ثابت ہوں گے، اس لیے کہ ان کے ذریعے سے توحید کی دعوت دور دور تک پھیل جائے گی۔

[۱۲] غالباً مریمؑ کو یہ اشارہ دیا گیا تھا کہ جب ان کو زچگی کی تکلیف شروع ہو جائے تو وہ ایک خاص کھجور کے درخت کے پاس چلی جائیں۔

[۱۳] یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا امتحان تھا جو نہ ان سے پہلے کسی عورت پر ڈالا گیا اور نہ ان کے بعد قیامت تک کسی عورت پر ڈالا جائے گا۔ چنانچہ ایسی آزمائش کے موقع پر ان کے یہ جذبات فطری تھے۔

[۱۴] بنی اسرائیل کی شریعت میں خاموشی کا روزہ بھی موجود تھا۔ اس آیت میں 'فقولی' کا مطلب ہے اشارہ کرنا۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ
سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي
عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ
وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ
وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا
كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي

وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

پھر وہ اس (بچے) کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی۔ لوگوں نے کہا: ''مریمؑ، یہ تو تو نے بڑی غلط حرکت کر ڈالی۔ اے ہارون کی بہن![15] تیرا باپ بھی کوئی برا آدمی نہیں تھا اور تیری ماں بھی کوئی بدکار عورت نہیں تھی۔ (پھر تم نے اتنا بڑا گناہ کیوں کیا)۔''

مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا: ''ہم اس سے کیا بات کریں جو ابھی گود کا ایک بچہ ہے؟'' (اس پر) وہ بچہ بول اٹھا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی، پیغمبر بنایا اور میں جہاں کہیں بھی موجود ہوں مجھے اللہ نے خیر و برکت کا ذریعہ ٹھہرایا۔ جب تک میں زندہ ہوں، اس نے مجھے نماز و زکوٰۃ کی پابندی کی ہدایت فرمائی۔ (اللہ نے) مجھ کو اپنی ماں کا فرماں بردار بنایا اور مجھے سرکش اور نامراد نہیں بنایا۔ مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا، جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔''[16]

یہ ہے عیسیٰؑ ابن مریمؑ اور یہ ہے (اس کے بارے میں) وہ اصل حقیقت جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ وہ پاک ذات ہے۔ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ (کام) ہو جاتا ہے۔

(عیسیٰؑ نے یہ بھی کہا کہ) ''بے شک، اللہ میرا رب بھی ہے اور تمھارا بھی۔ پس تم اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ۲۷-۳۶

[۱۵] 'ہارون کی بہن' سے مراد عربی محاورے کے مطابق 'ہارون کے خاندان کی لڑکی' ہے۔ تاہم اس سے یہ مراد بھی ہو سکتا ہے کہ مریمؑ کے خاندان کے کسی اہم فرد کا نام ہارون ہو۔

[۱۶] گہوارے کے ایک بچے کی طرف سے یہ معجزانہ طرز کلام اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل پر ایسا اتمام حجت کیا جائے جس کے بعد ان کے پاس اللہ کے حضور میں پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اسی وقت سے ہی عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پورے مشن کا اعلان کر دیا تھا تا کہ جب وہ بڑے ہوں اور عملاً پیغمبری کا کام شروع کر دیں تو ہزاروں لوگ ان کی گہوارے میں کی گئی باتوں کی گواہی دیں۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ
اَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ
وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

پھر ان کے اندر سے مختلف فرقے باہم اختلاف کرنے لگے۔[17] پس جن لوگوں نے حق کا انکار کیا، ان کے لیے ایک بڑے ہول ناک دن کی حاضری کے وقت بڑی تباہی ہوگی۔ جس دن یہ ہمارے حضور میں حاضر ہوں گے، (اُس دن) یہ خوب سن رہے ہوں گے اور دیکھ

بھی رہے ہوں گے، لیکن آج یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اے نبیؐ، ان لوگوں کو اس پچھتاوے کے دن سے آگاہ کرو جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں[18]۔ بے شک، زمین اور اس کی ساری چیزوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری ہی طرف پلٹائے جائیں گے۔ ۳۷-۴۰

[۱۷] عیسائیوں کے اندر بعد میں کئی فرقے پیدا ہو گئے۔ حق پر صرف وہ تھوڑے ہی لوگ رہ گئے جو شمعون کے پیرو کار تھے۔ جن لوگوں نے سینٹ پال کی پیروی کی انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر تثلیث کا عقیدہ ایجاد کر لیا۔

[۱۸] یعنی اب جبکہ حضورؐ نے آ کر ان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں تھے، بلکہ اللہ کے بندے تھے، اگر اس کے بعد بھی یہ لوگ اسی غلط عقیدے پر جمے رہیں گے تو یہ ان کے لیے بہت برا ہوگا۔ واضح رہے کہ عبرانی زبان میں 'اب' کے معنی باپ کے بھی ہیں اور رب کے بھی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے کہتے تھے کہ 'میرا باپ اور تمھارا باپ' تو اس کا صاف مطلب یہی ہوتا تھا کہ میرا رب اور تمھارا رب۔ قرآن مجید نے اس لفظ کی صحیح تعبیر بتائی۔ ظاہر ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے درج بالا فقرے میں 'اب یا باپ' کو اس کے حقیقی معنی میں لیا جائے تو پھر صرف وہی کیا ساری انسانیت اللہ کی اولاد بن جاتی ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع

اے نبیؐ، اس کتاب میں ابراہیمؑ کے حالات بھی بیان کرو[19]۔ بے شک، وہ سچا انسان اور ایک نبی تھا۔ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے

اب اس نے اپنے باپ سے کہا: ''ابا جان، آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ وہ آپ کے کچھ کام آسکتی ہیں؟ ابا جان، میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، اس لیے آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان، شیطان کی بندگی نہ کریں[۲۰]۔ شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ ابا جان، مجھے ڈر ہے کہ آپ اس رحمان کی طرف سے سزا میں مبتلا نہ ہو جائیں اور (اس طرح) آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں[۲۱]۔''

اس کے باپ نے کہا: ''اے ابراہیمؑ، کیا تم میرے معبودوں سے پھر گئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تجھے سنگ سار کردوں گا۔ تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤ۔''

ابراہیمؑ نے کہا: ''اچھا میرا اسلام۔ میں آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا[۲۲]۔ وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے، میں آپ لوگوں کو اور ان چیزوں کو جنھیں آپ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں، چھوڑ کر آپ سے علیحدہ ہو رہا ہوں۔ میں تو صرف اپنے رب ہی کی بندگی کروں گا اور امید ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی کر کے محروم نہیں رہوں گا۔''

پس جب وہ ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ ہو گیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، تو ہم نے اس کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ عطا کیے۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا، ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو نہایت پائیدار شہرت عطا فرمائی[۲۳]۔ ۴۱-۵۰

[۱۹] اب ابراہیمؑ کی سرگزشت کا کچھ حصہ اس لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کو یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب، سب ہی اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے اور ان کو اپنا رہنما مانتے تھے۔

[۲۰] شیطان کو سب سے زیادہ دشمنی توحید سے ہے۔ اسی کے وسوسوں کی بنیاد پر انسان شرک میں مبتلا ہوتا ہے، اس لیے شرک درحقیقت شیطان کی وفاداری اور اطاعت ہے۔

[۲۱] یعنی اب تک تو آپ کے پاس یہ عذر موجود تھا کہ اللہ کی ہدایت آپ کو نہیں پہنچی۔ لیکن اب جبکہ میرے ذریعے سے اللہ کی ہدایت آپ کو پہنچ گئی ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ اللہ کی پکڑ میں نہ آجائیں۔

[۲۲] ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے دعاے مغفرت کرنا ان کی دردمندی اور نرم دلی کی دلیل ہے۔ یہ انسانیت کے لیے اعلیٰ ترین صفات ہیں۔ البتہ جب ان کے باپ پر اتمام حجت ہو گیا اور اس کے حق پر آنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا تو اللہ نے ابراہیمؑ کو دعاے مغفرت سے روک دیا۔

[۲۳] درج بالا سب انبیا کو پروردگار نے ایسی شہرت عطا فرمائی ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ

الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۚ

إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ

مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿٥٦﴾ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ أُولَٰئِكَ

الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ

وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ السجدة

خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿٦٠﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ

كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ

الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

اے نبیؐ، اس کتاب میں موسیٰؑ کے حالات کو یاد کرو۔ اسے اللہ نے اپنے لیے خالص کیا ہوا تھا اور وہ ایک رسول نبی تھا۔[24] ہم نے اس کو کوہِ طور کے مبارک کنارے سے آواز دی اور راز کی گفتگو کے لیے اس کو تقرب کا رتبہ عطا کیا۔ ہم نے اپنے فضل سے اس کے بھائی ہارونؑ کو بھی نبی بنا کر اسے (مددگار کے طور پر) دیا۔

اے نبیؐ، اس کتاب میں اسماعیلؑ کا ذکر کرو۔ وہ وعدے کا پکا اور رسول اور نبی تھا۔ وہ اپنے بزرگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی ہدایت کرتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔

اے نبیؐ، اس کتاب میں ادریسؑ کا ذکر کرو۔ بے شک، وہ ایک راست باز انسان اور نبی تھا۔ ہم نے اس کو ایک بلند رتبے پر پہنچایا۔[25]

یہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا آدمؑ کی اولاد میں سے، ان لوگوں کی نسل میں سے جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا، ابراہیمؑ کی نسل سے اور اسرائیلؑ کی نسل سے۔ اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور منتخب کیا۔ (ان کا حال یہ تھا کہ) جب رحمان کی آیات ان کو سنائی جاتیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔

پھر ان کے بعد ایسے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے[۲۶] ۔یہ لوگ عنقریب اپنی گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ البتہ جو توبہ کرلیں، ایمان لے آئیں اور اچھے عمل اختیار کریں، وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔ (ان کے لیے) ہیشگی کے باغ ہیں جن کا اس رحمان نے اپنے بندوں سے غیب میں وعدہ کیا ہوا ہے۔ بے شک، اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ وہاں وہ کوئی بے ہودہ بات نہ سنیں گے، ہر طرف مبارک سلامت ہوگی۔ اس میں صبح وشام ان کا رزق مہیا ہوگا۔ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے ان کو بنائیں گے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے۔ ۵۱-۶۳

[۲۴] یعنی موسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ ساتھ رسول بھی تھے۔ نبیوں میں سے رسول کا مرتبہ ایک خاص درجہ ہے جو انھی پیغمبروں کو عطا کیا جاتا ہے جن کی بات کو اللہ اس دنیا میں ان کے مخاطبین کے لیے ایک عدالت بنا دیتا ہے۔

[۲۵] غالباً ادریسؑ وہی بزرگ تھے جن کو بائیبل میں 'حنوق' کے نام سے یاد کیا گیا ہے جو نوحؑ سے بھی پہلے گزرے ہیں۔ تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بنی اسرائیل ہی کے ایک پیغمبر ہوں۔

[۲۶] چونکہ ان پیغمبروں کے پیروکاروں نے حق کی اصل دعوت کو فراموش کر دیا، اس لیے یہ ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائیں تا کہ قیامت تک حق کا پیغام زندہ رہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ج لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ج وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ وَيَقُوْلُ ع ۱۵
الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ
شَيْئًا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ
شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ
اِلَّا وَارِدُهَا ج كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

(اے نبیؐ، فرشتے اور جبریلؑ آپؐ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ)[۲۷] ''ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔ ہمارے آگے، پیچھے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، سب اسی کے اختیار میں ہے۔ آپ کا رب کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے۔ آسمان وزمین اور ان کے

درمیان کی سب چیزوں کا پروردگار وہی ہے، پس آپ اسی کی بندگی کریں اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہیں۔ کیا آپ کے علم میں اس ہستی کی ہم پایہ کوئی ہستی موجود ہے؟''

انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا واقعی پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا اس انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے بھی اس کو پیدا کر چکے ہیں، جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟ پس تیرے رب کی قسم، ہم سب انسانوں کو اور ان کے ساتھ شیاطین[۲۸] کو بھی ضرور اکٹھا کریں گے، پھر ان کو جہنم کے گرد اس طرح حاضر کریں گے کہ وہ دوزانو بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ پھر ہم ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو چھانٹ کر الگ کر لیں گے جو رحمان کے مقابلے میں سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے بنے ہوئے تھے۔ اس وقت ہم اس بات کے سب سے زیادہ جاننے والے ہوں گے کہ ان میں سے کون کون اس جہنم میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ سزاوار ہیں۔ (پھر ہم ان کو حکم دیں گے کہ) تم میں سے ہر ایک کو بہر حال اس میں داخل ہونا ہے۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے (جسے پورا کرنا) تیرے رب کے ذمے ہے۔

پھر ہم ان لوگوں کو نجات بخشیں گے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا تھا اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کو اسی جہنم میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔ ۶۴-۷۲

[۲۷] آگے کی دونوں آیات میں حضرت جبریلؑ اور فرشتوں کی مجبوری خود ان کی زبانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے کی آیات میں سابقہ پیغمبروں کی سرگزشت اس لیے سنائی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے واسطے سے پوری انسانیت کو یہ بتا دیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی سلسلۂ نبوت و رسالت کی آخری کڑی ہیں اور آپ پر اللہ کی رحمت پوری ہو کر رہے گی۔ تاہم یہ زمانہ حضورؐ کے لیے انتہائی اضطراب اور دنیوی تکلیف کا زمانہ تھا۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں مخالفین کے بالمقابل حضورؐ کے لیے واحد سہارا بس اسی وحی الٰہی کا سہارا تھا، اس لیے حضورؐ اور صحابۂ کرامؓ نہایت بے چینی کے ساتھ روزانہ وحی کی رہنمائی اور مدد کا انتظار کرتے تھے۔ یہ بے چینی حالات کا لازمی تقاضا تھی۔ لیکن اللہ کا ہر کام اس کی حکمت و مصلحت کے تحت ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ حضور کو صبر و انتظار کی تلقین کی گئی ہے۔ ان آیات کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جبریل امینؑ کی طرف سے آپ کی خدمت میں ایک طرح کی معذرت ہے کہ آپ پر وحی لانا تمام تر اللہ ہی کے حکم کے تحت ہے۔ اگر اس میں کبھی دیر ہو جاتی ہے تو یہ دیر لازماً کسی حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتی، اس لیے کہ آپ کا رب کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے۔ وہ آپ کے حالات اور مسائل سے پوری طرح باخبر ہے۔

[۲۸] یہاں شیاطین سے مراد شیاطین جن ہیں، اس لیے کہ انسانوں کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ
نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ

لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا
وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا
وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ
الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

جب ان لوگوں کو ہماری واضح آیات سنائی جاتی ہیں تو حق کے منکر ایمان والوں سے پوچھتے ہیں: ''ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں زیادہ شان دار ہیں؟''[29] حالاں کہ ان سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے ساز و سامان اور شان و شوکت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ ان سے کہہ دو کہ جو شخص گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے تو رحمان اسے ڈھیل دیا کرتا ہے[30] یہاں تک کہ جب یہ (منکرینِ حق) اس چیز کو دیکھ لیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے — خواہ وہ دنیا کی سزا ہو یا قیامت (کی گھڑی)[31] — تب انھیں معلوم ہو جائے گا کہ درجے کے اعتبار سے کون بدتر ہے اور کس کا جتھا کمزور ہے۔

(اس کے برعکس) جو لوگ ہدایت کے راستے پر چلتے ہیں، اللہ ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ ہمیشہ باقی رہنے والے اچھے اعمالِ ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو آخرت میں بھی مال و اولاد سے نوازا ہی جاتا رہوں گا؟[32] کیا اس شخص نے غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے یا اس نے رحمان سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے؟ — ایسا ہرگز نہیں ہے۔ (اس کی کتاب میں) وہ سب کچھ لکھا جائے گا جو یہ کہہ رہا ہے۔ (اس غرور کی بات کی وجہ سے) ہم اس کے لیے سزا میں اور اضافہ کریں گے۔ جس ساز و سامان کا یہ دعویٰ کرتا ہے، اس کے وارث ہم بنیں گے اور یہ انسان ہمارے پاس اکیلا اور تنہا حاضر ہوگا۔ ۷۳-۸۰

[۲۹] مکی دور میں منکرینِ حق صحابۂ کرامؓ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ ہماری حالت تو تم سے بدرجہا بہتر ہے پھر تم کیسے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ تمھارا حمایتی ہے۔ ہر زمانے کے سطح بین لوگ یہی اعتراض دہراتے رہتے ہیں۔

[۳۰] چونکہ دنیا آزمایش کی جگہ ہے، اس لیے گمراہی میں مبتلا ہر شخص کو اللہ ڈھیل دیتا ہے۔

[۳۱] دنیا کی سزا سے مراد حضورؐ کے مخالفین کے لیے براہِ راست سزا تھی اور قیامت کا ڈراوا ساری انسانیت کے لیے ہے۔

[۳۲] سطحی قسم کے لوگوں کی ایک دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر دنیا میں اللہ نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہم سے خوش ہے

اور اگر وہ ہم سے خوش ہے تو جنت کی نعمتیں بھی ہمارے لیے ہوں گی۔ آگے کی آیات میں قرآن نے اس کا جواب دیا ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ
ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ ع
لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا
يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ
شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ
وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ
عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا
لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع النصف

ان مشرکین نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے کچھ معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کے پشت پناہ بنیں۔ (ایسا) ہرگز نہیں (ہو سکے گا)۔ یہ سب معبود ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور (قیامت کے دن) ان کے مخالف بن جائیں گے۔[۳۳]

اے نبیؐ، تم نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان حق کے منکروں پر شیاطین کو چھوڑ رکھا ہے جو انھیں (تمھاری مخالفت پر) خوب خوب اکسا رہے ہیں۔ تم ان کے فیصلے کے لیے جلدی نہ کرو، ہم ان کے دن گن رہے ہیں۔[۳۴]

(ایک دن آئے گا) جس دن ہم پرہیزگار لوگوں کو مہمانوں کی طرح رحمان کے حضور پیش کریں گے اور مجرموں کو جہنم کے گھاٹ کی طرف پیاسے ہانکیں گے۔ اس دن کسی کو سفارش کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، سوائے ان کے جنھوں نے اللہ کے ہاں سے کوئی قول و قرار حاصل کر لیا ہو۔[۳۵]

(یہ مشرکین) کہتے ہیں کہ رحمان نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم لوگوں نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انھوں نے رحمان کی طرف اولاد کی نسبت کی۔ رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے۔ آسمان وزمین میں جو بھی ہیں، سب اسی رحمان کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ سب پر وہ حاوی ہے اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے حضور اکیلا حاضر ہوگا۔

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عملِ صالح کر رہے ہیں، ان کے لیے رحمان عنقریب لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔[۳۶] پس اے نبیؐ، ہم نے اس کتاب کو تمھاری زبان میں آسان وساز گار بنایا تا کہ تم پرہیز گاروں کو خوش خبری دے دو اور اس جھگڑالو قوم کو آگاہ کر دو[۳۷] کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، پھر کیا آج تم کہیں ان کا نام ونشان پاتے ہو یا ان کی کوئی آہٹ بھی تمھیں سنائی دیتی ہے؟[۳۸] ۸۱-۹۸

[۳۳] یہاں فرشتوں اور ان سابقہ بزرگوں کی بات ہو رہی ہے جن کے متعلق ان کی موت کے بعد مشرکین نے سمجھا کہ یہ لوگ ان کی بگڑی بنا سکتے ہیں۔

[۳۴] یہاں شیاطین سے مراد شیاطین جن ہیں اور فیصلے سے مراد وہ دنیوی سزا ہے جو رسول کے مخالفین کو اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔

[۳۵] گویا اس دن شفاعت کا اختیار ان ہستیوں کو حاصل نہیں ہوگا جن کو یہ مشرکین پوجتے رہے ہیں۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شفاعت کا مقام صرف انبیا اور دوسرے عظیم اہل ایمان کو حاصل ہوگا۔ یہ لوگ اللہ کی اجازت سے سفارش کریں گے اور صرف ان لوگوں کے لیے کریں گے جن کے لیے اللہ اجازت دے گا۔ یہ لوگ اپنی شفاعت میں صرف وہی بات کہیں گے جو بالکل حق ہوگی۔ جن لوگوں نے جان بوجھ کر حق کی طرف سے آنکھیں بند کر کے شرک والحاد یا بدترین منافقت کی زندگی گزاری ہو، ان کے لیے کوئی شفاعت نہیں ہے۔

[۳۶] یعنی عنقریب وہ وقت اس سرزمین عرب میں آجائے گا جب لوگوں کے دلوں میں ایمان اور اہل ایمان کے لیے محبت پیدا ہوگی اور وہ جوق در جوق اسلام قبول کر لیں گے۔

[۳۷] 'تیسیر' کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے مقصد کے لیے ساری بنیادوں سے آراستہ کر کے موزوں اور ساز گار بنانا۔ گویا اللہ نے قرآن مجید کو تعلیم وتذکیر کے لیے نہایت موزوں اور ساز گار بنا دیا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید پر غور وفکر اور تدبر کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک عام انسان کے اعتبار سے تعلیم اور یاد دہانی کے لیے بھی یہ کتاب بہت موزوں ہے اور ایک صاحب علم اس کتاب پر جتنا زیادہ غور وفکر کرتا ہے اتنا ہی اس پر اس کے نئے نئے پہلو واضح ہوتے ہیں۔

[۳۸] یہ اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیات ہیں اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی تھی کہ آپ مسلسل دعوت کا کام کرتے چلے جائیں۔ اللہ اپنی حکمت کے مطابق خود بخود اس ساری جدوجہد کا مثبت فیصلہ کر دے گا۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس جدوجہد کا فیصلہ سو فی صد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اہل ایمان کے حق میں بالکل اسی طرح ہوا جس طرح سابقہ رسولوں کے حق میں ہوا تھا۔ اس لیے یہ تسلی ہمارے لیے سب سے بڑی دلیل رسالت ہے۔

سورۂ طٰہٰ مکیّۃ

[۲۰]

نام

اس سورہ کے پہلے لفظ طٰہٰ سے ہی اس کا نام ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اور مرکزی مضمون

اس سورہ کے انداز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۂ مریم سے متصل نازل ہوئی۔ گویا یہ بھی مکی دور کے آخری زمانے کی سورہ ہے۔ اس کے مضامین بالکل وہی ہیں جو اس گروپ کی سابقہ سورتوں کے ہیں اور اس میں موسیٰ علیہ السلام اور آدمؑ کی داستانوں کے ذریعے سے ایک طرف رسالت و نبوت کی حقیقت واضح کی گئی ہے اور دوسری طرف ان داستانوں کے ذریعے سے اسلام کی کئی اصولی تعلیمات کو اہل ایمان تک پہنچایا گیا ہے۔

ایاتها ۱۳۵

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتها ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿۳﴾ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ
وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ﴿۴﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا
بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ﴿۶﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ﴿۷﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ
الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ﴿۸﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ وقف لازم
اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی ﴿۱۰﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ﴿۱۱﴾ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ
نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا
فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾
فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

طٰہٰ۔ اے نبیؐ، ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نہیں نازل کیا ہے کہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ[۲]۔ یہ تو ایک نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈریں۔ یہ (قرآن) نہایت اہتمام کے ساتھ اس ذات کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے اس زمین اور بلند آسمان کو پیدا کیا ہے۔ وہی رحمان سلطنت کے تخت پر قائم ہے۔ اسی کے اختیار میں ہے وہ سب کچھ جو زمین وآسمان اور ان کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے۔

چاہے تم اپنی کوئی بات بلند آواز سے کہو (یا چپکے سے)، وہ علانیہ اور پوشیدہ، سب کو جانتا ہے۔ اللہ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تمام اچھی صفتیں اسی کے لیے ہیں۔

کیا موسیٰؑ کی سرگزشت تمھارے علم میں آئی ہے؟[3] (یہ اس وقت کی بات ہے) جب اس نے ایک شعلہ دیکھا تو اس نے اپنے خاندان
والوں سے کہا: "ذرا ٹھہرو، مجھے آگ نظر آئی ہے (میں وہاں چلتا ہوں) تا کہ اس میں سے تمھارے لیے ایک انگارا لے آؤں یا ممکن ہے
کہ مجھے وہاں راستے کا کچھ سراغ مل جائے۔"[4]

جب وہ وہاں پہنچا تو اس کو آواز آئی: "اے موسیٰؑ، میں ہی تمھارا رب ہوں۔ جوتیاں اتار دو کیونکہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔[5]
میں نے تم کو پیغمبری کے لیے چن لیا ہے (اب) جو وحی تم پر کی جا رہی ہے، اسے غور سے سنو۔ بے شک، میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا
کوئی معبود نہیں، اس لیے تم میری بندگی کرو اور میری یاد کے لیے نماز کا اہتمام کرو۔ بے شک، قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔
میں اس کا وقت مخفی رکھوں گا تا کہ ہر جان کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے۔ پس جو شخص بھی اس قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی
نفسانی خواہشات کا بندہ بن گیا ہے، وہ تمھیں اس سے غافل نہ کرنے پائے ورنہ تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ ۱-۱۶

[۱] طٰہٰ حروف مقطعات میں سے ہے۔ یہ حروف انسان کو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی یاد دلاتے ہیں جو اللہ نے زبان دانی، الفاظ کی تحریر اور اس کے ذریعے سے دوسروں سے مکالمہ کرنے کی صورت میں اس کو عطا کی ہے۔

[۲] ایک ایسی قوم میں نبوت و رسالت کی دعوت دینا جس میں پچھلے کئی ہزار برس سے اللہ کا کوئی پیغمبر نہ آیا ہو اور وہ قوم شرک اور بدعات میں پوری طرح گرفتار ہو، بہت جان جوکھوں کا کام ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزمین عرب میں کار نبوت میں انتہائی مشکلات پیش آئی تھیں۔ مکی دور میں یہ مشکلات مسلسل بڑھتی رہیں، اس لیے مکی دور کے آخری زمانے کی صورتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کی طرف سے تسلی کے اس طرح کے فقرے کئی بار آئے ہیں۔ قرآن مجید کے اس طرز بیان سے ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بالکل روز روشن کی طرح واضح طور پر سامنے آجاتی ہے، جس سے ہمارے ایمان اور شعور میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح کے فقروں سے ہمیں قرآن مجید کو اپنے سیاق و سباق (context) کی روشنی میں سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔

[۳] یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت اس غرض کے لیے بیان کی جا رہی ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ پہلے رسولوں پر کیا کیا سختیاں اور آزمائشیں گزریں اور کس طرح ان کو پروردگار کی طرف سے بار بار صبر و انتظار کی تلقین کی جاتی رہی۔

[۴] یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اس وقت سے شروع کیا گیا ہے جب ان کو نبوت عطا ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جوانی تک مصر میں فرعون کے گھر میں پلے بڑھے۔ ایک دفعہ ایک اتفاقی حادثے میں حکمران طبقے کا ایک فرد ان کے ہاتھوں غلطی سے مارا گیا جس کی وجہ سے وہ مصر چھوڑ کر مدین میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ مدین میں ہی انھوں نے کئی برس گزارے۔ وہیں ان کی شادی ہوئی جس کے بعد وہ وہاں سے چلے۔ اس وقت تک کے واقعات سورۂ قصص میں آئے ہیں جن کی تفصیل ان شاء اللہ وہاں کی جائے گی۔

یہاں قرآن مجید جس وقت کا ذکر کر رہا ہے اس وقت موسیٰ علیہ السلام جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے سے گزر رہے تھے۔

[۵] چونکہ اس وادی میں اس وقت اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی تجلی اور اپنے کلام سے نوازا، اس وجہ سے اس وادی کو اس وقت تقدس کا درجہ حاصل تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کو جوتیاں اتار دینے کی ہدایت اس لیے کی گئی کہ اللہ کے حضور حاضری انتہائی تواضع اور عاجزی کے ساتھ ہو۔ اسی لیے عموماً مساجد کے اندر جاتے وقت جوتیاں اتاری جاتی ہیں۔ البتہ یہ بات واضح رہے کہ چونکہ ہر وقت جوتیاں اتارنا تکلیف اور زحمت کا باعث بھی بن سکتا ہے، اس لیے صحیح احادیث کے مطابق جوتیاں پہن کر نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا
مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسٰى ﴿۱۹﴾ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفہ
سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرٰى ﴿۲۲﴾
لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾ اذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ ع
لِي أَمْرِي ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ﴿۲۹﴾ هَارُونَ
أَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿۳۱﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿۳۳﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿۳۴﴾
إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسٰى ﴿۳۶﴾

(آواز آئی): ''اے موسیٰؑ، یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' موسیٰؑ نے جواب دیا ''یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک بھی لگاتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے بھی جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں۔'' اللہ نے فرمایا: ''اے موسیٰؑ، اس کو زمین[۶] پر ڈال دو۔''

جب موسیٰؑ نے اس لاٹھی کو (زمین پر) ڈال دیا تو یکایک وہ ایک رینگتا ہوا سانپ بن گئی۔

فرمایا: ''اس کو اٹھالو اور ڈرو نہیں، ہم اس کو پھر اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔''

(اللہ نے فرمایا): ''اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کی طرف سکیڑ لو۔ وہ وہاں سے بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا سفید بن جائے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ (یہ دو نشانیاں تمھیں اس لیے دی گئی ہیں) کہ ہم تمھیں اپنی بڑی بڑی نشانیوں میں سے کچھ اور نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں۔

اے موسیٰؑ، تم فرعون کے پاس (اسلام کی دعوت دینے کے لیے) جاؤ کیونکہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔'' موسیٰؑ نے دعا کی: ''اے

میرے رب، میرا سینہ کھول دے، میری مہم کو آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں[8] اور میرے لیے خاندان سے میرے بھائی ہارون کو وزیر مقرر کر کے میری کمر مضبوط کر دے۔ اس کو میری ذمہ داری میں شریک بنا دے تاکہ ہم تیری زیادہ سے زیادہ تسبیح کریں اور خوب تیرا چرچا کریں۔ بے شک، تو ہمیشہ ہمارے حال پر نگران رہا ہے۔''[9]

فرمایا: ''اے موسیٰؑ تمھاری درخواست منظور ہوئی۔'' ۱۷-۳۶

[۶] ظاہر ہے کہ اللہ کو اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کرتے، اس لیے کہ ان کو یہ بخوبی معلوم تھا۔ یہ سوال دراصل التفات ونوازش کے لیے تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھی لاٹھی کے فوائد گنوانے کی ضرورت نہ تھی۔ انھوں نے ایسا اس لیے کیا کہ اللہ سے زیادہ دیر تک ہم کلام رہ سکیں۔

[۷] یعنی یہ ابتدائی دو نشانیاں تمھارا کام شروع ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ اس کے بعد آگے چل کر تمھیں مزید بہت سی نشانیاں دی جائیں گی۔

[۸] جس طرح آج کے زمانے میں اہم ترین اہمیت میڈیا کو حاصل ہے، اسی طرح اس زمانے میں بہترین گفتگو اور خطابت وہ واحد ذریعہ تھا جس سے دعوت دی جا سکتی تھی، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی۔

[۹] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشن کے دو پہلو تھے۔ ایک فرعون کو دعوت اور دوسرا بنی اسرائیل کی تربیت۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کو بھی اس ذمہ داری میں شرکت کرنے کی درخواست کی۔ انسانیت کی معلوم تاریخ میں صرف اسی دفعہ ایسا ہوا کہ پیغمبر کے ساتھ ایک دوسرے فرد کو بھی اس ذمہ داری میں شریک کیا گیا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى ﴿۳۷﴾ إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلٰى أُمِّكَ مَا يُوحٰى ﴿۳۸﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ
فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ
عَلٰى عَيْنِي ﴿۳۹﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلٰى أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ (وقف لازم)
عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ
جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يَا مُوسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿۴۱﴾ اذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي
ذِكْرِي ﴿۴۲﴾ اذْهَبَا إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَا
إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرٰى ﴿۴۶﴾ فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا

رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ
اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

اے موسیٰؑ،[10] ہم نے اس سے پہلے بھی تم پر اپنا فضل کیا تھا، جب ہم نے تیری والدہ کو وحی کے ذریعے سے اشارہ کیا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دو اور پھر اس کو دریا میں ڈال دو۔ پھر دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے وہ شخص اٹھا لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے۔

اے موسیٰؑ، (یاد کرو کہ) میں نے تم پر اپنی محبت کا سایہ ڈال دیا تا کہ تمھاری پرورش میری نگرانی میں ہو۔ (وہ وقت) جب کہ تمھاری بہن (اس صندوق کے ساتھ ساتھ) جا رہی تھی اور پھر ان لوگوں سے کہنے لگی: ''کیا میں تمھیں اس عورت کا پتا دوں جو اس کی بچے کی طرح پرورش کرے؟'' اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنجیدہ نہ ہو۔[11]

اے موسیٰؑ، یہ بھی یاد کرو کہ تم نے ایک شخص کو (غلطی سے) قتل کر دیا تھا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور تجھے مختلف آزمائشوں سے گزارا۔ پھر تم کئی برس مدین والوں میں رہے اور اب تم ٹھیک اپنے وقت پر یہاں پہنچ گئے ہو۔

اے موسیٰؑ، میں نے تمھیں اپنے اس خاص کام کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ تم اور تمھارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں ڈھیلے نہ پڑنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس کو نرمی کے ساتھ دعوت دو شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔[12]

ان دونوں نے عرض کیا: ''اے ہمارے پروردگار، ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا اس کی سرکشی اور بڑھ جائے گی۔''

(اللہ نے) فرمایا: ''تم اندیشہ نہ کرو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں[13]۔ سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہوں۔ اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے پیغمبر ہیں۔ تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دو اور ان کو تکلیف میں مبتلا نہ رکھو۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے ایک بڑی نشانی بھی لے کر آئے ہیں۔ جو لوگ ہدایت کی پیروی کریں، ان پر سلامتی ہے اور ہم پر یہ وحی کی گئی ہے کہ ان لوگوں کے لیے سزا ہے جو ہمیں جھٹلائیں اور (اس ہدایت سے) منہ موڑیں۔'' ۳۷-۴۸

[۱۰] آگے کی آیات میں وہ باتیں درج کی گئی ہیں جو اس موقع پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمائی تھیں تا کہ ان کو معلوم ہو کہ اللہ ان کو بچپن سے ہی اس عظیم کام کے لیے تیار کر رہا تھا۔

[۱۱] بنی اسرائیل پر حکمران طبقے کا ظلم وستم اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ وہ ان کے سارے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ چنانچہ اس سے بچنے کے لیے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان کو صندوق میں بند کر کے دریا کے سپرد کر دیا جائے، پھر آگے قدرت کی مرضی۔ پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی کو فرعون نے ان کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر دیا۔

[۱۲] دین کی دعوت ہمیشہ انتہائی نرمی ومحبت کے ساتھ دینی چاہیے۔ اللہ کے پیغمبر بھی اپنے مخالفین کو صرف اس وقت سخت بات کرتے ہیں جب اللہ کی طرف سے انھیں ایسا کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے، انھیں سخت بات کہنے کی اجازت نہیں۔

[۱۳] یعنی میں نے تمھیں جو دو نشانیاں دی ہیں، ان کی وجہ سے فرعون پر پہلے لمحے سے ہی تم دونوں کا رعب طاری ہو جائے گا اور وہ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يَا مُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ
الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَّا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾
كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا ع
نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا
بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا
سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ
اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾

فرعون نے پوچھا: ”اے موسیٰؑ تم دونوں کا رب کون ہے؟“

موسیٰؑ نے جواب دیا: ”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی اور پھر اس کی رہنمائی کی۔“

فرعون نے پوچھا: ”جو نسلیں پہلے گزر چکی ہیں، ان کا کیا حال ہے۔“

موسیٰؑ نے جواب دیا: ''ان کا علم میرے رب کے پاس، ایک رجسٹر میں محفوظ ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔[۱۴]''

(اے انسانو، یہ موسیٰؑ نے اسی رب کا ذکر کیا) وہی رب جس نے تمھارے لیے زمین کو گھوارہ بنایا، اس میں تمھارے لیے چلنے کے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر (اس کے ذریعے سے) ہم نے مختلف اقسام کی نباتات پیدا کیں تاکہ تم خود بھی انھیں کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی (اس میں) چراؤ۔ یقیناً اس کے اندر عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا، اسی میں ہم تمھیں واپس بھیجیں گے اور اسی زمین سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں، مگر وہ جھٹلاتا گیا اور اس نے انکار کیا۔ کہنے لگا: ''اے موسیٰ، کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے بے دخل کرو؟[۱۵] ہم بھی تمھارے مقابلے میں ویسا ہی جادو لائیں گے۔ طے کر لو کہ کب اور کہاں مقابلہ کرنا ہے۔ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم (اس کی خلاف ورزی کرو۔ کھلے میدان میں سامنے آجاؤ۔)''

موسیٰؑ نے کہا: ''میلے والا دن طے ہوگیا۔ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں۔'' فرعون نے وہاں سے ہٹ کر اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کرلیں اور مقابلے میں آگیا۔

موسیٰؑ نے (میلے کے دن اپنے مخالفین سے) کہا: ''شامت کے مارو، اللہ پر جھوٹ مت باندھو ورنہ وہ ایک سخت سزا کے ذریعے سے تمھیں پیس کر رکھ دے گا۔ جس نے بھی خدا پر جھوٹ باندھا وہ نامراد ہوا۔'' ۴۹-۶۱

[۱۴] اللہ سب سے بڑھ کر عادل ہے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ جو لوگ پہلے گزر چکے ان کے متعلق میرے رب کو بخوبی علم ہے کہ کس کو کتنی مدت تک اور کتنے اچھے طریقے سے دین کا پیغام ملا تھا اور اس فرد نے اس پیغام کے متعلق کیا رویہ اختیار کیا تھا۔ چنانچہ میرا رب ان میں سے ہر ایک سے اس کے حالات کے مطابق حساب لے گا۔

[۱۵] یعنی ہم قبطی قوم کے لوگ تو حاکم ہیں اور تم بنی اسرائیل ہمارے غلام ہو۔ دراصل تم چاہتے ہو کہ تم اس ملک مصر کے مالک بن جاؤ اور ہمیں اپنا محکوم بنالو یا ہم کو اس ملک سے نکال باہر کرو۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ

مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا
حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا
تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ
السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ
اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَاۗءَنَا
مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا
لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ النصف
لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ
الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع ١٢

موسیٰؑ کی تقریر سن کر فرعون والوں کے درمیان اختلاف رائے ہوگیا اور وہ چپکے چپکے باہم مشورہ کرنے لگے۔ بالآخر انھوں نے کہا: ''یہ دونوں تو جادوگر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمھارے ملک سے بے دخل کردیں اور تمھارے اعلیٰ نظامِ زندگی کو درہم برہم کر کے ختم کردیں[16]۔ اس لیے آج اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کرلو اور متحد ہو کر ان کے مقابلے میں آؤ۔ آج جو بھی غالب آئے گا وہی کامیاب رہے گا۔''

جادوگروں نے کہا: ''اے موسیٰؑ، کیا تم (اپنا داؤ) پیش کرتے ہو یا ہم پہلے (اپنا داؤ) پیش کریں۔''

موسیٰؑ نے کہا: ''نہیں، تم ہی (اپنا داؤ) پیش کرو۔''

یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰؑ کو اس طرح محسوس ہوئیں گویا وہ رینگ رہی ہیں۔

انھیں دیکھ کر موسیٰؑ دل ہی دل میں تھوڑا سا ڈرے۔ ہم نے کہا: ''ڈرو نہیں، تم ہی غالب رہو گے۔ تمھارے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے اسے زمین پر ڈال لو اور یہ ان کے سارے جادو کو نگل جائے گی۔ جو کرتب انھوں نے دکھایا ہے یہ تو بس ایک جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر حقیقت میں کسی بھی طرح کامیاب نہیں ہوتا۔''

(جب موسیٰؑ کی لاٹھی نے ان کے جادو کو ختم کر کے رکھ دیا) تو سارے جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے: ''ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لے آئے۔''[۱۷]

فرعون نے کہا: ''تم میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے۔ یقیناً یہ تمھارا استاد ہے، جس نے یہ جادو تم کو سکھایا ہے۔ اچھا اب میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں میں کاٹوں گا اور کھجور کے تنوں پر تمھیں سولی دوں گا۔ پھر تمھیں پتا چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کی سزا سخت اور زیادہ دیرپا ہوتی ہے۔''[۱۸]

جادوگروں نے جواب دیا: ''جو روشن نشانیاں ہمارے پاس آگئی ہیں اور جس ذات نے ہم کو پیدا کیا ہے، اس پر ہم تم کو ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ تمھیں جو کچھ کرنا ہے، کر گزرو۔ تم زیادہ سے زیادہ بس اپنی دنیوی زندگی کے فیصلے کر سکتے ہو۔ ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کو جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا تھا، معاف فرمائے۔ اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔''

(اے انسانو، جادوگروں کے اس رویے میں تمھارے لیے یہ سبق ہے کہ) بے شک، جو شخص اپنے رب کے سامنے مجرم کی حیثیت سے حاضر ہوگا، اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ مرے گا نہ جیے گا۔ اور جو اس کے سامنے مومن کی حیثیت سے حاضر ہوں گے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے ہوں گے تو ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں، ہمیشگی کے باغ ہیں جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بدلہ ہے اس شخص کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ ۶۲-۷۶

[۱۶] گویا انھوں نے قوم پرستانہ عصبیت کے زور پر دوسرے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنالیا۔ جس چیز کو مصر کا حکمران طبقہ اعلیٰ نظامِ زندگی کہتا تھا وہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل مستقل ان کے غلام رہیں گے اور مصر کی حکمران قوم زندگی سے لطف اندوز ہوتی رہے گی۔

[۱۷] جب جادوگروں کے سامنے حقیقت بالکل واضح ہو کر سامنے آگئی تو انھوں نے اسی وقت علی الاعلان ایمان قبول کرلیا۔

[۱۸] قوم پرستانہ عصبیت کسی انسان یا پوری قوم کی آنکھوں پر اس طرح پٹی باندھ دیتی ہے کہ وہ اس ضد اور غرور میں ہر حقیقت کو جھٹلاتی چلی جاتی ہے۔ فرعون اور اس کے سرداروں کا یہی حال تھا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا

تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا
هَدٰى ﴿٧٩﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا
عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ
وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

(جب فرعون پے در پے مختلف نشانیوں اور مصیبتوں کو سہنے کے بعد اس بات پر مجبور ہوگیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے جانے کی اجازت دے تو) ہم نے موسیٰؑ پر وحی کی کہ اب راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ[19] اور ان کے لیے سمندر میں ایک خشک راستہ کھول لو۔ نہ تمھیں کسی کے تعاقب سے کوئی خطرہ ہوگا اور نہ (ڈوبنے کا) اندیشہ ہوگا۔

(پیچھے سے) فرعون نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا، بالآخر فرعون کی فوجوں پر سمندر اس طرح چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا۔[20] فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا تھا، اس نے (ان کی) کوئی صحیح رہنمائی نہیں کی تھی۔

(دریا پار کرنے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ) اے بنی اسرائیل، ہم نے تم کو تمھارے دشمن سے نجات بخشی، کوہِ طور کے مبارک دائیں جانب تمھاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا تاکہ تم ہمارا دیا ہوا پاک رزق کھاؤ اور میری نعمتوں کو پاکر سرکشی نہ کرو، ورنہ تم پر غضب ٹوٹ پڑے گا۔ یقیناً جس پر بھی میرا غضب ٹوٹا وہ تباہ ہوگیا۔ البتہ جو لوگ توبہ کریں، ایمان لے آئیں، نیک عمل کریں اور ہدایت کا راستہ اختیار کریں، ان کے لیے میں بہت مغفرت کرنے والا ہوں۔ ۷۷-۸۲

[۱۹] 'میرے بندوں' سے مراد بنی اسرائیل اور مصر کے وہ لوگ تھے جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔

[۲۰] اس کی مزید تفصیل سورۂ شعراء میں آئے گی۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾
قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ
يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ

فَقَذَفْنَاهَا فَكَذٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلاً جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هٰذَا إِلٰهُكُمْ وَإِلٰهُ
مُوسٰى ۵ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلاً ۵ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ
هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ج وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿۹۰﴾ قَالُوا لَنْ
نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسٰى ﴿۹۱﴾

(موسیٰ اللہ سے ملاقات کے شوق میں قوم کی ذمہ داری ہارونؑ کے سپرد کر کے وقت سے کچھ پہلے ہی کوہ طور پر پہنچ گئے۔ اس وقت اللہ نے فرمایا): ''اے موسیٰؑ تم کو کیا چیز اپنی قوم سے پہلے لے آئی۔''

اس نے عرض کیا: ''وہ لوگ بس میرے پیچھے آ ہی رہے ہیں۔ اے میرے رب، میں تیری خوش نودی کے لیے جلدی کر کے تیرے حضور آ گیا ہوں۔''

اللہ نے فرمایا: ''(اچھا تو سنو)، ہم نے تمھارے پیچھے تمھاری قوم کو ایک آزمایش میں ڈال دیا ہے، سامری نے انھیں گمراہ کر ڈالا ہے۔''[21]

(کوہ طور پر چالیس دن گزارنے کے بعد) موسیٰ سخت غصے اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ اس نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو، کیا تمھارے رب نے تم سے نہایت اچھا وعدہ نہیں کیا تھا۔ کیا (اس وعدے پر) کوئی لمبا زمانہ گزر گیا ہے یا تم نے چاہا کہ تم پر تمھارے رب کا غضب نازل ہو اور اسی لیے تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟''

انھوں نے جواب دیا: ''ہم نے آپ سے وعدہ خلافی کچھ اپنے اختیار سے نہیں کی۔ دراصل قوم کے زیورات کا جو بوجھ ہمارے حوالہ کیا گیا تھا، ہم نے اس کو اتار پھینکا،[22] پھر اسی طرح سامری نے اپنا کچھ کرتب دکھایا اور لوگوں کے لیے ایک بچھڑے کا دھڑ بنا لیا جس سے بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی۔[23] چنانچہ (مفسد) لوگوں نے (دوسروں کو) کہا کہ تمھارا معبود اور موسیٰ کا معبود تو یہی ہے، لیکن وہ بھول گیا ہے۔''

(افسوس) اس وقت ان لوگوں نے اس بات پر کوئی غور نہیں کیا کہ یہ بت نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی نقصان یا نفع پہنچا سکتا ہے۔

ہارونؑ نے (موسیٰؑ کے آنے سے) پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو، تم اس بچھڑے کے ذریعے سے فتنے میں ڈال دیے گئے ہو۔ تمھارا رب تو وہی رحمان ہے، اس لیے تم میری پیروی کرو اور میری بات مان لو، مگر لوگوں نے ہارون سے کہا کہ ہم تو اسی کی پرستش کرتے رہیں گے جب تک موسیٰؑ واپس نہ آجائیں۔ ۸۳-۹۱

[۲۱] موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار کو خوش کرنے کے لیے اپنی قوم سے پہلے چلے آئے۔ یہ جانب حق ایک لغزش تھی، مگر بہرحال تھی تو عجلت۔ لیکن یہی جلدی موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک شدید آزمایش اور ان کی قوم کے لیے ایک سخت فتنہ بن گئی۔ بت پرست مصریوں کے ساتھ ایک لمبا عرصہ گزارنے کے بعد بنی اسرائیل کے ہاں بھی بت پرستی کی خواہش موجود تھی۔ ایسے حالات کے اندر موسیٰ علیہ السلام کی چند روز کی غیر حاضری بھی قوم کے لیے آزمایش بن سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ اس خطرناک شکل میں سامنے آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے اس واقعے کو قرآن مجید نے خاص طور پر اس لیے نمایاں کیا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ دین کے راستے میں صبر اور انتظار ہی کی روش صحیح راستہ ہے۔

[۲۲] مصر سے نکلتے وقت بنی اسرائیل کے عام لوگوں نے اپنے زیورات اپنے اپنے سرداروں کے حوالے کر دیے۔ پھر جب سامری نے ان کو شرک کی طرف بہکایا تو لوگوں نے اپنے سرداروں سے زیورات واپس مانگ لیے تاکہ سامری ان زیورات سے ان کے لیے ایک بت بنائے۔ چنانچہ سرداروں نے بامر مجبوری یہ زیورات واپس ان لوگوں کے حوالے کر دیے۔

[۲۳] سامری ایک بڑا منافق تھا جو اپنی مفسدانہ اغراض پوری کرنے کے لیے بنی اسرائیل میں آگھسا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے گئے تو سامری کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا اور اس نے بنی اسرائیل کے ان تمام عناصر کو اکٹھا کر لیا جو پہلے ہی سے بت پرستانہ ذہنیت رکھتے تھے۔ اس نے ان کو سمجھایا کہ اگر تم لوگ اپنے زیورات مجھے دے دو تو میں تمھارے لیے ایک معبود بنا دوں گا، جو تمھاری رہنمائی کرے گا۔ سامری فن بت گری کا بھی ماہر تھا۔ چنانچہ اس نے ان زیورات سے ایک بچھڑا بنایا اور جب اس بچھڑے کے خالی جسم سے ہوا گزرتی تو اس میں سے بھاں بھاں کی آواز نکلتی۔ ظاہر ہے کہ سامری نے اس بت کا مجاور بن کر لوگوں سے کہا ہوگا کہ بچھڑا بھاں بھاں کے ذریعے سے جو کچھ کہے گا اس کے معنی میں تمھیں بتاتا رہوں گا۔

قَالَ يَا هَارُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ
بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا
خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا
وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا
لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَا

ھُکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

(قوم کے سرداروں سے پوچھ گچھ کے بعد) موسیٰؑ نے ہارونؑ سے پوچھا: ”جب تم نے دیکھا کہ یہ بنی اسرائیل گمراہ ہو رہے ہیں تو تم کو میری پیروی سے کس چیز نے روکا تھا۔ کیا تم نے میری حکم کی نافرمانی کی؟“

ہارونؑ نے جواب دیا: ”اے میری ماں کے بیٹے، میری داڑھی اور میرے سر کے بال نہ پکڑیے۔ مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں آپ واپس آ کر یہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی ہے اور میری بات کا لحاظ نہیں کیا۔“[۲۴]

اس کے بعد موسیٰؑ نے سامری سے پوچھا: ”تیرا کیا معاملہ ہے؟“

اس نے جواب دیا: ”مجھے وہ چیز نظر آئی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی۔ پس میں نے پیغام لانے والے فرشتے (یعنی جبریلؑ) کے نقش قدم سے ایک مٹھی خاک اٹھالی اور وہ زیورات میں ڈال دی (جس کی وجہ سے یہ بچھڑا بھاں بھاں کرنے لگا)۔ میرے نفس نے مجھے کچھ ایسا ہی سجھایا۔“[۲۵]

موسیٰؑ نے کہا: ”چل دور ہو جا، اب زندگی بھر تجھے یہی پکارتے رہنا ہے کہ مجھے نہ چھونا۔ اور پھر تیرے لیے پوچھ گچھ کا ایک اور وقت قیامت کا دن مقرر ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لو جس پر تم فدا ہو رہے تھے، ہم اس کو جلا ڈالیں گے اور (ریزہ ریزہ کر کے) سمندر میں بہا دیں گے۔“[۲۶]

(پھر موسیٰؑ نے سب لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ) ”لوگو، تمھارا معبود صرف وہی ایک اللہ ہے، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔“ ۹۲-۹۸

[۲۴] موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر حاضری میں ہارونؑ کو لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ ہارونؑ ان کے شریک رسول کی حیثیت سے ان کے سامنے براہ راست جواب دہ تھے، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بطور خاص سرزنش کی۔ قرآن مجید نے ہارونؑ کے جواب پر کوئی تنقید نہیں کی، اس لیے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے اندر کسی بڑی سے بڑی خرابی کی صورت میں بھی حکمران وقت کو انتہائی صبر، تدبر اور مشورے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔

[۲۵] سامری نے لوگوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ اسے کچھ خصوصی الہام اور کشف و کرامات ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اس نے یہ جھوٹ گھڑا کہ چونکہ جبریلؑ کے نقش قدم میں بڑی برکت اور کرامت تھی، اس لیے جب میں نے اس سے مٹی اٹھا کر اس سونے میں ڈالی تو اس سے بچھڑے کے اندر ایک آواز پیدا ہوئی۔ سامری کا یہ سارا بیان خالصتاً جھوٹ تھا، اس لیے کہ فرشتوں سے متعلق کسی چیز میں بھی شرک کی طرف لے جانے والی کوئی ملاوٹ ممکن نہیں ہے۔ اس بیان سے سامری لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح وہ بھی جبریلؑ کو دیکھ سکتا ہے۔

[۲٦] سامری کو اتنی سخت سزا اس لیے دی گئی کہ بنی اسرائیل سے شرک کے جراثیم مکمل طور پر ختم ہو جائیں۔ اس بت کو بھی ریزہ ریزہ کرنا اس لیے ضروری تھا کہ شرک کے تمام آثار کو مٹا دیا جائے اور آیندہ بھی اس طرح کے ہتھکنڈوں کے ذریعے سے لوگوں کو توحید کے راستے سے دور نہ لے جا سکے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ
يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۚ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ
وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ
اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾
ع ١٥ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ
وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ
وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

اے نبیؐ، اسی طرح ہم تمھیں ماضی کے حالات بھی سناتے ہیں اور ہم نے خاص اپنے ہاں سے تم کو ایک ’ذکر‘ (یعنی قرآن مجید) عطا کیا ہے۔[۲۷] جو کوئی بھی اس سے منہ موڑے گا وہ قیامت کے دن گناہ کا بھاری بوجھ اٹھائے گا۔ (ایسے سب لوگ) ہمیشہ اس بوجھ کے نیچے رہیں گے۔ قیامت کے دن کے لیے یہ بہت ہی بھاری بوجھ ہوگا۔ وہ دن جبکہ صور پھونکا جائے گا اور مجرموں کو ہم اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ خوف کے مارے ان کی آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ یہ لوگ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ (دنیا میں) مشکل ہی سے تم نے کوئی دس دن گزارے ہوں گے۔ (اس دن) یہ لوگ جو کچھ کہیں گے ہم اسے خوب جانتے ہیں۔ (اس دن) ان میں سے جو زیادہ محتاط اندازہ لگانے والا ہوگا وہ کہے گا کہ تم (دنیا میں) زیادہ سے زیادہ ایک دن ہی ٹھہرے ہوگے۔[۲۸]

اے نبیؐ، یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ اس قیامت کے دن یہ پہاڑ کہاں چلے جائیں گے؟ کہہ دو کہ میرا رب ان کو گرد و غبار کی طرح اڑا دے گا اور زمین کو ہموار صاف میدان بنا دے گا کہ اس میں نہ تم کوئی پستی دیکھو گے اور نہ بلندی۔ اس دن سب لوگ پکارنے والے

کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے۔ مجال نہیں کہ کوئی ذرا بھی اکڑ دکھا سکے۔ ساری آوازیں رحمان کے آگے دب جائیں گی، ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے۔ اس دن شفاعت کوئی نفع نہ دے گی سوائے اس کے کہ خدائے رحمان کسی کو اس کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔ اللہ ہی لوگوں کے آگے اور پیچھے جو کچھ ہے، سب کو جانتا ہے اور لوگوں کا علم اس کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس دن سب کے چہرے اس زندہ اور کائنات کے سارے نظام کو سنبھالے ہوئے اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے۔ جو بھی ظلم (یعنی شرک) کا مرتکب ہوا وہ نامراد ہوا۔[۲۹] (اس کے برعکس) جو انسان نیک اعمال کرے گا اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو کسی حق تلفی یا زیادتی کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ ۹۹-۱۱۲

[۲۷] یعنی یہ ماضی کے حالات قرآن مجید میں اس لیے سنائے گئے ہیں کہ ان سے سبق اخذ کیا جائے اور ان کی روشنی میں ہم اپنی زندگی گزاریں۔ قرآن مجید نے ہمیں پیغمبروں کے واقعات کا وہ حصہ بتایا ہے جو ہمارے لیے ضروری تھا۔ گویا اس قرآن میں سابقہ پیغمبروں کی تعلیمات اور حالات کو بھی محفوظ کیا گیا ہے اور آخری رسول کی حیثیت سے جو ہدایت حضورؐ پر نازل ہو رہی تھی اس کو بھی محفوظ کیا گیا ہے۔

[۲۸] قیامت کے دن انسان کے اندازہ لگانے کا پیمانہ بالکل بدل جائے گا اور اس دن اسے دنیا کی زندگی محض چند روزہ ہی لگے گی۔

[۲۹] یہاں ظلم کے مقابلے میں مومن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس لیے یہاں ظلم کے معنی شرک اور پیغمبر کی تعلیمات کو پوری طرح سننے اور سمجھنے کے باوجود تعصب اور ضد کی بنیاد پر نہ ماننے کے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ
عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ ع ۱۵
فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ
الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا
سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ

عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ
هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ
الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

اے لوگو، اسی طرح ہم نے اس (کتاب) کو قرآنِ عربی کی صورت میں نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے اپنی دھمکیاں مختلف طریقوں سے واضح کی ہیں تاکہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کریں اور ان کے اندر کچھ ہوش اور سمجھ بوجھ پیدا ہو جائے۔ پس بالا و برتر ہے اللہ، بادشاہِ حقیقی۔

اے نبیؑ، قرآن کے اتارے جانے کے لیے اُس وقت سے پہلے جلدی نہ کرو جب تمھاری طرف اس کی وحی اللہ کی طرف سے مکمل کردی جائے۔ دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب، مجھے مزید علم عطا فرما۔[30]

ہم نے اس سے پہلے آدمؑ پر ایک عہد کی ذمہ داری ڈالی تھی، مگر وہ اسے بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم کی پختگی نہ پائی۔[31] (یہ اس وقت کی بات ہے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کرلیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کر دیا اس پر ہم نے آدمؑ سے کہا: ''یہ ابلیس تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو کہیں اس باغ سے نکلوا دے اور تم محروم ہو کر رہ جاؤ۔ اس باغ میں تمھیں یہ مقام حاصل ہے کہ اس میں تم نہ بھوکے رہو گے، نہ ننگے، نہ تم کو پیاس ستائے گی اور نہ دھوپ لگے گی۔''

مگر شیطان نے اس کو ورغلایا اور کہا: ''اے آدمؑ، کیا میں تمھیں ہمیشہ کی زندگی کے درخت اور ایسی بادشاہی کا سراغ دوں جس پر کبھی زوال نہیں آئے گا؟''[32]

(جب وہ ابلیس کے ورغلانے میں آگئے) تو ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا۔ (نتیجہ یہ ہوا کہ) ان کے ستر ایک دوسرے کے آگے کھل گئے اور دونوں اپنے آپ کو چھپانے کے لیے اس باغ کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔[33] گویا جب آدمؑ نے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو وہ بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اس کو نوازا، اس کی توبہ قبول کرلی اور اس کو ہدایت بخشی۔ پھر اللہ نے فرمایا: ''تم سب (یعنی آدمؑ و ابلیس) یہاں سے اترو۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور (اے آدمؑ)، اگر میری طرف سے تمھارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو بھی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ محروم رہے گا۔ اور جو میری نصیحت سے منہ

موڑے گا تو وہ (دنیا میں) ایک تنگ زندگی گزارے گا اور ایسے فرد کو ہم قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"[۳۴]

یہ (منکرِ حق قیامت کے دن) کہے گا: "پروردگار (دنیا میں تو) میں آنکھوں والا تھا، تو نے مجھے یہاں اندھا کر کے کیوں اٹھایا۔"

ارشاد ہوگا: "جس طرح دنیا میں ہماری آیات تیرے پاس آئیں تو تم ان کو نظر انداز کرتے رہے، اسی طرح آج تمھیں بھی نظر انداز کیا جارہا ہے۔" —— اس طرح ہم حد سے گزرنے والے اور اپنے رب کی آیات نہ ماننے والے کو (دنیا میں) بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے۔"[۳۵] ۱۱۳-۱۲۷

[۳۰] مکی دور میں دشمنوں کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف وحی کا سہارا تھا چنانچہ حضور مسلسل یہ خواہش رکھتے کہ آپ پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے ان کو یاددہانی کرائی کہ قرآن کی وحی پروردگار کی طرف سے ایک خاص حکمت اور ٹائم ٹیبل کے تحت بھیجی جاتی ہے۔ یہ آیات قرآن مجید میں اس لیے باقی رکھی گئیں ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرنے والی تکالیف کا اندازہ ہو سکے۔ اللہ کی طرف سے حضور کو نصیحت ہوئی کہ آپ اپنے علم میں اضافے کی دعا مسلسل کریں۔ یہی دعا ہم سب مسلمانوں کو بھی کرنی چاہیے۔

[۳۱] یہاں آدمؑ کے واقعے کا ایک ٹکڑا اس غرض سے بیان کیا جارہا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ جلد بازی، بے صبری اور کسی بات پر اچھی طرح غور و فکر کیے بغیر عمل کرنے کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔

[۳۲] ابلیس نے آدمؑ کو ابدی زندگی اور مستقل طور پر اس باغ میں رہنے کا جھانسا دیا۔ گویا اس نے ایک دوست اور خیر خواہ کے بھیس میں آدمؑ کے ساتھ دشمنی کی۔

[۳۳] گویا جب انھوں نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر ڈالی تو ان کا جنت کا لباس فوراً اتر گیا۔

[۳۴] اس آیت میں اس فرد کے لیے "معیشة ضنكا" یعنی تنگ زندگی کی دھمکی ہے جو کسی پیغمبر کی طرف سے براہ راست ہدایت پانے کے باوجود اس کے ماننے سے انکار کردے۔ ایسے فرد کو اللہ اپنی سنت کے مطابق اس دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور قیامت کا عذاب اس سے الگ ہے۔

[۳۵] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کے براہ راست مخالفین، جن پر اتمام حجت ہو چکا ہوگا انھیں قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھایا جائے گا کیونکہ وہ دنیا میں اللہ کے پیغام کی طرف سے اندھے بنے رہے۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي
النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ط فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ
ع ۱۳/۱۶ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ج وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط
وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط
وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾
وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ
وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ج فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

کیا ان لوگوں کے لیے یہ حقیقت ہدایت دینے والی نہ بنی کہ ان (مشرکینِ مکہ) سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کی (بربادشدہ) بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک، اس تاریخ کے اندر عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں[36]۔

اے نبیؐ، اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ کر دی گئی ہوتی اور مہلت کی ایک مدت مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان پر سزا مسلط ہو کر رہتی۔ اس لیے جو کچھ یہ لوگ کہتے پھرتے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو[37]، سورج کے طلوع اور اس کے غروب ہونے سے پہلے، رات کے اوقات میں اور دن کے کناروں پر بھی تاکہ تم مراد پا جاؤ[38]۔ نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کی جانب، جو ہم نے ان کے بعض گروہوں کو دے رکھی ہے۔ یہ تو ہم نے انھیں آزمانے کے لیے دی ہے اور تمھارے رب کا دیا ہوا رزق ہی بہتر اور پائیدار ہے۔ اپنے گھر کے لوگوں کو نماز کی تلقین کرو اور (خود بھی) اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم ہی تمھیں دے رہے ہیں اور آخری کامیابی تقویٰ ہی کے لیے ہے۔

یہ (منکرینِ حق) کہتے ہیں کہ یہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کی طرف سے ہمارے لیے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتا۔ اگلے صحیفوں میں جو کچھ درج ہے کیا اس کی دلیل ان کے پاس نہیں پہنچی[39]؟ اگر ہم اس (رسول کے آنے) سے پہلے ہی (ان کو کسی سزا سے) ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے رب، تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری ہدایت کی پیروی کرتے[40]۔

اے نبیؐ، ان سے کہو ہر ایک (انجام کا) منتظر ہے، اس لیے تم بھی انتظار کرو۔ عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھی راہ پر چلنے

والے کون ہیں اور اپنی منزل پر کون لوگ پہنچ گئے۔[41] ۱۲۸-۱۳۵

[۳۶] حضورؐ کے زمانے کے سرزمین عرب کے لیے اس میں یہ نشانی تھی کہ وہ گزرے ہوئے رسولوں کی بستیوں کے انجام سے باخبر تھے۔ اور ہمارے لیے اس میں یہ نشانی ہے کہ حضورؐ کے لیے وہ تمام باتیں پوری ہوئیں جو پچھلے رسولوں کی تاریخ سے ثابت تھیں اور جن کی طرف قرآن مجید نے دو دہائیوں سے بھی زیادہ مدت کے دوران میں بار بار توجہ دلائی۔

[۳۷] مومن کا سب سے بڑا سہارا صبر اور نماز ہے۔

[۳۸] سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے فجر اور عصر کی نمازیں ہیں، شب کی نماز عشا ہے اور دن کے اطراف کی نمازیں ظہر اور مغرب ہیں۔ یہ نمازیں فرض ہیں۔ تہجد کی نماز بھی شب کی نماز ہے اور نماز چاشت دن کے اطراف میں سے ہے۔ یہ دونوں نمازیں نفل ہیں۔

[۳۹] اللہ کی طرف سے پہلے اتاری گئی کتابوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ رسول کو نشانی صرف اس وقت دی جاتی ہے جب اتمام حجت کے بعد قوم کو ہلاک کرنا مقصود ہو اور یا پھر اس وقت جب رسول کو کسی ایسی مہم پر بھیجنے کا فیصلہ ہو جس میں طاقت ور دشمن کے مقابلے کے لیے معجزے کے ہتھیار سے لیس ہونا ضروری ہے۔ چونکہ اللہ ابھی سرزمین عرب کے لوگوں کو مہلت دینا چاہتا تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح کی کوئی نشانی نہیں اتاری گئی۔

[۴۰] اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انکار حق کی پاداش میں جو سزا دی جاتی ہے، اس سے پہلے رسول کا اس قوم کو براہ راست پیغام دینا ضروری ہے۔ رسول کی قوم کے علاوہ جتنی مصیبتیں اس دنیا میں آتی ہیں ان کی نوعیت عذاب کی نہیں، بلکہ آزمائش اور تنبیہ کی ہوتی ہے۔

[۴۱] حضورؐ کے زمانے میں قرآن مجید نے بار بار یہ وارننگ دی اور اس کشمکش کا آخری نتیجہ بالکل وہی نکلا جس کا پہلے دن سے ہی قرآن نے دعویٰ کیا تھا۔ یہ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا ثبوت ہے۔ اس آیت پر اس مبارک سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ انبیاء

[۲۱]

نام

اس سورہ میں مسلسل بہت سے پیغمبروں کا ذکر آیا ہے، اس مناسبت سے اس کا نام ''الانبیاء'' رکھ دیا گیا۔

مرکزی مضمون اور زمانۂ نزول

اس باب کی پچھلی سورتوں کی طرح یہ بھی مکی دور کے آخری زمانے کی ہے اور اس میں وہ تمام مضامین زیر بحث آئے ہیں جو اس سے پچھلی سورتوں میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سابقہ پیغمبروں کی تعلیم اور دعوت کو بھی بیان کیا گیا ہے اور ان واقعات کے ذریعے سے ہمیں دین اسلام کی تعلیمات دی گئی ہیں۔

آیاتہا ۱۱۲ | سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۷

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ۱۱۲ — رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴿١﴾ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا
اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٢﴾ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّىْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿٤﴾ بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿٥﴾ مَآ
اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْ اِلَيْهِمْ فَاسْئَلُوْآ اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧﴾ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ ﴿٨﴾ ثُمَّ
صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٩﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿١١﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ
اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْآ اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ﴿١٣﴾
قَالُوْا يَا وَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتّٰى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيْدًا خَامِدِيْنَ ﴿١٥﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

۱ ان لوگوں (یعنی مشرکین قریش) کے لیے حساب کتاب کا وقت قریب آ لگا ہے اور یہ ابھی تک غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ان کے رب کی طرف سے جو بھی تازہ نصیحت ان کے پاس آتی ہے، اس کو ایک مذاق کے عالم میں سنتے ہیں۔ ان کے دل غفلت میں مدہوش ہیں اور یہ ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص تو بس تمھارے مانند ایک بشر ہے تو کیا تم آنکھوں دیکھتے (اس کے)

جادو میں پھنس جاؤ گے؟

اس (نبیؐ) نے ان سے کہا: ''میرا رب زمین و آسمان میں ہونے والی ہر بات کو جانتا ہے وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(اس کے جواب میں) ان (منکرینِ حق) نے کہا: ''نہیں، بلکہ یہ تو بے کار قسم کے خواب ہیں جس کو اس نے گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ شخص تو شاعر ہے، ورنہ یہ ہمارے پاس اس طرح کی کوئی نشانی لے آئے جس طرح کی نشانیوں کے ساتھ پچھلے رسول بھیجے گئے تھے۔''

(اے نبیؐ)، ان سے پہلے جس بستی کے لوگ بھی ایمان لانے والے نہ بنے تو ان کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ تو اب کیا یہ لوگ ایمان لانے والے بنیں گے؟ تم سے پہلے بھی ہم نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ (ان مشرکینِ قریش سے کہو کہ) اگر تم لوگ علم نہیں رکھتے تو ''اہل الذکر'' (یعنی اہل کتاب) سے پوچھ لو۔[۲] ہم نے ان رسولوں کو ایسے جسم نہیں دیے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ ہمیشہ جینے والے بھی نہ تھے۔ آخر کار ہم نے ان رسولوں کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا اور انھیں اور جس جس کو ہم نے چاہا، بچا لیا اور حد سے گزر جانے والوں کو ہم نے ہلاک کر ڈالا۔[۳]

(اے لوگو)، اب ہم نے تمھاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمھارے حصے کی نصیحت ہے تو کیا تم نہیں سمجھو گے؟ کتنی ہی ظالم بستیاں تھیں جن کو ہم نے پیس کر رکھ دیا اور ان کے بعد کسی دوسری قوم کو اٹھایا۔ جب ان ظالم بستیوں کو ہماری سزا کی آمد محسوس ہوئی تو وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرنے لگے۔ ہم نے کہا: ''اب مت بھاگو، اپنے انھی گھروں اور عیش گاہوں کی طرف پلٹو، کیونکہ اب تم سے پوچھا جائے گا۔'' یہ لوگ کہنے لگے: ''ہائے ہماری کم بختی، بے شک ہم ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔'' یہ لوگ یہی واویلا کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے ان کو خس و خاشاک اور راکھ کے مانند کر دیا۔ ۱-۱۵

[۱] ان آیات کے نزول کے چند ہی برس کے اندر اندر سارے منکرین حق کا محاسبہ دنیا کے لحاظ سے مکمل ہو گیا۔ قرآن مجید نے اس کی پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مکہ ہی میں کر دی تھی تا کہ ان کو تنبیہ ہو اور یہ پیشین گوئی قیامت تک ہمارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کا ثبوت ہو۔

[۲] تمام کتب سماوی چونکہ آخرت کی یاد دہانی اور تذکیر کرتی ہیں، اس لیے انھیں 'الذکر' بھی کہا گیا ہے۔ چونکہ اہل کتاب پچھلے رسولوں کی شخصیت سے باخبر تھے، اس لیے قرآن مجید نے یہ بات کہی۔

[۳] یعنی ہمیشہ سے انسانوں ہی کو رسولوں کا منصب دیا جاتا رہا ہے۔ البتہ چونکہ ان کے ساتھ براہ راست اللہ کی مدد ہوتی ہے، اس لیے ان کے لیے پروردگار کی طرف سے یہ خصوصی قانون بنایا گیا ہے کہ رسول اور اس کے ساتھیوں کو دنیا کی زندگی میں بھی کامیابی دی جائے گی اور مخالفین حق کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ
كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾
وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُوْنَ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ
لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ
فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾
وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ
يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ
ع مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع

اے لوگو، ہم نے زمین وآسمان اوران کے درمیان کی چیزوں کوکھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا۔ اگر ہم کوئی کھیل ہی بنانا چاہتے اور بس ہمیں یہی کچھ کرنا ہوتا تو خاص اپنے پاس ہی سے بنا لیتے[۴]۔ مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگائیں گے جو اس کا سر توڑ دے گی اور تم دیکھو گے کہ باطل مٹ کر رہ جائے گا۔ اے منکرین حق، تم جو باتیں بناتے ہو، اس کے سبب سے تم پر بڑی خرابی آئے گی[۵]۔ زمین وآسمان کی ساری مخلوق اللہ کی ہے۔ اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ نہ تو اس کی بندگی سے بغاوت کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔ وہ شب وروز بغیر دم لیے اس کی تسبیح کرتے ہیں[٦]۔

کیا مشرکین نے زمین کے الگ معبود ٹھہرا لیے ہیں جو زمین کو شاداب کرتے ہیں؟ (اے نبیؐ،) ان سے کہہ دو کہ اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو ان دونوں کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا[۷]۔ پس پاک ہے اللہ، عرش کا پروردگار اُن باتوں سے جو یہ

لوگ بنا رہے ہیں۔ وہ اپنے کاموں کے لیے کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہے اور سب اس کے آگے جواب دہ ہیں۔ کیا ان مشرکین نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود ٹھہرا رکھے ہیں؟ ان سے کہو: ''اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ تعلیم ہے ان لوگوں کی جو میرے ساتھ ہیں اور ان لوگوں کی بھی جو مجھ سے پہلے گزرے۔'' دراصل ان میں سے اکثر لوگ حق سے بے خبر ہیں، اس لیے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اے نبیؐ، ہم نے تم سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے میری ہی عبادت کرو۔

یہ مشرکین کہتے ہیں کہ رحمان اولاد رکھتا ہے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے۔ (رہے فرشتے تو) وہ تو اللہ کے مقرب بندے ہیں جو اس کے آگے بات میں پہل نہیں کرتے، بلکہ اس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے، ان سب سے وہ باخبر ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کریں گے سوائے اس شخص کے جس کے حق میں (سفارش سننے کے لیے) اللہ پسند فرمائے۔ فرشتے اس خوف سے لرزاں رہتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی (اس بات کا) مدعی بنے گا کہ اللہ کے سوا میں بھی لوگوں کا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو یہی بدلہ دیتے ہیں۔ ۱۶-۲۹

[۴] لوگوں کے سامنے ہمیشہ سے یہ سوال رہا ہے کہ اس کائنات اور اس انسان کی تخلیق میں اللہ کا اپنا کیا مقصد ہے۔ کئی مشرکانہ مذاہب نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ کائنات پروردگار نے اپنے لیے محض ایک کھیل تماشے کے طور پر بنائی ہے۔ یہاں قرآن مجید نے اس نقطۂ نظر کی تردید کی ہے۔ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ اس دنیا میں ہمارا کام اللہ کے احکام کی بجا آوری ہے۔ جہاں تک اس کائنات کے بنانے میں اللہ کے اپنے مقصد کا تعلق ہے، یہ راز اللہ ہم پر قیامت کے دن کھولے گا۔

[۵] یعنی دنیا کی زندگی انسانوں کے لیے ایک آزمائش ہے۔ حق و باطل یکساں نہیں ہیں اور قیامت کے دن باطل مکمل طور پر مٹ جائے گا۔

[۶] مشرکانہ مذاہب میں فرشتوں کو بھی بالعموم اللہ کے شریک سمجھا جاتا ہے۔ یہاں قرآن مجید نے اس عقیدے کی تردید کی ہے۔

[۷] زمین و آسمان کے تمام قوانین اور سارے مفادات اس طرح ہم آہنگ (Integrated) اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں کہ ان کی بادشاہی میں دو خداؤں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ
حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ
يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ

الْخَالِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا
الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ
ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

کیا ان منکرینِ حق نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انھیں جدا کیا اور پانی سے ہم نے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ کیا (ان باتوں پر غور وفکر کے) بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے؟[۸] ہم نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے ہیں تا کہ یہ زمین ان انسانوں کو لے کر لڑھک نہ جائے[۹]۔ ان پہاڑوں کے اندر ہم نے درے اور راستے بنائے تا کہ لوگ اپنا راستہ معلوم کر لیں۔ ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا، لیکن یہ حق کا انکار کرنے والے اللہ کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن، سورج اور چاند بنائے۔ سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں[۱۰]۔

(اے نبیؐ)، ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کو دنیا میں ابدی زندگی نہیں بخشی، اگر تم پر موت آ گئی تو لوگ کیا ہمیشہ جیتے رہیں گے؟[۱۱] (ایسا نہیں ہے) ہر جان دار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہم تم لوگوں کو دکھ اور سکھ، دونوں کے ذریعے سے آزما رہے ہیں[۱۲] اور آخر کار ہماری ہی طرف تمھاری واپسی ہے۔

(اے نبیؐ)، جب یہ منکرینِ حق تمھیں دیکھتے ہیں تو تمھارا مذاق بنا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: ''کیا یہی ہے وہ شخص جو تمھارے معبودوں کی برائی کرتا ہے؟'' ان کا اپنا حال یہ ہے کہ یہ رحمان کے ذکر سے منکر ہیں[۱۳]۔

انسان جلد باز مخلوق ہے[۱۴]۔ اے منکرینِ حق، میں عنقریب تم لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاؤں گا، اس لیے تم جلدی نہ مچاؤ۔ یہ کہتے ہیں: ''یہ دھمکی کب پوری ہوگی، اگر تم سچے ہو؟'' کاش، ان کو اس وقت کا علم ہوتا جب یہ آگ کی سزا کو نہ اپنے چہروں سے دفع کر سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے۔ اس وقت کہیں سے بھی ان کو مدد نہیں پہنچے گی۔ وہ سزا ان پر اچانک آ دھمکے گی اور ان کو اس طرح حیران کر دے گی کہ یہ نہ اس کو دفع کر سکیں گے اور نہ ان کو کوئی مہلت ملے گی۔ ۳۰-۴۰

[۸] اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے ذریعے سے آسمان وزمین باہم ملے ہوئے ہیں۔ زمین سے بخارات اٹھتے ہیں، ان سے فضا میں بادل بنتے ہیں اور پھر بارش برستی ہے۔ اس طرح آسمان وزمین باہم ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا بھی ہوتے ہیں۔ اس آیت کے اندر یہ مطلب بھی پوشیدہ ہے کہ کائنات اپنی ابتدائی شکل میں ایک مادے کی مانند اکٹھی تھی۔ پھر ایک بہت بڑے انقلاب کے ذریعے سے مادہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگیا جس سے یہ پوری کائنات بنی۔ پھر جہاں جہاں قدرت نے زندگی تخلیق کرنا چاہی، وہاں پہلے پانی کا بندوبست کیا اور ایسے پانی سے زندگی کی ابتدا ہوئی۔

[۹] اللہ نے اس زمین کی تخلیق اس طرح کی کہ اس کو ہر اعتبار سے انسان کے رہنے کے لائق بنایا۔ جہاں مضبوطی کے لیے پہاڑ کی ضرورت تھی، وہاں پہاڑ کو تخلیق کیا اور جہاں پانی کی ضرورت تھی، وہاں چشمے، ندیاں، دریا اور سمندر تخلیق فرمائے۔

[۱۰] یعنی پوری کائنات قدرت کے اٹل قوانین کی پابند ہے جس سے وہ کوئی انحراف نہیں کر سکتی۔

واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی معلومات اور اس کے بعد کی کئی صدیوں تک لوگ یہ سمجھتے رہے کہ سورج ساکن ہے۔ قرآن مجید نے پہلی مرتبہ یہ بات بتائی کہ سورج بھی ساکن نہیں ہے، بلکہ اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔

[۱۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے مخالفین اسلام کا خیال تھا کہ (نعوذ باللہ) اس شخص کے مرنے کا انتظار کیا جائے۔ اس کے بعد یہ سارا ہنگامہ ختم ہوجائے گا۔ اگر چہ ان کی یہ بات بالکل غلط تھی، لیکن قرآن مجید نے یہاں ایک اور پہلو سے بھی اس کا یہ جواب دیا کہ آپ کی موت کا انتظار کرنے والے کیا اپنی موت کو بھول گئے ہیں؟

[۱۲] عربی زبان میں خیر کے اصل معنی سکھ اور راحت کے ہیں، جبکہ شر کے اصل معنی دکھ اور تکلیف کے ہیں۔ انھی معنوں میں ہم یہ کہتے ہیں کہ والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللّٰہ تعالیٰ۔

[۱۳] مشرکین قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور میں آپ کا بہت مذاق اڑاتے تھے۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے ان کے ہر الزام کا جواب نہایت متانت اور سنجیدگی سے دیا ہے۔

[۱۴] یعنی جلد بازی انسان کی عادت میں ہے۔ جلد بازی کی یہ روش انسان کو بطور آزمائش دی گئی ہے اور اسے بتایا گیا ہے کہ اصل راستہ صبر اور غور وفکر کا راستہ ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ
يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ
دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ
عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ
بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ

يَاوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَإِنْ كَانَ
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ﴿٤٧﴾

(اے نبیؐ)، تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، مگر ان مذاق اڑانے والوں کو اسی چیز (یعنی سزا) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے تھے۔ ان منکرینِ حق سے پوچھو: ''کون ہے جو رات یا دن میں تمھیں اس رحمان سے بچا سکتا ہو؟'' مگر یہ لوگ اپنے رب کی نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔ کیا واقعی ان کے کچھ ایسے معبود ہیں جو (ہمارے مقابلے میں) ان کو بچا لیں گے؟ ان کے یہ معبود نہ تو خود اپنی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہمارے مقابلے میں ان منکرینِ حق کی کوئی حمایت کر سکتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو اور ان کے بزرگوں کو دنیا کی خوب مال و دولت دی۔ یہاں تک کہ اسی حال میں ان پر ایک طویل مدت گزر گئی، مگر کیا انھیں نظر نہیں آتا کہ ہم اس سرزمینِ (مکہ) کو اس کی مختلف سمتوں سے کم کرتے ہوئے بڑھ رہے ہیں؟[15] کیا (یہ لوگ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ) یہ غالب آجائیں گے؟

(اے نبیؐ)، کہہ دو: ''میں تمھیں بس وحی کے ذریعے سے آگاہ کر رہا ہوں، مگر جب بہروں کو خطرے سے آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ اس پکار پر دھیان نہیں دیتے۔'' اگر تمھارے رب کا عذاب ذرا سا بھی انھیں چھو جائے تو یہ چیخ اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی، بے شک، ہم ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔

قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور کسی انسان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔[16] اگر کسی کا رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو ہم اسے سامنے لے آئیں گے۔ حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔ ۴۱-۴۷

[۱۵] ان آیات کے نزول کے وقت سرزمین عرب میں اسلام کے کچھ آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ مکہ میں سرداران قریش کی اکثریت تو مخالفین اسلام میں شامل تھی، لیکن اردگرد کے قبائل اور خاص طور پر مدینہ میں اسلام کی دعوت جڑ پکڑ رہی تھی جس سے یہ بات واضح ہو رہی تھی کہ باہر کی طرف سے اسلام مکہ کو آہستہ آہستہ اپنے گھیرے میں لے رہا ہے۔ اسلام کے اسی بتدریج غلبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے یہ بات کہی کہ ہم مشرکین کے تسلط کو آہستہ آہستہ کم کرتے ہوئے مکہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے اسلام کے پیغام کے پھیلاؤ کو ایک نشانی کے طور پر اہل مکہ کے سامنے پیش کیا۔ آج جب ہم ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ پوری کشمکش ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور ہم جان جاتے ہیں کہ قرآن نے کس طرح ہر موقع پر مستقبل کے متعلق سو فی صد صحیح پیشین گوئیاں کی ہیں۔

[۱۶] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن خالص انصاف ہوگا۔ اللہ کو بخوبی معلوم ہے کہ اس نے کسی انسان کو کہاں تک مجبور پیدا کیا ہے اور کہاں

کہاں اسے آزادی دی ہے۔ اللہ کو یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ کس فرد کو دین کی کتنی دعوت ملی ہے اور کیا یہ دعوت اتمام حجت کے لیے کافی تھی یا وہ فرد رعایت کا مستحق ہے۔ اللہ کو ہر انسان کی نیت کا بھی بخوبی علم ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن عدل کے تمام تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ
وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ
اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا
عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ
فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾
فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ
اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُ
وْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا
يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾

اے لوگو، اس سے پہلے ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کو پرہیزگاروں (کی بھلائی) کے لیے[۱] فرقان یعنی روشنی اور یاددہانی عطا کر چکے تھے، ان کے لیے جو بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جن کو قیامت کی گھڑی یاد ہو۔ اور اب یہ بابرکت نصیحت (یعنی قرآن مجید) ہم نے تمھارے لیے نازل کی ہے۔ پھر کیا تم اس کے منکر ہی بنے رہو گے۔

اس سے پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو بھی (توحید کی) ہدایت عطا فرمائی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: ''یہ کیسے بت ہیں جن پر تم دھرنا دیے بیٹھے ہو۔''

انھوں نے جواب دیا: ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔'' اس نے کہا: ''تم بھی گمراہ ہو اور تمھارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

انھوں نے کہا: ''کیا تم ہمارے سامنے سنجیدگی سے بات کر رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو؟''

ابراہیمؑ نے کہا: ''(نہیں)، بلکہ تمھارا رب وہ ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے۔ اسی اللہ نے ان کو پیدا کیا۔ میں اس پر تمھارے سامنے گواہی دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم، جب تم یہاں سے رخصت ہو کر لوٹو گے تو میں تمھارے ان بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا۔''

چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، سوائے سب سے بڑے بت کے تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں۔

وہ بولے: ''ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ بے شک، وہ کوئی بڑا ہی ظالم تھا۔''

دوسرے کچھ لوگوں نے بتایا کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیمؑ ہے۔ ان کے بڑوں نے کہا کہ اسے سب لوگوں کے سامنے حاضر کرو تاکہ (اس کا انجام) سب دیکھ لیں۔

انھوں نے (ابراہیمؑ سے) پوچھا: ''اے ابراہیمؑ، کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟''

ابراہیمؑ نے جواب دیا: ''بلکہ ان معبودوں کے اس بڑے (سردار نے) یہ حرکت کی ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہوں تو انھی سے پوچھ لو۔'' 18

(اس موقع پر) ان لوگوں کو کچھ احساس ہوا اور دل ہی دل میں کہنے لگے کہ واقعی ہم خود ہی ظالم ہیں۔ مگر اس کے بعد ان کے سروں پر پھر ضد اور جہالت سوار ہو گئی اور کہنے لگے: ''تمھیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ بولتے نہیں۔''

ابراہیمؑ نے کہا: ''پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو نہ تو تمھیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کوئی نقصان۔ تف ہے تم پر اور تمھارے ان معبودوں پر، جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہو۔ کیا تم لوگ کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟''

انھوں نے کہا: ''اگر کچھ کرنے کا ارادہ ہے تو اس نوجوان کو آگ میں جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی حمایت میں اٹھو۔''

ہم نے حکم دیا: ''اے آگ تو ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔'' ان لوگوں نے ابراہیمؑ کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی، مگر ہم نے انھیں ناکام بنادیا۔[19] ۴۸-۷۰

[۱۷] فرقان کا مطلب ہے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا معیار۔ یہاں اس سے مراد تورات ہے۔ اسی تورات کو روشنی اور یاددہانی کا نام بھی دیا گیا۔

[۱۸] ابراہیمؑ کو عین نوجوانی میں ہی اللہ نے توحید کا وہ نور عطا فرمایا جس کی روشنی سے دنیا قیامت تک منور رہے گی، حالانکہ وہ ایک بت پرست قوم اور بت گر باپ کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنی قوم کو بھرپور احساس دلانے اور ان کے عقیدے کی غلطی واضح کرنے کے لیے ابراہیمؑ نے ایک تدبیر کی۔ اس تدبیر سے پہلے انھوں نے لوگوں کے سامنے یہ بیان بھی کر دیا تھا کہ میں ایک ایسی تدبیر کروں گا۔ یہ بیان اس لیے ضروری تھا تا کہ ان کو پورا پورا احساس دلایا جا سکے۔ چنانچہ جب ابراہیمؑ نے ان سے کہا کہ لگتا ہے کہ اس بڑے بت نے ان تمام چھوٹے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے تو یہ بات سب پر بخوبی واضح تھی کہ ایسا نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ بت نہ حرکت کر سکتے تھے اور نہ کچھ بول سکتے تھے۔ اس واقعے سے ہمیں چند ایک اصولی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں جن کا بیان ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اگر کوئی ایسی تدبیر کی جائے جس سے دوسروں کو اپنے عقیدے کی غلطی کا احساس دلایا جائے اور اس تدبیر کے دوران میں کوئی ایسی بات کہی جائے جس کا غلط ہونا سب کو معلوم ہو، لیکن وہ بات صرف اس لیے کہی جائے کہ دوسروں پر ان کی غلطی آخری درجے میں واضح کر دی جائے تو یہ جھوٹ نہیں ہے، بلکہ دلیل کی ایک قسم ہے۔ دلیل کے اس طریقے کو 'استدراج' کہتے ہیں۔ یعنی بحث میں اپنے حریف کی زبان سے وہ بات کہلوانا جو خود اس کے عقیدے کی تردید کرے۔

حضرت ابراہیمؑ کے سامنے جو قوم تھی اس کو سمجھانے کے لیے یہ طریقہ بہت ضروری تھا۔ اسی طرح ابراہیمؑ نے بعض اوقات ظالم کے ظلم سے بچنے کے لیے 'توریہ' بھی کیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مخالف کے سامنے اپنی بات اس طرح سے پیش کی جائے کہ مخاطب اس سے مغالطے میں پڑ جائے۔ ظالم کے ظلم سے بچنے کے لیے توریہ بھی بالکل جائز ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ 'جھوٹ' بولا تھا۔ دراصل عربی میں لفظ 'کذبۃ' کئی معنوں میں آتا ہے۔ اس سے مراد ہمیشہ وہ چیز نہیں ہوتی جسے ہم جھوٹ کہتے ہیں، مثلاً اگر دو افراد کے درمیان صلح کرانے کے لیے ایک فرد کی کچھ غلط گفتگو دوسرے کے سامنے مثبت انداز میں پیش کی جائے تو یہ بھی 'کذبۃ' کے تحت آئے گا۔ حالانکہ یہ نہ صرف جائز، بلکہ قابلِ تحسین ہے۔ یہی حال استدراج اور توریہ کا ہے۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس روایت میں 'کذبۃ' کا لفظ اچھے معنوں میں آیا ہے نہ کہ برے معنوں میں۔

یہاں ایک اور سوال بھی ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ کیا ابراہیمؑ کی طرح ہر مسلمان کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ بتوں کو توڑ دے۔ اور اگر یہ اجازت ہے تو پھر حضورؐ نے مکی دور کے تیرہ برس میں خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے سینکڑوں بتوں کو کیوں ہاتھ نہیں لگایا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمان ایک معاہدے کے تحت عمرہ ادا کرنے گئے تو اس وقت بھی وہاں سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے اور ان کی موجودگی میں صحابۂ کرامؓ نے عمرہ ادا کیا اور نمازیں

نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام حالات میں کسی مسلمان فرد یا حکومت پر یہ الزام ہے کہ وہ غیر مسلموں اور مشرکوں کی تمام عبادت گاہوں اور ان کے اندر رکھی ہوئی تمام چیزوں کا احترام کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے جب سرزمین عرب سے باہر دوسرے ممالک کو فتح کیا تو انھوں نے مشرکین کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ البتہ اس عمومی قانون سے سرزمین عرب مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ یہ زمین اسلام کا مرکز ہے۔ اسی لیے حضورؐ نے اللہ کی خاص ہدایت کے تحت بحیثیت رسول سرزمین عرب سے غیر مسلموں کی تمام عبادت گاہیں مٹا دیں۔ جہاں تک ابراہیمؑ کے درج بالا واقعے کا تعلق ہے تو اس کا اصل مقصد بتوں کو توڑنا نہیں تھا، بلکہ مشرکین کو احساس دلانا تھا۔ اس لیے کہ اگر بتوں کو توڑنا ہی اصل مقصد ہوتا تو سب سے پہلے وہ اس بڑے بت کو توڑتے۔ گویا اس واقعے کا تعلق صرف اور صرف دلیل کے ایک طریقے سے ہے۔

[19] یہ آگ ابراہیمؑ کے لیے اللہ کی خصوصی ہدایت کے تحت ٹھنڈی ہوگئی، اس لیے کہ رسولوں کے لیے اللہ کا یہ قانون ہے کہ مخالفین انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ط وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ط وَكُلًّا
جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ
الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ
الْخَبَائِثَ ط إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ ﴿٧٤﴾ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ط إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٧٥﴾ وَنُوحًا إِذْ
نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا ط إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ
فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ج وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ج وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا وَسَخَّرْنَا مَعَ
دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ط وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٧٩﴾ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ ج فَهَلْ
أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ط وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ
عَالِمِينَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَنْ يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ ج وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿٨٢﴾

ہم ابراہیمؑ اور لوطؑ کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لیے برکتیں رکھی تھیں[20]۔ ہم نے اس کو

اسحاقؑ عطا کیا اور (اسحاقؑ کا بیٹا) یعقوبؑ اس پر مزید۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا۔ ہم نے ان کو پیشوا بھی بنایا اور وہ ہماری ہدایت کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ ہم نے ان کو بھلائی کے کام، نماز کے اہتمام اور زکوۃ ادا کرنے کی ہدایت کی۔ یہ سب کے سب ہماری ہی بندگی کرنے والے تھے۔

لوطؑ کو بھی ہم نے قوتِ فیصلہ اور علم کی نعمت عطا فرمائی۔ ہم نے اسے اس بستی سے نجات دی جس کے باشندے بدکاریوں کے مرتکب تھے۔ درحقیقت وہ بڑے ہی برے گناہ گار لوگ تھے۔ لوطؑ کو ہم نے اپنی خاص رحمت میں داخل کیا۔ بے شک، وہ صالح لوگوں میں سے تھا۔ نوحؑ کو بھی (ہم نے اپنی ہدایت بخشی۔) یاد کرو جبکہ اس نے (اپنی قوم پر اتمامِ حجت کے بعد سزا سے) پہلے دعا کی[21]۔ ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو اس عظیم غم سے نجات دی۔ ہم نے اُس قوم کے مقابلے میں اس کی مدد کی جس قوم نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا تھا۔ بے شک، وہ نہایت ہی برے لوگ تھے، اس لیے ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

داؤدؑ اور سلیمانؑ پر بھی ہم نے اپنا فضل کیا۔ یاد کرو وہ موقع جبکہ وہ دونوں ایک کھیت کے مقدمے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ اس کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں۔ ہم ان کی یہ عدالت خود دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ہم نے (صحیح فیصلہ) سلیمانؑ کو سمجھا دیا حالانکہ حکمت اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا[22]۔

ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤدؑ کا ہم نوا بنا دیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ مل کر اللہ کی تسبیح کرتے تھے۔ اس پر یہ نعمت کرنے والے ہم ہی تھے[23]۔ ہم نے اس کو تمھارے (فائدے کے) لیے ایک خاص جنگی لباس کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تم کو جنگ میں محفوظ رکھے[24]۔ (اے لوگو، ان سب نشانیوں کو دیکھ کر) پھر کیا تم شکر گزار بنتے ہو؟

سلیمانؑ کے لیے ہم نے تیز ہوا کو (مسخر کر دیا تھا) جو اس کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں[25]۔ یقیناً ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے تھے۔ شیاطین میں سے بھی ہم نے بہت سے افراد کو اس کا تابع بنا دیا تھا جو اس کے لیے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ ان سب کو سنبھالنے والے ہم ہی تھے[26]۔ ۷۱-۸۲

[۲۰] سرزمین فلسطین ابراہیمؑ کے وقت سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک برکتوں کی سرزمین رہی، اس لیے کہ اس سرزمین میں رہنے والے بنی اسرائیل کو اللہ نے بحیثیت مجموعی اپنے دین کی ہدایت ساری دنیا کو پہنچانے کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ اسی لیے اس سرزمین میں بیسیوں پیغمبر تشریف لائے۔

[۲۱] یہ وہ دعا ہے جس کی تفصیل سورۂ نوح میں آئی ہے۔

[۲۲] سلیمانؑ داؤدؑ کے بیٹے تھے۔ ایک دن داؤدؑ عدالت میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت انھوں نے سلیمانؑ کو بھی اپنے ساتھ غالباً اسی مقصد کے لیے

بٹھایا تھا کہ وہ بھی نظام حکومت چلانے کے طریقے سیکھ جائیں۔ اسی اثنا میں عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ داؤدؑ نے مقدمے کا فیصلہ کسی اور طریقے سے کیا، لیکن سلیمانؑ نے اپنے والد سے اختلاف کیا اور ان کی توجہ مقدمے کے بعض ایسے حقائق کی طرف دلائی جن کی طرف داؤدؑ کا دھیان نہیں گیا تھا۔ داؤدؑ نے اس بات کو اپنی شان اور پوزیشن کے خلاف نہ سمجھا کہ وہ اپنے بیٹے کی بات مان لیں، چنانچہ انھوں نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو ہر وقت دلیل کے میدان میں انصاف کے مقام پر کھڑا ہونا چاہیے اور اگر اسے اپنے فعل یا اپنی کسی دلیل میں کمزوری نظر آئے تو اسے چھوڑنے میں کوئی دیر نہ لگانی چاہیے۔ یہ بات جس طرح ایک عام انسان کے لیے صحیح ہے، اسی طرح یہ پیغمبر کے لیے بھی ان معاملات میں صحیح ہے جن میں اسے وحی کی رہنمائی نہ ملی ہو۔ حضور کی سیرت میں بھی ہمیں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں حضورؐ نے اپنی ایک ابتدائی ہدایت کو دوسروں کے مشورے سے بدل دیا۔ قرآن مجید نے اس مقدمے کی کوئی تفصیل نہیں فرمائی جو داؤدؑ کی عدالت میں پیش ہوا تھا، اس لیے کہ قرآن کا مقصد یہاں مقدمے کی روداد پیش کرنا نہیں ہے۔ ہمارے لیے بھی اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ ہم اس مقدمے کی تفصیلات میں سوچ بچار کی کوشش کریں۔

[۲۳] داؤدؑ ایک طرف تو حاکم تھے اور دوسری طرف ان کی درویشی اور تعلق باللہ کا یہ حال تھا کہ وہ پہاڑوں اور وادیوں میں نکل جاتے اور جب وہ وہاں اللہ کی تسبیح کرتے تو ساری مخلوقات اس تسبیح کی ہم نوائی کرتیں۔ واضح رہے کہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے یہ بات واضح ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے، البتہ ہم انسان اس کی صحیح کیفیت سے بے خبر ہیں۔

[۲۴] داؤدؑ جس طرح رات کو ایک درویش تھے، اسی طرح وہ دن میں ایک شہ سوار تھے۔ اس زمانے کے خاص جنگی لباس یعنی زرہ کو داؤدؑ نے ہی ایجاد کیا تھا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فائدے کی ہر صنعت اللہ کی طرف سے شکر کے قابل ایک نعمت ہے۔

[۲۵] داؤدؑ کے وقت میں بنی اسرائیل کی بری قوت بہت بڑھ گئی اور سلیمانؑ کے زمانے میں بحری قوت میں بے مثال ترقی ہوئی۔ اس زمانے میں سمندری ہواؤں کو کنٹرول کرنے کا ذریعہ بادبان ہی تھے۔ سلیمانؑ نے ایسے بادبان ایجاد کیے جو تند ہواؤں میں بھی جہازوں کی آمد و رفت میں خلل واقع نہیں ہونے دیتے تھے۔ یہ چیز اللہ کے سکھائے ہوئے علم کی وجہ سے تھی۔

[۲۶] سلیمانؑ کے لشکروں میں جنات اور پرندوں کی بھی باقاعدہ فوج موجود تھی جس کی پریڈ ہوتی رہتی تھی۔ صرف یہی نہیں، بلکہ انھوں نے انسانوں اور جنات میں سے بہت سے مفسد عناصر کو مسخر کر کے انسانیت کی مفید خدمت میں لگا دیا تھا۔ ایک لائق حکمران کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ وہ مفید عناصر کے ساتھ ساتھ مضر لوگوں کو بھی اپنی حکمت سے اصلاح و ترقی کی راہ پر لگا دے۔ تاہم قرآن مجید نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ان شیطانی قوتوں کو سلیمانؑ صرف اپنے بل بوتے پر قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے، بلکہ ان کا اصلی نگران اللہ ہی تھا۔

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ
ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا
الْكِفْلِ ط كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ

مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ صلے اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ
رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ط اِنَّهُمْ
كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ط وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا
فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً صلے وَّاَنَا رَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ج وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

ایوبؑ پر بھی (ہم نے رحمت کی)۔ یاد کرو جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا: ”میں دکھ اور درد میں مبتلا ہوں اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کی تکلیف دور کر دی۔ ہم نے اس کو اس کے گھر والے بھی دیے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیے، اپنی خاص رحمت کے طور پر اور اس لیے کہ یہ ایک نصیحت ہو عبادت گزاروں کے لیے۔[27]

(یہی نعمت ہم نے) اسماعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفلؑ[28] کو بھی دی۔ یہ سب صبر کرنے والے لوگ تھے۔ ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بے شک، یہ سب صالحین میں سے تھے۔

اس مچھلی والے (یونسؑ) پر بھی (ہم نے رحم کیا)، جبکہ وہ (اپنی قوم سے) برہم ہو کر چلا گیا تھا اور اس نے گمان کیا کہ ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے۔ بالآخر اس نے تاریکیوں کے اندر پکارا: ”اے اللہ، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔“ تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو غم سے نجات بخشی۔ ہم وایمان والوں کو اسی طرح غم سے نجات دیتے ہیں۔[29]

ہم نے زکریاؑ پر بھی (اپنا فضل کیا) جب اس نے اپنے رب کو پکارا: ”اے رب، تو مجھے تنہا نہ چھوڑ۔ تو ہی بہترین وارث ہے۔“ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی، اسے یحییٰؑ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا۔ یہ سب نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنے والے اور امید اور خوف، سب حالتوں میں ہماری ہی عبادت کرنے والے اور ہمارے آگے جھکنے والے تھے۔

اُس (پاک دامن خاتون مریمؑ پر بھی ہم نے اپنا فضل کیا تھا) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونکی اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا والوں کے لیے ایک نشانی بنادیا۔

اے انسانو، یہ تمھاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، اس لیے تم میری ہی عبادت کرو۔[۳۰] (ہماری عبادت سے غافل) ان لوگوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ لیکن سب کو ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔ جو ایمان والا نیک عمل کرے گا اس کی کوششوں کی ناقدری نہ ہوگی۔ اس لیے اس کو ہم لکھ رہے ہیں۔۸۳-۹۴

[۲۷] ایوبؑ اپنے وقت کے سب سے بڑے مال دار شخص تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت شکر گزار اور فرماں بردار بندے تھے۔ اللہ کی طرف سے ان پر آزمایشوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ ان کی مال ودولت ان سے چھن گئی اور ان کی اولادوں میں سے اکثر فوت ہوگئے۔ اس کے بعد ان پر جسمانی تکالیف کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور ان کا سارا بدن پھوڑوں سے بھر گیا۔ ایوبؑ نے کئی کئی برس تک ان تمام تکالیف کا اعلیٰ ترین صبر ورضا کے ساتھ مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں اللہ نے ان پر ایک دفعہ پھر اپنا فضل وکرم کیا، ان کی ساری دولت واپس مل گئی اور انھیں آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی۔ اس طرح اللہ نے صبر ایوبؑ کو ساری انسانیت کے لیے قیامت تک ایک یاددہانی بنادیا تاکہ ہمارے سامنے ان کی مثال موجود رہے۔

[۲۸] ذوالکفلؑ غالباً وہی نبی ہیں جن کو بائبل میں حزقی ایل کہا گیا ہے۔ ان کی زندگی بھی صبر وشکر کی تصویر تھی۔

[۲۹] یونسؑ کو 'مچھلی والا' اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ وہ اہل نینوا کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے جس کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ یونسؑ نے ایک مدت تک اہل نینوا کو دین کی دعوت دی، لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی۔ جب ان کو خیال ہوا کہ ان کی قوم حق کی ناقدری کر رہی ہے تو ان پر اسلام کی حمیت غالب آئی اور وہ اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ اگرچہ یونسؑ کا یہ اقدام بذات خود ایک پاکیزہ جذبے پر مبنی تھا، لیکن اس معاملے کا اہم ترین پہلو جو یونسؑ کی نگاہ سے اوجھل ہوگیا، وہ یہ تھا کہ یہ فیصلہ صرف اللہ کو کرنا ہے کہ کسی قوم پر کب اتمام حجت ہوگیا ہے۔ اس وقت سے پہلے کسی پیغمبر کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کر جائے۔ اسی لیے اللہ نے ان پر گرفت کی۔

یونسؑ اپنی قوم سے بیزار ہوکر ایک کشتی میں سوار ہوگئے۔ راستے میں کشتی طوفان میں گھر گئی۔ اس زمانے کے عام وہم وخیال کے مطابق ملاحوں نے یہ سوچا کہ اس کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام سوار ہوگیا ہے جسے اگر کشتی سے پھینک دیا جائے تو طوفان سے نجات مل جائے گی۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے قرعہ ڈالا گیا جس میں یونسؑ کا نام نکلا اور انھیں سمندر میں پھینک دیا گیا۔ سمندر میں غالباً ان کو ایک وھیل مچھلی نے نگل لیا۔ مچھلی کے پیٹ میں یونسؑ کے دل سے درج بالا دعا نکلی۔ یونسؑ کی اس توبہ اور ان کی دعا کو اللہ نے اہل ایمان کے لیے سبق بنادیا ہے تاکہ جب بھی وہ کسی مصیبت میں گھر جائیں، اسی طرح اللہ کے حضور دعا کریں اور اپنے آپ کو اللہ کے مزید قریب کرلیں۔ یونسؑ کے واقعے کی مزید تفصیل سورۂ الصّٰفّٰت میں آئے گی۔

[۳۰] درج بالا پیغمبروں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے انسانوں کو جتادیا کہ ساری انسانیت درحقیقت ایک ہی ہے اور ان کے لیے اللہ نے پہلے دن سے ہی اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ

كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَاقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبۡصَارُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ يٰوَيۡلَنَا قَدۡ
كُنَّا فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ
لَهَا وٰرِدُوۡنَ ﴿۹۸﴾ لَوۡ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوۡهَا ؕ وَكُلٌّ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّهُمۡ فِيۡهَا لَا
يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا ۚ
وَهُمۡ فِىۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوۡمُكُمُ
الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوۡمَ نَطۡوِى السَّمَآءَ كَطَىِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِيۡدُهٗ
وَعۡدًا عَلَيۡنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِى الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ
الصّٰلِحُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِىۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ اِنَّمَا
يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنۡ
اَدۡرِىۡۤ اَقَرِيۡبٌ اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنۡ اَدۡرِىۡ
لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا
تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

جس بستی والوں کے لیے ہم نے (اپنے قانون کے مطابق) ہلاکت مقدر کردی ہو، ان کے لیے حرام ہے (کہ وہ دوبارہ ہدایت کا راستہ پاجائیں۔)[۳۱] یہ لوگ ہدایت کی طرف پلٹنے والے نہیں بنیں گے، یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے۔[۳۲] جب قیامت کے برحق وعدے کے پورا ہونے کا وقت قریب آلگے گا تو یکایک ان لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جنھوں نے حق کا انکار کیا تھا۔ (اس وقت وہ کہیں گے کہ) ہائے ہماری کم بختی، ہم اس قیامت کے دن سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ بلکہ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔ (اس وقت ان منکرین حق سے کہا جائے گا کہ) تم

اور تمھارے وہ معبود جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے، سب جہنم کا ایندھن بنو گے۔ تم لازماً اس میں داخل ہو کر رہو گے۔ اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس جہنم میں نہ جا پڑتے۔ اب تم سب کو ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ ۳۳ اس جہنم میں ان مشرکین کے لیے چیخنا چلانا ہی ہوگا اور (ان کے معبودوں کا حال یہ ہوگا کہ) وہ کچھ نہیں سنیں گے۔

رہے وہ لوگ جن کے لیے اچھے انجام کا ہماری طرف سے وعدہ ہو چکا ہے، وہ اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے، وہ اس کی آہٹ تک نہ سنیں گے۔ وہ ہمیشہ اپنے من بھاتے عیش میں رہیں گے۔ قیامت کے دن وہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت ان کو ذرا بھی پریشان نہ کرے گا۔ فرشتے ان کا خیر مقدم کریں گے (اور ان سے کہیں گے کہ) یہ تمھارا وہی دن ہے جس کا آپ لوگوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔

ایک دن آئے گا، جبکہ ہم آسمانوں کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے کسی کتاب میں صفحات لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم دوبارہ تخلیق کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے ایک حتمی وعدہ ہے۔ بے شک، ہم یہ کر کے رہیں گے۔

زبور میں بھی ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔ ۳۴ بے شک، اس میں ہمارے عبادت گزار بندوں کے لیے ایک بڑی نصیحت ہے۔

(اے نبیؐ)، ہم نے تم کو دراصل ساری دنیا کے لیے ایک رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ۳۵ (ان لوگوں سے) کہو: ''میرے پاس تو یہ وحی آئی ہے کہ تمھارا معبود بس ایک وہی اللہ ہے۔ تو کیا تم اپنے آپ کو اُس اللہ کے حوالے کرتے ہو؟'' اگر یہ لوگ منہ پھیریں تو (ان سے) کہہ دو: ''میں نے تم سب کو یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔ اب میں یہ نہیں جانتا کہ وہ وقت جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، قریب ہے یا دور۔ بے شک، صرف اللہ ہی کھلی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو تم چھپا کر کرتے ہو۔ مجھے نہیں معلوم شاید یہ فرصت تمھارے لیے ایک آزمایش ہو اور یا فائدہ اٹھا لینے کی ایک مہلت ہو۔''

رسول نے دعا کی: ''اے میرے پروردگار، حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ ہمارا رب وہی رحمان ہے اور تم جو باتیں ہم پر بناتے ہو ان کے مقابلے میں اسی سے ہم مدد کی درخواست کرتے ہیں۔'' ۳۶ ۹۵-۱۱۲

[۳۱] یعنی جس بستی میں رسول آ جائے اور اتمام حجت کے باوجود وہ ایمان نہ لائے تو ایسی بستی پر ہلاکت مقدر کر دی جاتی ہے اور اسے دوسرا موقع نہیں دیا جاتا۔

[۳۲] قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہور قیامت کے وقت یاجوج و ماجوج ہر طرف سے پل پڑیں گے اور ساری دنیا فساد سے بھر جائے گی۔ لیکن اس کی اصل صورت کیا ہوگی؟ یہ چیز متشابہات میں سے ہے جس کی اصل حقیقت صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔

[۳۳] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت میں فرمایا کہ ہر وہ شخص جس نے پسند کیا کہ اللہ کے بجائے اس کی بندگی کی جائے، وہ ان لوگوں کے

ساتھ ہوگا جنھوں نے اس کی بندگی کی۔

[۳۴] زبور دراصل داوٗدؑ کے ان نغمات پر مشتمل کتاب ہے جو وہ اللہ کی حمد میں گایا کرتے تھے اور جن کے اندر انتہائی سبق آموز نصیحتیں ہیں۔ اس صحیفے کی تعلیم اور قرآن مجید کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اس صحیفے میں کسی لفظی تغیر کے سوا کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوئی۔ زبور کا باب سینتیس (۳۷) اس حقیقت کی وضاحت کے لیے مخصوص ہے کہ زمین کے وارث اللہ کے نیک بندے ہوں گے۔ اس باب میں نہایت عظیم نصیحتوں کے بعد یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ روز قیامت اس زمین کے اصل وارث اللہ کے نیک بندے ہی ہوں گے۔ برے لوگوں کو اس وراثت سے محروم رکھا جائے گا۔ اہل ایمان کو اللہ کی طرف سے یہ وراثت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملے گی، ساری کائنات کو اہل ایمان کی زمین بنا دیا جائے گا اور اس کی نعمتیں اللہ کے نیک بندوں کے لیے ہوں گی۔

[۳۵] حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کے لیے اللہ کی رحمت ہیں۔ آپ ہی کی وجہ سے توحید کا نور دنیا میں موجود ہے۔ آپ ہی نے دنیا کو اللہ کی سچی ہدایت آخری مرتبہ بغیر کسی کمی بیشی کے پہنچائی۔

[۳۶] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک دعا کے ساتھ اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ حج

[۲۲]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۲۷ میں حج کا لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اسے سورۂ حج کہا جاتا ہے۔

زمانۂ نزول اور موضوع

اس سورہ کا کچھ حصہ مکی دور کے بالکل آخر میں نازل ہوا اور اس کا کچھ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مدنی دور کے بالکل شروع میں نازل ہوا۔ مضمون کی مناسبت کی وجہ سے دونوں حصوں کو یکجا کر دیا گیا۔ اس سورہ کے مکی دور میں توحید اور آخرت کے موضوع پر ایک مختلف انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد مسجد حرام کی اصل حیثیت اور توحید سے اس کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔ اس وقت مکی دور کے تقریباً سارے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمیت مدینے پہنچ چکے تھے اور وہاں ایک ریاست قائم ہو چکی تھی، چنانچہ مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ ایک وقت آئے گا جب مسجد حرام پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اس کے بعد مسلمان ہی خانۂ کعبہ کی حفاظت اور نگرانی کریں گے۔ چنانچہ مسلمانوں سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اب جبکہ مدینہ میں ایک ریاست کا قیام عمل میں آ چکا ہے، اگر ان پر حملہ کیا جائے تو ان کو اپنے دفاع کا پورا حق حاصل ہے۔ واضح رہے کہ مکی دور میں چونکہ مسلمانوں کے پاس ریاست کی قوت موجود نہیں تھی، اس لیے نہ صرف یہ کہ وہاں جنگ سے منع کر دیا گیا تھا، بلکہ دینی معاملات میں خالصتاً، عدم تشدد کا اصول اپنایا گیا۔

چونکہ اس زمانے میں ایسے لوگ بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے جو اسلام سے متاثر تو تھے، لیکن ان کے دنیوی مفادات انھیں دشمنان اسلام کے ساتھ اکٹھا رہنے پر مجبور کرتے تھے، اس لیے ایسے عناصر کا تجزیہ بھی اس سورہ میں کر دیا گیا۔

ایاتہا ۷۸

سُورَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ
اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ
شَدِيْدٌ ﴿۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ
مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ط وَنُقِرُّ
فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ج وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ط وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا
الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾ ثَانِىَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط لَهٗ فِى
الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ ع

ع ۸

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے لوگو، اپنے پروردگار سے ڈرو۔ بے شک، قیامت کا زلزلہ بڑی ہی ہول ناک چیز ہے۔ جس دن تم اس (قیامت) کو دیکھو گے،

ں دن یہ حال ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تمھیں محسوس

ا سارے لوگ مدہوش ہیں۔ حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے۔ دراصل اللہ کے عذاب کا خوف ہے ہی بڑی سخت چیز۔

ں لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بغیر کسی علم کے اللہ کی توحید کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان (جن

ی پیروی کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس کی تو ڈیوٹی ہی یہی مقرر ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا اسے یہ شیطان گمراہ کر کے رہے گا

ے جہنم کے عذاب کا راستہ دکھائے گا۔[1]

ے لوگو، اگر تمھیں موت کے بعد دوبارہ زندگی کے بارے میں کچھ شبہ ہے تو دیکھو کہ ہم نے تم کو ابتدا میں مٹی سے پیدا کیا، پھر

ں کے سلسلے کے ذریعے سے) نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے اور پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے

ں ہوتی ہے۔ ایسا ہم نے اس لیے کیا تا کہ تم پر (اپنی قدرت وحکمت) اچھی طرح واضح کر دیں۔ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں

ں وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر ہم تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں اور پھر (ایک وقت دیتے ہیں)

اپنی جوانی کو پہنچو۔ اس کے بعد تم میں سے بعض لوگ پہلے مر جاتے ہیں اور بعض بڑھاپے کی اُس آخری عمر کو پہنچ جاتے ہیں جب

ھ جاننے کے بعد ان پر ایک دفعہ پھر کچھ نہ جاننے کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔[2]

ے لوگو، تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر بارش برسا دیتے ہیں تو وہ سج جاتی ہے، پھولنے لگتی ہے اور ہر طرح

ں نما چیزیں اگانے لگتی ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حقیقی پروردگار ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر

ہے۔ (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ) قیامت آ کر رہے گی، اس کے آنے میں کسی شک کی گنجایش نہیں اور اللہ ان سب لوگوں کو ایک

رہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

ں میں سے جو لوگ بغیر کسی علم، بغیر کسی ہدایت اور بغیر کسی روشنی بخشنے والی کتاب کے گردن اکڑائے ہوئے خدا کے بارے میں

تے ہیں تا کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے پھیر لیں[3]، ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے[4] اور قیامت کے دن ہم ان کو سزا

چکھائیں گے (اور اسے بتائیں گے) کہ یہ ہیں تیرے اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت، ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے

ں ہے۔ ۱-۱۰

ا اللہ کے بارے میں ایک بحث تو محض اندازے سے کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بحث انسان کے لیے سخت نقصان دہ ہے، اس لیے کہ اس بحث پر

ں آخرت کا دارومدار ہے۔ اس کے برعکس توحید کے بارے میں دوسری قسم کی بحث وہ ہے جو اللہ کے پیغمبر کرتے ہیں۔ وہ توحید پر عقلی دلائل بھی دیتے

ہیں اوراس کے ساتھ لوگوں کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ اللہ نے ان کو براہ راست وحی کے ذریعے سے توحید کی تعلیم دی ہے۔توحید کے بارے میں اصل علم یہی ہے۔

[۲] درج بالا آیات میں قرآن مجید نے ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل اور پھر اس کے بعد جوانی اور بڑھاپے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ دلیل دی ہے کہ اگر اللہ یہ سب کچھ کرسکتا ہے تو وہ تمھاری موت کے بعد دوبارہ کیوں تمھیں زندہ نہیں کرسکتا۔'اَرذَلِ العُمر' سے مراد وہ بڑھاپا ہے جس میں انسان مکمل نسیان (Dementia) کا شکار ہوجاتا ہے۔

[۳] جولوگ توحید اور آخرت کو نہیں مانتے، ان کی ذہنی کیفیت نہایت متکبرانہ ہوتی ہے، وہ خود بھی برائیوں میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی برائیوں میں مبتلا رہیں۔

[۴] جولوگ کسی رسول کے زمانے میں، جبکہ روشنی بخشنے والی کتاب کا نزول ہو رہا ہو، تب بھی رسول کے دشمن بن جائیں، ان کو دنیا کی رسوائی کی سزا بھی دی جاتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِۨطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِۨنْقَلَبَ عَلٰى
وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا
يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ ۚ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾
اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا
يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ
فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ
الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾ السجدة هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ ﴿۱۹﴾ يُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِىۡ

بُطُوۡنِهِمۡ وَالۡجُلُوۡدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِيۡدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا ق

وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوۡۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الۡقَوۡلِ ۖ

وَهُدُوۡۤا اِلٰى صِرَاطِ الۡحَمِيۡدِ ﴿۲۴﴾

لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک کنارے پر کھڑے ہو کر اللہ کی بندگی کرتے ہیں یعنی اگر اُن کو (دین کے کام میں) کوئی فائدہ پہنچے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر اُن پر کوئی مصیبت آ گئی تو الٹے پھر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے دنیا بھی کھودی اور آخرت بھی۔ کھلا ہوا نقصان درحقیقت یہی ہے۔[5]

یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نفع۔ یہی بدترین گمراہی ہے۔ (صرف یہی نہیں، بلکہ) یہ ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جن کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے۔[6] کیا ہی برے ہیں ان کے مولیٰ یعنی یہ معبود اور کیا ہی برے ہیں ان کے یہ ساتھی۔

(اس کے برعکس) نیک عمل کرنے والے اہلِ ایمان کو اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ یقیناً اللہ جو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) کر ڈالتا ہے۔

جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا تو وہ آسمان تک ایک رسی تان لے، اپنے معاملے کا فیصلہ کر ڈالے اور پھر دیکھے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس کے غم کو دور کرنے والی بنتی ہے؟[7] ہم نے اسی طرح اس قرآن کو نہایت واضح دلائل کی شکل میں اتارا ہے (تاکہ لوگ ہدایت حاصل کریں) اور بے شک، اللہ ہی (اپنے قانون کے مطابق) جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔

جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے یہودیت اختیار کی، صابئین، عیسائی، مجوسی[8] اور جن لوگوں نے شرک (کو بطور مذہب اختیار) کیا، ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا۔ بے شک، اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

اے انسانو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ ہی کے آگے جھکتے ہیں وہ سب جو زمین و آسمان میں ہیں، سورج، چاند، ستارے، پہاڑ،

درخت، جانور[9] اور بہت سے انسان۔ البتہ بہت سے انسان ایسے بھی ہیں جو عذاب کے مستحق بن چکے ہیں[10]۔ جن کو اللہ ذلیل وخوار کرے، ان کو کوئی دوسرا عزت دینے والا نہیں بن سکتا[11]۔

بے شک، اللہ جو کچھ چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) کرتا ہے۔

یہ دو فریق ہیں جن کے درمیان اپنے رب کے معاملے میں اختلاف ہے۔ ان میں سے حق کا انکار کرنے والوں کے لیے آگ کے لباس تراشے جائیں گے اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اور ان کے پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے۔ ان (کی سرکوبی) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ جب بھی وہ اس جہنم کے کسی عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو واپس اسی میں دھکیل دیے جائیں گے تاکہ وہ جلنے کی سزا بھگتتے رہیں۔

البتہ، جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کو اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتیوں (کے ہار) پہنائے جائیں گے۔ ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔ اور ان کو پاکیزہ بات قبول کرنے کی ہدایت بخشی گئی اور انھیں ہر تعریف کے قابل خدا کا راستہ دکھایا گیا۔ ۱۱-۲۴

[۵] یہ ان لوگوں کے کردار کا بیان ہے جو اللہ کی بندگی صرف اپنے مفادات کے اندر اندر ہی کرنا چاہتے ہیں اور اگر ان کو کوئی امتحان پیش آجائے تو فوراً انکارِ حق کی طرف چلے جاتے ہیں۔

[۶] یعنی ان نام نہاد معبودوں کا نفع تو بالکل ہی موہوم ہے، البتہ اس عقیدے کا فوری نقصان یہ ہے کہ ایسے لوگ اللہ کو چھوڑ کر درحقیقت اپنا حقیقی سہارا ختم کر دیتے ہیں۔

[۷] آسمان تک رسی تاننے کا مطلب ہے: اپنی انتہائی تدبیر کرنا۔ اسی طرح **'قطع'** کا مفہوم ہے: پوری کوشش کے ساتھ کسی معاملے کا فیصلہ کرنا۔ چنانچہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو بدبخت اور نامراد انسان اللہ سے مایوس اور بدگمان ہوتا ہے کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا اور اس بدگمانی میں مبتلا ہو کر وہ دوسری ہستیوں کو اپنا معبود بنا لیتا ہے، اللہ کو ایسے انسان سے کوئی واسطہ نہیں۔ جو چاہے کرے۔ اس کی یہ تمام کوششیں ناکام ہوں گی اور اس کے شرک کا راستہ اس کو دنیا اور آخرت، دونوں میں غم ہی دے گا اور توحید کا بول بالا ہو کر رہے گا۔

[۸] مجوس سے مراد دراصل زرتشت کے پیروکار ہیں۔ ابتدا میں اس دین کی بنیاد خالص توحید پر تھی، لیکن بعد میں اس دین کے پیروکاروں نے اس کی اصل تعلیمات کو مسخ کر دیا اور آتش پرستی اور دوسری مشرکانہ رسموں میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے علاوہ باقی گروہوں کا ذکر سورۂ بقرہ میں آچکا ہے۔

[۹] یعنی اس پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہم آہنگی اور یہ بات کہ ساری کائنات ایک ہی طرح کے قوانین کی پابند ہے، اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس پوری کائنات کا خالق و مالک ایک اللہ ہی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

[۱۰] یعنی بہت سے سلیم الفطرت انسان ایسے ہیں جو توحید پر ایمان لا کر اسی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں بہت سے ایسے انسان

یں جو اللہ کے ساتھ شرک کر رہے ہیں۔

[۱۱] شرک بذاتِ خود ایک ذلت ہے، کیونکہ اس میں انسان ایسی مخلوقات کے سامنے جھکتا ہے جو درجے میں اس سے کہیں نیچے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ﰳالْعَاكِفُ
وَالْبَادِ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ
تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ
وْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ
لّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾
مَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ
یْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا
وْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ
تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾
كُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۳۳﴾ ع

بے شک[۱۲]، (یہ مشرکینِ قریش) جنھوں نے حق کا انکار کیا اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ اور اس محترم مسجد سے روک رہے ہیں جس کو ہم نے لوگوں کے لیے یکساں بنایا، وہ اس کے مقامی باشندے ہوں یا باہر سے آنے والے۔[۱۳] (یہ لوگ بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کر رہے یں)۔ جو لوگ بھی اس محترم مسجد میں کسی

بے دینی یا شرک کے ارتکاب کا ارادہ کریں گے تو ہم ان کو ایک دردناک عذاب چکھائیں گے۔[۱۴]

یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے بیت اللہ کی جگہ کو ابراہیمؑ کے لیے ٹھکانا بنایا اور اسے ہدایت کی کہ: ''میری عبادت میں کسی اور کو شریک نہ

کرو، میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لیے بلاؤ۔ وہ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر سوار ہو کر بھی آئیں گے، دور دراز گہرے پہاڑی راستوں سے تاکہ وہ لوگ یہ فائدے دیکھیں (جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں[۱۵]) اور چند مقررہ دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو بخشے ہیں، (اس ہدایت کے ساتھ کہ) ان میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاجوں کو بھی کھلاؤ، پھر اپنا میل کچیل دور کرو، اپنی نذریں پوری کرو اور اس قدیم گھر کا طواف کرو۔[۱۶]"

چنانچہ اے لوگو، تم بھی ان سب باتوں کا اہتمام کرو[۱۷]۔ جو کوئی بھی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی انسان کے لیے بہتر ہے۔

اے لوگو، تمھارے لیے مویشی جانور حلال ٹھہرائے گئے سوائے ان کے جو تمھیں بتائے جا چکے ہیں۔ پس بتوں کی گندگی سے اجتناب کرو، جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو، یک سو ہو کر اللہ کے بندے بنو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ جو کوئی بھی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے گویا وہ آسمان سے گر گیا ہے، (اب یا تو) اسے پرندے اچک لیں گے یا ہوا اس کو کسی دور دراز جگہ میں پھینک دے گی۔[۱۸]

اے لوگو، ان تمام باتوں کا اہتمام رکھو۔ جو کوئی بھی اللہ کے مقرر کردہ شعائر (یعنی علامتوں) کی تعظیم کرے تو یہ چیز دلوں کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے۔ تمھیں ایک مقرر وقت تک ان (ہدی کے جانوروں) سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے اور پھر ان کو قربانی کے لیے اسی قدیم گھر کی طرف لے جانا ہے۔ ۲۵-۳۳

[۱۲] یہاں سے آگے کی آیات مدنی دور کی بالکل ابتدا میں نازل ہوئیں۔ ان آیات کے ذریعے سے اہل ایمان کو یہ بتا دیا گیا کہ مسجد حرام پر مشرکین کا قبضہ بالکل ناجائز ہے۔ اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ تعمیر کعبہ کا اصل مقصد کیا ہے۔ پھر حج کے احکام اس طرح بیان کیے گئے کہ مسلمانوں کو یہ واضح پیغام دیا گیا کہ بہت جلد بیت اللہ پر تمھارا قبضہ ہو جائے گا اور پھر ان ہدایات کے مطابق تمھیں حج کا انتظام کرنا ہے۔ گویا مدنی دور کے پہلے دن سے ہی قرآن مجید نے آگے کے تمام مراحل اور بیت اللہ پر اہل ایمان کے مکمل قبضے کی پیشین گوئی کر دی تھی۔

[۱۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام پر کسی خاندان یا کسی مخصوص حکومت کی اجارہ داری قائم نہیں ہو سکتی۔ اس میں تمام مسلمانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ اہل مکہ یا ان کی حکومت کی حیثیت اس کے مالکوں کی نہیں، بلکہ اس کے پاسبانوں اور خدمت گزاروں کی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جہاں تک مسجد حرام کا تعلق ہے، اس کے بارے میں جنگ کے احکام بھی باقی تمام دنیا سے مختلف ہیں یعنی اگر کوئی بیرونی طاقت اس پر حملہ کر دے تو مسجد حرام کی

[د]افعت کے لیے تمام دنیا کے مسلمانوں پر جنگ آپ سے آپ فرض ہو جائے گی اور اس معاملے میں کسی بھی معاہدے یا مصلحت کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ یہ [ا]س لیے کہ مسجد حرام پوری امت مسلمہ کا دل ہے۔

یہاں تک ایک خاص مسئلے پر فقہا کے درمیان اختلاف ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ کیا حدود حرم میں کوئی گھر کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے اور وہ کسی دوسرے سے [ا]پنے گھر کا کرایہ وصول کر سکتا ہے؟ واضح رہے کہ حدود حرم سے مراد مکے کے اردگرد وہ حدود ہیں، جہاں سے عمرے یا حج کے لیے آنے والے لوگوں پر احرام کی [پ]ابندی لازم ہو جاتی ہے۔ اس اختلاف سے قطع نظر کر کے یہ بات واضح ہے کہ مسجد حرام کے خادموں پر یہ لازم ہے کہ وہ حج و عمرہ کے لیے آنے جانے والوں کو [ہ]ر ممکن سہولت فراہم کریں اور اس دینی فریضے کو اپنے لیے کسی ناجائز آمدنی کا ذریعہ نہ بنائیں۔

[۱۴] یعنی یہ مشرکین قریش جنھوں نے مسجد حرام میں بے دینی اور شرک کے اڈے بنا رکھے ہیں، ان کو اللہ کی طرف سے ایک سخت سزا دی جائے گی۔ اس [ا]سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کبھی کوئی دشمن مسجد حرام پر حملہ کرے گا تو اللہ کی طرف سے اسے ایک سخت سزا دی جائے گی۔

[۱۵] یہاں فوائد سے مراد وہ روحانی فائدے اور تجربے ہیں جو ہر اہل ایمان کو یہاں نصیب ہو جاتے ہیں۔

[۱۶] بیت اللہ کو یہاں ''بیت عتیق'' کہا گیا ہے۔ عتیق کے معنی اصل اور قدیم کے ہیں۔ ایسا اس لیے کہا گیا کہ یہ واضح ہو جائے کہ ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ اللہ کا اصل اور قدیم گھر یہی ہے۔

[۱۷] قرآن مجید میں ایک سابقہ بات کو دہرانے کے بعد جب بھی 'ذالك' کا لفظ آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم سب کو قیامت تک ان باتوں کا اہتمام کرنا ہے۔

[۱۸] آدمی شرک کا ارتکاب کر کے اپنے اصل مرکز سے کٹ جاتا ہے۔ اصل مرکز سے کٹ کر وہ ایک کٹی ہوئی پتنگ بن جاتا ہے، جس کو جہاں چاہے ہوا اڑا کر لے جا سکتی ہے۔ پھر وہ عقیدے، فکر اور عمل کی ہر گمراہی میں مبتلا ہو سکتا ہے اور اس طرح اس کا آخری انجام نہایت ہی خراب ہو جائے گا۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿۳۴﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾

ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا تا کہ وہ لوگ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو بخشے ہیں[19]۔ پس تمھارا معبود وہی ایک اللہ ہے، تم اپنے آپ کو اسی کے حوالے کرو۔ اور اے نبیؐ، خوش خبری دے دو ان لوگوں کو جن کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، جو مصیبت بھی ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمھارے لیے اللہ کے لیے کی جانے والی علامتوں میں شامل کیا ہے[20]۔ تمھارے لیے ان میں بہت خیر ہے، پس انھیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو اور پھر جب وہ اپنے پہلوؤں پر گر پڑیں[21] تو ان میں سے خود بھی کھاؤ، ان کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور ان کو بھی جو اپنی حاجت پیش کریں[22]۔ ان چوپایوں کو اسی طرح ہم نے تمھاری خدمت میں لگا دیا ہے تا کہ تم اللہ کے شکرگزار رہو۔ نہ ان کا گوشت اللہ کو پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، مگر صرف تمھارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح ہم نے ان کو تمھاری خدمت میں لگا دیا ہے تا کہ تم اللہ کی ہدایت کے مطابق ان پر تکبیر پڑھو۔ اے نبیؐ (جو اہلِ ایمان اس کے مطابق عمل کریں اُن) بہترین طریقے سے عمل کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو۔۳۴-۳۷

[۱۹] اللہ کی ہر شریعت میں قربانی کا طریقہ رائج رہا ہے۔ پہلی شریعتوں میں بہت سے مواقع پر قربانی کی جاتی تھی۔ پھر زمانے کے ارتقا کے ساتھ یہ وقت آیا کہ اللہ کی آخری شریعت میں قربانی عید الضحیٰ حج اور اللہ کے حضور شکر کے بعض دوسرے مواقع تک محدود کر دی گئی۔

[۲۰] یہودیوں کے ہاں اونٹ کو ذبح کرنا حرام تھا، اسی لیے قرآن مجید نے خاص کر اس کا ذکر کر کے ان کی اس بدعت کو ختم کر دیا۔

[۲۱] اونٹوں کی قربانی کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو قبلہ رو کھڑا کر کے ان کا خون بہایا جاتا ہے۔

[۲۲] مشرکین عرب اپنی پیش کی ہوئی قربانی میں سے کھانے کو ممنوع سمجھتے تھے، اس لیے قرآن نے یہ بات کہی کہ ان قربانیوں سے خود کھانا بالکل جائز ہے۔ قرآن نے بطور خاص اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ ان ضرورت مندوں کو جو قناعت کی وجہ سے کچھ نہیں مانگتے، قربانی کا گوشت بطور تحفہ پیش کیا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ
ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ نِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا
اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ
اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا

صَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

بے شک، اللہ مدافعت کرے گا ان لوگوں کی جو ایمان لائے ہیں۔ اللہ ہرگز بدعہدوں اور ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔ جن ایمان
الوں سے جنگ کی جائے، اب ان کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی، اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری
رح قادر ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنے گھروں (یعنی سرزمینِ مکہ) سے بے قصور محض اس جرم کی بنا پر نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ
مارا رب اللہ ہے۔[۲۳]

(اللہ ضرور ان ایمان والوں کی مدد کرے گا اور انھیں فتح بخشے گا، اس لیے کہ) اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا
رہتا تو تمام خانقاہیں، گرجے، کنیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، مسمار کیے جا چکے ہوتے۔[۲۴] بے شک، اللہ ضرور
ان لوگوں کی مدد فرمائے گا جو اس کی مدد کے لیے اٹھیں گے۔[۲۵] بے شک، اللہ قوی اور غالب ہے۔ یہ (اہلِ ایمان وہ) لوگ ہیں کہ اگر
ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، معروف کو رواج دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔
تمام معاملات کا آخری انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔[۲۶] ۳۸-۴۱

[۲۳] یہ قرآن مجید کی وہ پہلی آیات ہیں جن میں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی۔ چونکہ اس سے پہلے مکی دور میں مسلمانوں کی کوئی حکومت موجود نہیں
تھی، اس لیے ان کو خالصتاً عدم تشدد کے اصول پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ جہاں جہاں بھی کسی کے پاس حکومت کی طاقت نہ ہو، اس کے لیے ہر معاملے
میں عدم تشدد ہی کا اصول ہے۔ جنگ کے لیے ریاست وحکومت کا وجود ایک ایسی بنیادی شرط ہے جیسے نماز کے لیے وضو وتیمم، روزے کے لیے صحت اور زکواۃ
کے لیے مال ہے۔ اللہ کے کسی بھی پیغمبر نے حکومت حاصل ہونے سے پہلے اللہ کے راستے میں جنگ نہیں کی۔ بلکہ ہر مصیبت کے مقابلے میں صبر اور عدمِ تشدد
سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مدینے میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو ان آیات کے ذریعے سے مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر ان پر حملہ کیا جائے تو
انھیں اپنا دفاع کرنے کی اجازت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی ملک پر حملہ کرنا ظلم ہے اور مشرکین مکہ نے اس سے بھی بڑھ کر مسلمانوں پر یہ ظلم کیا تھا کہ ان کو ان
کے عقیدے کی وجہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان آیات کے اندر یہ بات بھی موجود ہے کہ ان مظلوم مسلمانوں کو ایک دن مکمل فتح نصیب ہوگی۔ واضح
رہے کہ یہ بالکل ابتدائی مدنی دور کی بات ہے جب مسلمان چند ہزار سے زیادہ کی تعداد میں نہیں تھے اور جب ہر طرف مخالفین کا بازار گرم تھا۔ ایسے موقع پر
قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی بہت عجیب لگتی تھی، لیکن بعد کے واقعات نے ان سب باتوں کو حرف بہ حرف صحیح ثابت کر دیا۔

[۲۴] اس آیت میں قرآن مجید نے ایک اہم اصول کا ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ پروردگار اس دنیا میں توحید کی مخالف طاقتوں کو کبھی بھی فیصلہ کن بالادستی حاصل
نہیں کرنے دیتا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اللہ برائی کی حامل کسی بھی طاقت کو ایسی فیصلہ کن کامیابی حاصل نہیں کرنے دیتا جس کی وجہ سے توحید یا اسلام کی دعوت
رک جائے، کیونکہ اس طرح دنیا میں آزمائش کا خاتمہ ہو جائے گا، جبکہ پروردگار نے یہ دنیا آزمائش کے لیے بنائی ہے۔ 'صومعة' اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں
راہب، سنیاسی اور تارک الدنیا فقیر رہتے ہیں۔ 'صلوٰة' سے مراد یہودیوں کی عبادت گاہیں ہیں۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ پروردگار نے درج بالا چاروں جگہوں کو

توحید کی یاددہانی کی جگہیں قرار دیا ہے۔

[۲۵] اللہ کی مدد کا مطلب دراصل اللہ کے دین کی خدمت ہے۔ اس دنیا میں اللہ کے دین کے لیے کام کرنے کو اللہ نے اپنا کام قرار دیا ہے، اس لیے جو لوگ بھی یہ کام کرتے ہیں، اللہ ان سے محبت کی خاطر یہ فرماتا ہے کہ وہ دراصل میری مدد کرتے ہیں۔

[۲۶] درج بالا آیت میں قرآن مجید نے مسلمان حکمرانوں کی چار اہم ترین خصوصیات گنوائی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ آیات مدنی دور کے بالکل ابتدا میں نازل ہوئیں تاکہ مسلمانوں کو یہ بتادیا جائے کہ ان کی حکومت کن چار مقاصد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھے گی۔ مسلمان حکمرانوں کا کام یہ ہے کہ وہ پوری سوسائٹی میں نماز کا اہتمام کریں گے اور ضرورت مند طبقات کو زکوٰۃ ادا کریں گے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہوگا کہ وہ اپنی ریاست میں معروف کو رواج دیں گے۔ معروف کا مطلب ہے: ہر وہ اچھی چیز جو انسانی ضمیر، تجربے اور مشاہدے کے نزدیک صحیح ہو۔ گویا اس سے متفق علیہ بھلائیاں، مثلاً جمہوریت، انصاف، امانت ودیانت، میرٹ، محنت، قانون کی پابندی، حکمت وتدبر، تعلیم صحت اور اسی طرح کی دوسری تمام بھلائیاں مراد ہیں۔

مسلمان حکمرانوں کے لیے یہ کام بھی ضروری ہے کہ وہ 'منکر' سے روک دیں۔ منکر کا مطلب ہے: وہ تمام چیزیں جنھیں انسانی ضمیر، تجربہ اور مشاہدہ غلط اور برا قرار دے، مثلاً ظلم، بددیانتی، بے انصافی، اقرباپروری، رشوت، سستی، لاقانونیت اور اسی طرح کی دوسری تمام بری چیزیں۔ یہ آیت ہمیں ایک مسلمان حکومت اور ایک عام سیکولر حکومت کے درمیان اصل فرق بھی بتاتی ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک اچھی سیکولر حکومت بھی معروف ومنکر کا پورا خیال رکھے، لیکن نماز وزکوٰۃ کا اہتمام اس کے دائرۂ کار سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مسلمان حکومت اس کو بھی اپنے اہم ترین کاموں میں سے سمجھتی ہے۔ جہاں تک کچھ سول اور فوج داری قوانین کے بارے میں قرآن مجید کے احکام کا تعلق ہے، ان پر بحث اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

وَإِنْ يُّكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُودُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿۴۳﴾
وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوسٰى فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۴۴﴾ فَكَأَيِّنْ مِّنْ
قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿۴۵﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَّعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَّسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى
الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ
كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۴۷﴾ وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿۴۸﴾ ع ۱۴
قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ
اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۘ وَّالْقَاسِيَةِ
قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا
بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾

(اے نبیؐ)، اگر یہ لوگ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں ہے)۔ان سے پہلے نوحؑ کی قوم، عاد، ثمود، ابراہیمؑ کی قوم، لوطؑ کی قوم اور مدین کے لوگ بھی (اپنے اپنے رسولوں کو) جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰؑ کی بھی تکذیب کی گئی تھی۔ان سب منکرینِ حق کو میں نے پہلے مہلت دی اور پھر ان کو پکڑ لیا۔دیکھ لو کہ میری سزا کیسی تھی[27]۔

کتنی ہی بستیاں ہیں کہ جب انھوں نے ظلم کیا تو ہم نے انھیں تباہ کر دیا اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں اور کتنے ہی ناکارہ کنویں اور کتنے پختہ محل ہیں (جو اب ویران پڑے ہوئے ہیں)۔کیا یہ منکرین حق ملک میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان حق کو سننے والے ہوتے[28]، کیونکہ دراصل آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہو جاتے ہیں[29]۔

(اے نبیؐ)، یہ لوگ تم سے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا اور تمھارے رب کے ہاں کا ایک دن تمھارے شمار کے ایک ہزار سال کی طرح کا ہوتا ہے[30]۔کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ان کے ظلم کے باوجود پہلے میں نے مہلت دی، پھر ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کی واپسی ہے۔

(اے نبیؐ)، ان لوگوں سے کہہ دو: ''میں تو صرف ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا انسان ہوں۔چنانچہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور اچھے عمل کریں گے۔ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔اور جن لوگوں کی ساری جدوجہد ہماری آیات کی مخالفت میں ہے، وہی دوزخ والے ہیں۔''

(اے نبیؐ)، ہم نے تم سے پہلے جو رسول اور نبی بھی بھیجا[31] جب بھی اس نے (لوگوں کی ہدایت کا) ارمان کیا تو شیطان نے اس (کی تمنا) کے راستے میں مشکلات پیدا کیں۔پس اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کی دخل اندازی کو اور پھر اللہ اپنی باتوں کو قرار بخشتا ہے۔اللہ علیم اور حکیم ہے[32]۔ (یہ اس لیے ہوتا ہے) کہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کو اُن لوگوں کے لیے فتنہ بنا دے جن کے دلوں میں مرض

ہے اور جو سنگ دل ہیں۔ بے شک، یہ ظالم لوگ اپنی دشمنی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔[۳۳]

اور (ایسا اس لیے بھی ہوتا ہے) کہ اہلِ علم یہ اچھی طرح جان لیں کہ یہی تیرے رب کی جانب سے حق ہے۔ پس ان کے ایمان اللہ پر پختہ ہوجاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں۔ یقیناً اللہ ایمان والوں کو ضرور سیدھے راستے کی ہدایت فرمائے گا۔۴۲-۵۴

[۲۷] یہاں قرآن مجید اسی قانون کا ذکر کر رہا ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے لیے مقرر کیا ہے یعنی یہ کہ ان کے مخالفین کو آخرت کے علاوہ اس دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے۔

[۲۸] کئی ایسی پرانی اقوام کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں جن پر اللہ نے رسولوں کو جھٹلانے کی پاداش میں اپنی سزا نازل فرمائی۔

[۲۹] قرآن ادب کی زبان استعمال کرتا ہے اور ادب کی زبان میں ہمیشہ سے عقل و جذبات کا مرکز دل ہی کو قرار دیا جاتا ہے۔ آج بھی ایسا ہی ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

[۳۰] یہاں قرآن نے بتا دیا ہے کہ اہل دنیا کو دی ہوئی مہلت کا تعین اپنے پیمانوں سے نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ جس چیز کو اہل دنیا ایک ہزار برس کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اللہ کی نظر میں وہ سارا عہد محض ایک دن کے برابر ہو۔ قرآن میں ایک اور جگہ اس دنیا کے پچاس ہزار برسوں کو بھی اللہ کے ہاں کے ایک دن سے تشبیہ دی گئی ہے۔

[۳۱] یہاں قرآن نے رسول اور نبی کا لفظ علیحدہ علیحدہ استعمال کیا ہے۔ نبی وہ ہستی ہوتی ہے، جس کی طرف لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ کی طرف سے وحی بھیجی جاتی ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ نبی کے مخالفین کو لازماً اس دنیا میں بھی سزا ملے۔ رسول دراصل انبیا ہی میں سے اس ہستی کا نام ہے جو باقاعدہ اس اختیار کے ساتھ اس دنیا میں اللہ کی دعوت کا کام شروع کرتے ہیں کہ مہلت کا وقت گزرنے کے بعد ان کے مخالفین پر اللہ کی طرف سے اس دنیا میں بھی عذاب نازل ہوگا۔

[۳۲] یعنی جب کوئی بھی نبی یا رسول اس دنیا میں اللہ کے دین کی طرف بلانے کا کام شروع کرتا ہے تو جنات اور انسانوں میں سے جو شیاطین ہیں، وہ اس کے اس کام میں ہر ممکن رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ان شیاطین کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ دین حق کو جڑ سے اکھاڑ دیں۔ ایک وقت آتا ہے جب اس دین کو رسوخ اور استحکام مل جاتا ہے۔

[۳۳] یعنی شیاطین جن و انس کو دعوت حق کے کام میں خلل اندازی کی اجازت اس لیے ملی ہے کہ دنیا میں آزمایش کا سلسلہ جاری رہے اور کھرے اور کھوٹے ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے رہیں۔

چونکہ درج بالا آیات میں انبیا کا ذکر بھی آیا ہے، اسی لیے قرآن نے یہ نہیں کہا کہ ان کے مخالفین بھی اس دنیا میں لازماً ہلاک کیے جاتے ہیں۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿۵۵﴾

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِيْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيَاتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ
مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ط وَاِنَّ
اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ج وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ
غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ
بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

(اے نبیؐ)، انکار کرنے والے تو قیامت کے دن کی طرف سے برابر شک ہی میں پڑے رہیں گے، یہاں تک کہ یا تو ان پر اچانک قیامت آ دھمکے گی یا اسی دنیا میں ایک منحوس دن کی سزا ان پر آ جائے گی۔[۳۴] اُس دن سارا اختیار اللہ ہی کو حاصل ہوگا۔ وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ چنانچہ ایمان رکھنے والے اور اچھے عمل کرنے والے نعمت کے باغات میں ہوں گے اور جنھوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، ان کے لیے رسوا کر دینے والی سزا ہوگی۔

جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر انھیں قتل کر دیا گیا یا وہ فوت ہو گئے تو اللہ ان کو (قیامت کے دن) اچھا رزق دے گا۔ یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔ وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ راضی اور مطمئن ہوں گے۔ بے شک، اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور بہت نرم سلوک کرنے والا ہے۔

درج بالا بات ایک حقیقت ہے اور اب ایمان والوں کو یہ اجازت بھی دی جاتی ہے کہ ان میں سے جو بدلہ لے، ویسا ہی جیسا اس کے ساتھ کیا گیا اور اس پر زیادتی کی گئی ہو تو اللہ اس کی مدد ضرور کرے گا۔ اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔[۳۵]

یہ اس وجہ سے ہوگا کہ رات سے دن اور دن سے رات کو نکالنے والا اللہ ہی ہے۔ وہی سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔[۳۶] ایسا اس لیے بھی ہوگا کہ اللہ ہی حقیقی معبود ہے اور ان کے وہ سب معبود باطل ہیں جنھیں اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں۔ بے شک، اللہ ہی بالا دست اور عظیم ہے۔[۳۷] ۵۵-۶۲

[۳۴] 'عقیم' کا مطلب ہے: بانجھ۔ اسی سے اس کے اندر منحوس کا مفہوم پیدا ہوا۔ مراد ہیں وہ دن جن میں رسول کی قوم پر اس دنیا میں سزا نازل ہوتی ہے۔

[۳۵] اس آیت کے ذریعے سے مسلمان حکمرانوں کو یہ اجازت دی گئی کہ اگر ان کے باشندوں پر ریاست کے حدود سے باہر کوئی ظلم یا زیادتی ہوتی ہے تو ان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس کا بدلہ لیں۔

[۳۶] یعنی اللہ مفسدین کی دھاندلی سے بے خبر نہیں ہے، اسی لیے وہ اس دنیا میں فسادیوں کے خلاف مسلمان حکمرانوں کو یہ اختیارات دے رہا ہے۔

[۳۷] اس اختیار کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طریقے سے دنیا کے اندر توحید کی شمع روشن رہے گی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۶۳﴾ لَهُ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۶۴﴾ ع أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ ۗ ع ۸/۱۲
وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُ
وفٌ رَحِيمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ أُمَّةٍ
جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ﴿۶۷﴾
وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۶۸﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ
تَخْتَلِفُونَ ﴿۶۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
يَسِيرٌ ﴿۷۰﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ
نَصِيرٍ ﴿۷۱﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ
بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ
الْمَصِيرُ ﴿۷۲﴾ ع يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا
ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿۷۳﴾ مَا
قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۷۴﴾ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٧٥﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ
هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ
مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا
الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٧٨﴾ ع

(اے لوگو)، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کی بدولت زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک، وہ بہت باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے۔ بے شک، وہی بے نیاز ہے اور اسی کی حمد کی جانی چاہیے۔

(اے لوگو)، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے زمین کی سب چیزوں کو تمھاری نفع رسانی میں لگا رکھا ہے۔ اسی اللہ نے کشتی کو بھی تمھاری نفع رسانی کا پابند بنا دیا ہے۔ وہ سمندر میں اللہ کے حکم سے چلتی ہے اور وہی اللہ آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کی کوئی چیز اللہ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں گر سکتی۔ بے شک، اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا ہی مہربان اور بہت رحم والا ہے۔ اسی اللہ نے تمھیں زندگی بخشی ہے، وہی تم کو موت دیتا ہے اور پھر وہی تم کو زندہ کرے گا۔

بے شک (ان باتوں سے سبق حاصل نہ کرنے والا) انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

(اے نبیؐ)، ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتی ہے، چنانچہ وہ اس معاملے میں تم سے جھگڑے کا راستہ نہ پائیں۔ تم اپنے رب کی طرف بلاتے رہو، یقیناً تم ہی سیدھے راستے پر ہو۔ اگر وہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو: "جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے، اللہ قیامت کے روز تمھارے درمیان ان سب باتوں کا فیصلہ کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو۔"[38]

(اے انسانو)، کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے، یہ سب چیزیں ایک رجسٹر میں درج ہیں۔ بے شک، یہ کام اللہ کے لیے نہایت ہی آسان ہے۔ یہ منکرینِ حق اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہیں جن کے لیے نہ تو اللہ

نے کوئی سند نازل کی ہے اور نہ یہ لوگ خود ان معبودوں کے بارے میں کوئی علم رکھتے ہیں۔ ان ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔

(اے نبیؐ)، جب ان منکرینِ حق کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کو دیکھ سکتے ہو۔ (ایسا لگتا ہے) گویا ابھی یہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انھیں ہماری آیات سنا رہے ہیں۔ ان سے کہو: ''کیا میں تمھیں اس سے بھی بڑھ کر ایک ناگوار چیز کی خبر نہ سناؤں؟ وہ ہے دوزخ، اللہ نے اسی کا وعدہ ان لوگوں کے لیے کر رکھا ہے جو حق کو ماننے سے انکار کریں۔ یہ دوزخ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔''

(لوگو)، تمھیں (اللہ کی طرف سے) ایک مثال دی جا رہی ہے، اسے غور سے سنو۔ اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کو تم پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر چہ وہ سب اس کے لیے مل کر کوشش کریں۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ گویا مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جا رہی ہے وہ بھی کمزور۔ ان منکرین حق نے اللہ کی قدر نہ پہچانی، جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ یقیناً اللہ ہی قوی اور غالب ہے۔

اللہ ہی اپنے فرشتوں میں سے اسی طرح پیغام دینے والے منتخب کرتا ہے جس طرح وہ انسانوں میں سے پیغمبر چُنتا ہے[۳۹]۔ بے شک، اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ جو کچھ ان انسانوں کے سامنے ہے، اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے، اس سے بھی وہ واقف ہے۔ سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

اے ایمان والو، رکوع اور سجدہ کرو۔ اپنے رب کی بندگی کرتے رہو اور بھلائی کے کام کرو تا کہ تمھیں کامیابی نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو، جیسا کہ جدوجہد کرنے کا حق ہے[۴۰]۔ اسی نے تم کو اس جدوجہد کے لیے منتخب کیا ہے۔ اسی اللہ نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی[۴۱]۔ (اللہ نے) تمھارے باپ یعنی ابراہیمؑ کی ملت (کو تمھارے لیے پسند فرمایا)۔ اسی اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام 'مسلم' رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی (تمھارا یہی نام) ہے[۴۲]۔ تا کہ رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے اور تم دوسرے لوگوں پر اس دین کی گواہی دو[۴۳]۔ نماز کا اہتمام کرتے رہو، زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کا سہارا خوب مضبوط پکڑو۔ وہی تمھارا آقا ہے۔ بہت ہی اچھا ہے وہ آقا اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار[۴۴]۔ ۶۳-۷۸

[۳۸] بعض اوقات یہودی اور عیسائی اس معاملے میں مسلمانوں سے بحث کرتے تھے کہ کس کی عبادت کا طریقہ زیادہ اچھا ہے۔ قرآن نے اس ضمن میں یہ ہدایت کی کہ یہ کوئی جھگڑے کی بات نہیں۔ اصل معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرنے کا ہے۔ چنانچہ طریقۂ عبادت کے مسئلے پر زیادہ

ث ومباحثے کی ضرورت نہیں۔

[۳۹] یعنی اللہ کے فرشتے اور پیغمبر، ان میں سے کوئی بھی معبود بننے کے لائق نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ اللہ کی مخلوق ہیں۔

[۴۰] یہاں لفظ ''جہاد'' کے معنی میں دین کے لیے ہر طرح کی جدوجہد شامل ہے۔

[۴۱] یعنی اگرچہ دین کے معاملے میں یہ جدوجہد سب اہل ایمان پر لازم ہے، تاہم دین میں کوئی تنگی نہیں۔ ہر اہل ایمان اپنے حالات اور طبیعت کے طابق دین کی جو خدمت بھی کرنا چاہے، کرے۔

[۴۲] گویا ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو صرف مسلمان ہی کہے۔ اپنے لیے فرقہ دارانہ اور مسلکی ناموں کا انتخاب کچھ پسندیدہ نہیں۔

[۴۳] قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی گواہی دیں گے کہ آپ نے صحابۂ کرامؓ کو دین کے لیے جدوجہد کرنے کے لیے ہدایت دی ی۔ اسی طرح جن اہل ایمان نے دین کے لیے جدوجہد کی ہے اور دوسرے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا ہے، وہ بھی اس کی گواہی دیں گے۔

[۴۴] ایک مومن کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ پر قائم رہے اور ہر معاملے میں اللہ کا سہارا پکڑے۔ اسی آیت پر مبارک سورہ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

سورۂ مومنون

[۲۳]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں ''مومنون'' کا لفظ آیا ہے، اسی لیے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور موضوع

اس سورہ کا زمانۂ نزول کم وبیش وہی ہے جو پچھلی سورہ یعنی ''حج'' کا ہے۔ پچھلی سورہ اس مضمون پر ختم ہوئی کہ تمام اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ نماز وزکوٰۃ کا اہتمام کریں، اللہ ہی سے وابستہ رہیں اور دین کی گواہی دیتے رہیں۔ اب یہ سورہ اس مضمون سے شروع ہو رہی ہے کہ کون سے اہل ایمان آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ اس کے بعد توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق تمام امور کو مختلف پہلوؤں سے واضح کیا گیا ہے۔ اس کے درمیان میں اہل ایمان کی رہنمائی کے لیے بڑی اہم باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

رکوعاتہا ٦ — سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ — یاتہا ۱۱۸

[پارہ نمبر 18]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
رِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ﴿۵﴾ إِلَّا عَلٰى
اجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ
ادُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾
ئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

یقیناً[1] کامیاب ہوئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عاجزی اختیار کرتے ہیں[2]،

فضول اور لایعنی چیزوں سے دور رہتے ہیں[3]،

زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں[4]،

اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کی حد تک کہ اس کے بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔

جو لوگ اس کے علاوہ کچھ اور کے خواہش مند ہوں تو وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں[5]۔

اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں[6]۔

اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں[7]۔

یہی لوگ ہیں جو وارث ہیں، وہ میراث میں فردوس کی جنت پائیں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے[8]۔ ۱-۱۱

[۱] یہاں سے آگے کی آیتوں میں ان اہل ایمان کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں جو آخرت میں حقیقی طور پر کامیاب ہوں گے۔

[۲] نماز میں عاجزی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا دل حقیقی معنوں میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہو اور اس کے ہر فعل سے یہ بات ظاہر ہو کہ وہ اپنے آقا کی عبادت کر رہا ہے۔

[۳] ایک مومن اپنا وقت پوری ذمہ داری کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ اگر وہ تفریح بھی کرتا ہے تو محض ایک جائز حد تک اور تازہ دم ہونے کی خاطر۔ وہ ہر اس بے مقصد حرکت سے دور رہتا ہے جو زندگی کے اصل مقصود یعنی رضائے الٰہی سے غافل کرنے والی ہو۔

[۴] چونکہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں، اس لیے یہاں زکوٰۃ سے مراد اللہ کی راہ میں انفاق ہے، کیونکہ ریاست کو زکوٰۃ ادا کرنے کی پابندی مدینے میں عائد ہوئی تھی۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن کو ہر وقت اس بات کا شعور ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کی راہ میں پورا انفاق کر رہا ہے یا نہیں۔

[۵] دینی احکام کی رو سے ایک مسلمان مرد کے لیے اپنی بیوی کے سوا کسی اور سے جنسی تعلق رکھنا جائز نہیں۔ یہاں اس آیت میں لونڈیوں کا ذکر بھی اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس زمانے میں لونڈیاں موجود تھیں۔ چونکہ دین کا طریقہ یہ ہے کہ ہر غلط چیز کو ایک تدریج کے ساتھ یعنی مختلف مرحلوں میں روک دیا جائے تاکہ سوسائٹی میں انتشار نہ پھیلے، اس لیے دین نے غلامی کو بھی مختلف مرحلوں میں روکا تاکہ بالآخر اس کا پوری طرح خاتمہ ہو جائے۔ اس ضمن میں مزید بحث آگے سورۂ نور اور سورۂ محمد میں آئے گی۔ چونکہ یہ سورہ مکی دور کے بالکل آخر میں نازل ہوئی، اس لیے اس میں لونڈیوں سے تعلق کو جائز رکھا گیا۔

[۶] ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ امانت، قول و قرار اور اپنے وعدوں کا خصوصی خیال رکھے۔

[۷] نماز کی حفاظت کرنے کا مطلب ہے، اس کے اوقات کا خیال رکھنا اور نماز سے متعلق ہر چیز کی پوری نگہداشت کرنا۔

[۸] یعنی ان کے باپ آدمؑ نے جو جنت کھوئی تھی، یہ مومن اس کے وارث بنیں گے اور آئندہ ہمیشہ کے لیے اس جنت میں اپنے باپ آدمؑ کے ساتھ رہیں گے، اس لیے کہ انھوں نے دنیا میں اپنے دشمن شیطان کو شکست دی ہوگی۔ فردوس جنت کے اعلیٰ ترین مقامات میں سے ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا
النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ
فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴿۱۶﴾
وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ﴿۱۷﴾ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ
فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿۱۸﴾ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ
لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ

...كلون ﴿٢٠﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا

...كُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع

...ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، پھر ہم نے پانی کی ایک بوند کی شکل میں اسے ایک محفوظ جگہ رکھا، ہم نے اس بوند کو ایک ...ے کی شکل دی، لوتھڑے کو بوٹی بنایا، بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، ہڈیوں پر گوشت کا جامہ پہنایا اور پھر اس انسان کو ایک بالکل ہی مختلف ...ل کی شکل دے کر بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، بہترین پیدا کرنے والا۔

اے انسانو، اس کے بعد ضرور تم کو مرنا ہے اور پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔[9]

اے انسانو، تمھارے اوپر، ہم نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے[10]۔ ہم مخلوق سے بے پروا نہ تھے۔ آسمان سے ہم نے ایک خاص مقدار ... پانی برسایا، اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کو واپس لے لینے پر قادر ہیں۔ اسی پانی کے ذریعے سے ہم نے تمھارے لیے کھجوروں ... انگوروں کے باغ اگائے جن میں تمھارے لیے بہت سے میوے ہیں (جن سے تم لطف اندوز ہوتے ہو) اور اپنی غذا کا سامان بھی ...تے ہو۔ وہ (زیتون کا) درخت بھی ہم ہی نے اگایا جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے[11]۔ وہ روغن لیے ہوئے ہوتا ہے اور کھانے والوں کے ... سالن بھی بنتا ہے۔

تمھارے لیے چوپایوں میں بھی ایک بڑا سبق ہے۔ اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے ایک چیز (یعنی دودھ) ہم ...ہیں پلاتے ہیں۔ ان میں تمھارے لیے بہت سے دوسرے فائدے بھی ہیں۔ تم ان سے اپنی غذا کا سامان بھی حاصل کرتے ہو اور ... پر اور کشتیوں پر سواری بھی کرتے ہو۔ ۱۲-۲۲

[۹] جب اللہ مٹی سے انسان کو بنا سکتا ہے تو وہی اللہ اس انسان کو قیامت کے دن دوبارہ بھی اٹھا سکتا ہے۔

[۱۰] آسمانی کتابوں کے مطابق یہ کائنات سات طبقات میں بٹی ہوئی ہے۔ اس وقت ہم ان سات آسمانوں کی اصل حقیقت نہیں جانتے۔ ممکن ہے کہ ...ت سے پہلے اللہ ہماری معلومات میں اضافہ فرما دے۔

[۱۱] مراد ہے زیتون کا درخت۔ اس درخت کا اصلی وطن بحر روم کے گرد و پیش کا علاقہ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ

...لَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ
رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ
فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ
ظَلَمُوْٓا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَی الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ
كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾

ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے ان کو دعوت دی: ''اے میری قوم کے لوگو، اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم اس اللہ سے نہیں ڈرتے۔'' اس کی قوم کے جن سرداروں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، کہا:[12] ''یہ شخص تو بس تمھارے جیسا ایک بشر ہے اور تم پر اپنی برتری جمانا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو (رسول ہی) بھیجنا ہوتا تو وہ فرشتوں کو (رسول بنا کر) بھیجتا۔ اس طرح کی بات تو ہم نے اپنے اگلے بزرگوں سے سنی ہی نہیں۔ اس شخص کو تو جنون لاحق ہو گیا ہے۔ اس کے معاملے میں کچھ مدت انتظار کرو۔''[13]

نوحؑ نے دعا کی: ''اے میرے رب، تو اسی چیز سے میری مدد کر جس کے متعلق انھوں نے مجھے جھٹلایا۔'' چنانچہ ہم نے اس پر وحی کی: ''ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرو۔ پھر جب ہمارا حکم آجائے اور وہ تنور ابل پڑے تو ہر قسم کے جانوروں میں ایک ایک جوڑا لے کر اس میں اپنے اہل وعیال سمیت سوار ہو جاؤ، سوائے اُن کے جن کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے۔[14] مجھ سے اُن لوگوں کے بارے میں کچھ نہ کہو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ وہ لازماً غرق ہو کر رہیں گے۔ پھر جب تم اپنے ساتھیوں سمیت کشتی میں سوار ہو جاؤ تو یوں کہو کہ سارا حمد وشکر اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔ (اس کے بعد یہ) دعا کرو کہ اے رب، مجھے خیر وبرکت والی جگہ پر اتار دو۔ اس لیے کہ تو ہی بہترین منزل فراہم کرنے والا ہے۔''[15]

بے شک، اس واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں اور بے شک، آزمایش تو ہم کر کے ہی رہتے ہیں۔[16] ۲۳-۳۰

[۱۲] پیغمبر اپنی دعوت کی ابتدا ہمیشہ قوم کے بالادست اور موثر طبقات سے کرتا ہے۔

[۱۳] یعنی کچھ مدت میں (نعوذ باللہ) یہ شخص دنیا سے رخصت ہوجائے گا اور اس سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔

[۱۴] مراد ہیں نوحؑ کی بیوی اور بیٹا کنعان۔ یہ دونوں منکرِ حق تھے، اس لیے اللہ نے انھیں بھی سزا دی۔

[۱۵] مؤمن کی ساری زندگی حمد اور صبر و شکر کی زندگی ہوتی ہے۔ یہ حمد و دعا اسے اسی طریقے سے کرنی چاہیے، جیسا اسے اللہ نے سکھایا ہے۔

[۱۶] اس واقعے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے انسانوں کے لیے یہ نشانی تھی کہ اگر انھوں نے آپ کی بات نہ مانی تو ان پر بھی اللہ کی طرف سے سزا آئے گی۔ ہمارے لیے اس واقعے میں یہ نشانی ہے کہ جو کچھ قرآن نے کہا، وہ حرف بہ حرف پورا ہوا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ۧ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا
مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ
هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾
قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ ۚ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ ؕ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾
ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا
لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ ۚ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ۚ فَكَذَّبُوْهُمَا
فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً

وَّاٰوَیۡنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبۡوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیۡنٍ ﴿۵۰﴾ ع

قوم نوحؑ کے بعد ہم نے دوسرے لوگ (یعنی عاد وثمود) اٹھائے۔ ان میں بھی ہم نے انھی ہی کی قوم کا رسول اس دعوت کے ساتھ بھیجا کہ: ''اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ تو کیا تم اس سے ڈرتے نہیں۔'' اُس قوم کے جن سرداروں نے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا ــــ اور (یہ وہی لوگ تھے) جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فراخی دے رکھی تھی [۱۷] ــــ کہنے لگے: ''یہ شخص تو بس تمھارے ہی مانند ایک انسان ہے۔ وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی بات مان لی تو تم بڑے خسارے میں رہو گے۔ یہ تمھیں ڈراتا ہے کہ جب تم مر کر خاک اور ہڈیاں بن جاؤ گے تو (اس وقت تم قبروں سے) دوبارہ نکالے جاؤ گے۔ غلط، بالکل غلط ہے یہ دھمکی جو تمھیں دی جا رہی ہے۔ زندگی تو بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ ہم ہرگز دوبارہ اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔ یہ شخص اللہ کے نام پر محض جھوٹ گھڑ رہا ہے۔ ہم ہرگز اس کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔'' [۱۸]

بالآخر رسول نے دعا کی: ''اے میرے رب، تو اسی چیز سے میری مدد فرما جس میں انھوں نے مجھے جھٹلایا۔'' (جواب میں) ارشاد ہوا: ''یہ لوگ بہت جلد اپنے کیے پر پشیمان ہو کر رہیں گے۔'' چنانچہ ایک سخت ڈانٹ نے سچائی کے ساتھ نمودار ہو کر انھیں آدبوچا۔ اس طرح ہم نے ان کو خس وخاشاک کر دیا ــــ حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے ایسی ظالم قوم۔ [۱۹]

پھر ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں بھی اٹھائیں۔ کوئی بھی قوم نہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ختم ہوئی اور نہ اس کے بعد ٹھہر سکی۔ پھر ہم مسلسل اپنے رسول بھیجتے رہے۔ جس جس قوم کے پاس بھی اس کا رسول آیا اور اُس قوم نے جھٹلایا تو ہم ایک کے بعد دوسری قوم کو ہلاک کرتے گئے اور ان کو بس ایک افسانہ بنا دیا ــــ ذلت ہو ایسی قوم کے لیے جو اپنے پیغمبر پر ایمان نہ لائے۔

پھر ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی ہارونؑ کو اپنی آیات اور ایک واضح سند [۲۰] کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ مگر انھوں نے تکبر کیا۔ وہ نہایت مغرور لوگ تھے۔ انھوں نے کہا: ''کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں، جبکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔'' پس فرعون اور اس کے درباریوں نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو جھٹلا دیا اور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو کر رہے۔ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب بھی عطا فرمائی تھی تاکہ لوگ اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ [۲۱]

ابن مریمؑ اور اس کی ماں کو بھی ہم نے ایک عظیم نشانی بنایا اور ان کو ایک پرسکون اور چشمے والے ٹیلے پر پناہ دی۔ [۲۲] ۳۱-۵۰

[۱۷] یعنی دنیا کی زندگی کی خوش حالی ان کے لیے ایک فتنہ بن گئی اور وہ آخرت کے منکر ہو گئے۔

[۱۸] درج بالا آیات میں قرآن مجید نے قوم عاد و ثمود کی زبانی درحقیقت سبھی ملحدین اور منکرین آخرت کے دلائل سامنے رکھ دیے ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ دلائل کتنے ''وزنی'' ہیں۔

[۱۹] یعنی جو قوم اپنے رسول کی دعوت جھٹلا دے، اسے تباہ ہو ہی جانا چاہیے۔

[۲۰] واضح سند سے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا معجزہ ہے۔

[۲۱] فرعون اور اس کے درباری تو اس غرور میں مبتلا رہے کہ ہم اپنی غلام قوم کے دو افراد کی بات کیسے مانیں اور اللہ کے ہاں موسیٰ علیہ السلام کی یہ قدر ہوئی کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک عظیم کتاب تورات عطا کی۔

[۲۲] مریمؑ اور مسیحؑ اپنی زندگی میں کتنی بڑی آزمائشوں سے گزرے، لیکن اللہ نے ان کو ہمیشہ کے لیے ایک عظیم نشانی بنا دیا اور قدر و منزلت عطا کی۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً
وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾
فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي
الْخَيْرَاتِ ۚ بَل لَّا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ
رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ
إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا
وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن
دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْأَرُوا
الْيَوْمَ قف إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾

(ہماری طرف سے سب کو یہی ہدایت تھی کہ) اے رسولو، پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ بھی کرتے ہو، میں اس سے

اچھی طرح واقف ہوں۔تم سب کی امت درحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں ہی تمھارا رب ہوں، اس لیے صرف مجھ سے ڈرتے رہو۔[۲۳]

مگر بعد میں لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔اب ہر گروہ اسی میں مگن ہے جو اس کے پاس ہے۔[۲۴]

(اے نبیؐ)، ان کو ان کی سرمستی میں ایک خاص وقت تک چھوڑو۔کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ان کے مال و اولاد میں اضافہ کررہے ہیں تو ان کی بھلائی کے لیے اضافہ کررہے ہیں؟ نہیں، ان کو اصل حقیقت کا احساس نہیں ہے۔[۲۵]

بے شک، جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں، اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں، کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہراتے، جو اس طرح اللہ کی راہ میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس خیال سے کانپتے ہیں کہ ہمیں اپنی رب کی طرف جانا ہے —— یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں کی راہ میں آگے بڑھ رہے ہیں اور وہ ان بھلائیوں کو پاکر رہیں گے۔

ہم کسی شخص پر اس کی (وسعت اور) طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ہمارے پاس ایک رجسٹر ہے جو ہر بات بالکل ٹھیک بتادے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔[۲۶]

(اے نبیؐ)، ان حق کے منکرین کے دل اس خبر سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔اور ان کے اعمال بھی اُس طریقے سے (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) مختلف ہیں۔یہ یہی کرتوت کیے چلے جائیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے سرداروں اور بااثر لوگوں کو سزا میں پکڑیں گے تو پھر وہ فریاد شروع کردیں گے۔[۲۷] —— اب بند کرو اپنی آہ و زاری —— اب ہماری طرف سے تمھاری کوئی مدد نہیں ہوگی۔جب ہماری آیات تم لوگوں کو سنائی جاتی تھیں تو تم پیٹھ پیچھے بھاگ نکلتے تھے۔تم غرور کرتے ہوئے اس نبیؐ کی محفل کو یوں چھوڑ جاتے تھے جیسے کسی قصہ سنانے والے کی محفل سے جارہے ہو۔۵۱-۶۷

[۲۳] یعنی شریعتوں میں معمولی وقتی فرق کے سوا سبھی رسولوں کی دعوت اور تعلیمات ایک تھیں اور یہ سب امت مسلمہ کا حصہ تھے۔

[۲۴] بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے دین کی تعلیمات میں کسی چیز پر زیادہ زور دیا، کسی چیز میں بہت مبالغہ کیا اور بعض چیزوں کو فراموش کرڈالا۔اس طرح انھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور پھر تعصب کی وجہ سے اس پر جم گئے۔

[۲۵] اس مال و دولت کے ذریعے سے منکرین حق کی آزمایش کی جاتی ہے اور پیغمبر کے براہ راست مخاطبین منکرین حق کو اسی دنیا میں سزا دی جاتی ہے۔

[۲۶] اللہ کو ہر شخص کی حقیقی مجبوریوں کا علم ہے اور جن معاملات میں قدرت نے اسے پابند بنا رکھا ہے، اس کا بھی اللہ کو علم ہے۔چنانچہ اللہ ہر شخص کے حالات اور اس کی حقیقی طاقت اور وسعت کے مطابق ہی اس سے حساب لے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

[۶۷] بعد کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ منکرینِ عرب میں سے اصل میں سرداروں اور بااثر لوگوں ہی کو ہلاک کیا گیا۔ مثلاً جنگ بدر میں مشرکین کے اکثر لیڈر ہلاک کر دیے گئے۔ قرآن نے پہلے ہی اس کی پیشین گوئی کر دی تھی۔

اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ یَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶۸﴾ اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ

مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ

اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡهِنَّ ؕ بَلۡ اَتَیۡنٰهُمۡ بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ

مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۱﴾ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیۡرٌ ۖۗ وَّهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰی

صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوۡنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوۡ رَحِمۡنٰهُمۡ

وَكَشَفۡنَا مَا بِهِمۡ مِّنۡ ضُرٍّ لَّلَجُّوۡا فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ فَمَا اسۡتَكَانُوۡا

لِرَبِّهِمۡ وَمَا یَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤی اِذَا فَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیۡدٍ اِذَا هُمۡ فِیۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۷﴾ ع

کیا ان منکرینِ حق نے اس کلام پر غور نہیں کیا یا پھر ان کے پاس ایک ایسی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے آبا و اجداد کے پاس نہیں آئی تھی؟ کیا یہ اپنے اس رسول سے بالکل واقف نہ تھے اور اس وجہ سے اس کے منکر بنے ہوئے ہیں؟ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص پر کچھ جنون کا اثر ہے؟[۲۸] —— (نہیں)، بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے، لیکن ان میں سے بہت سے حق سے بیزار ہیں اور اگر حق ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو آسمان و زمین اور ان کے اندر سب کچھ تباہ و برباد ہو جاتا۔[۲۹] —— (نہیں)، بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کے حصے کی نصیحت لائے ہیں اور یہ ہیں کہ اس نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

(اے نبیؐ)، کیا تم ان سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہو؟ تمھارے لیے تو تمھارے رب کا دیا ہوا ہی بہتر ہے، کیونکہ وہی بہترین روزی بخشنے والا ہے۔ بے شک، تم ان کو سیدھے راستے کی طرف دعوت دے رہے ہو۔ مگر جو لوگ آخرت کو نہیں ماننا چاہتے، وہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

اگر (ہم ان منکرینِ حق کو کسی آزمائش میں ڈالنے کے بعد) پھر ان پر رحم کر دیتے اور ان کی تکلیف دور کر دیتے تو یہ لوگ بدستور اپنی

ی اللہ ہے جس نے تمھیں کان، آنکھ اور دل عطا کیے، لیکن تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔ وہی اللہ ہے جس نے تمھیں زمین میں
اور اسی کی طرف تم دوبارہ سمیٹے جاؤ گے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ رات اور دن کی آمد و رفت اسی کے اختیار
ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

کران منکرینِ حق نے بھی وہی بات کی جو ان سے پہلے لوگ کہہ چکے تھے۔ یہ کہتے ہیں: ''کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور
بن جائیں گے تو ہم کو پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ ہم نے بھی یہ دھمکیاں بہت سنی ہیں اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا کو ایسی
ں سنائی گئی تھیں۔ یہ تو محض اگلے لوگوں کے فسانے ہیں۔''

ے نبیؐ، ان منکرینِ حق سے پوچھو:[۳۱] ''اگر تم علم رکھتے ہو تو بتاؤ کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے۔'' یہ ضرور کہیں گے:
ی''۔ تم پھر ان سے پوچھو: ''تو کیا تم اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''

(ان سے پھر) پوچھو: ''ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟'' یہ لوگ جواب دیں گے: ''یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔'' (پھر
ں سے) کہو: ''تو کیا تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں۔'' (ان سے پھر) پوچھو: ''وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ
یتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جا سکتی۔ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ۔'' یہ لوگ کہیں گے: ''یہ باتیں اللہ ہی کے اختیار کی
۔'' تو (تم ان سے) کہو: ''پھر کہاں سے تم کو دھوکا لگتا ہے؟''

ہم ان کے پاس سچائی لے کر آئے ہیں اور یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی
بود شریک ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر یہ سب ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔[۳۲] اللہ ایسی
ں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ وہی غائب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ وہ بالاتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ اس کا
ک ٹھہراتے ہیں۔ ۷۸-۹۲

[۳۱] ہر زمانے کے مشرکین یہ بات کم و بیش مانتے ہیں کہ ان کے سب دیوی دیوتاؤں سے بھی ایک بڑی طاقت موجود ہے، لیکن ان کا خیال یہ ہوتا ہے
ن کے یہ نام نہاد معبود اس بڑی طاقت کے دربار میں کچھ اختیارات رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان چھوٹے چھوٹے خداؤں کو راضی رکھنا ضروری ہے۔
ی آیات میں قرآن نے اس نقطۂ نظر کی تردید سوال و جواب کی شکل میں فرمائی ہے۔

[۳۲] یعنی اگر چھوٹے موٹے خدا موجود ہوتے اور ان کے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہوتا تو یہ سب آپس میں لڑتے جھگڑتے اور یوں کائنات کا نظام درہم
ہو جاتا۔

سرکشی پر اسی طرح اڑے رہتے اور بھٹکتے رہتے ہم نے ان جیسوں کو (اس سے پہلے بھی) سزا میں پکڑا، لیکن نہ وہ اپنے رب کے آگے جھکے اور نہ ہی انھوں نے عاجزی اختیار کی۔ البتہ جب (نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ) ہم ان پر سخت سزا کا دروازہ کھول دیں تو یہ لوگ اس دنیا میں بالکل مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔[۳۰] ۶۸-۷۷

[۲۸] درج بالا آیات میں قرآن مجید نے حضورؐ کے مخالفین کے متعلق چار سوالات پیش کیے۔ یہ سوالات اس انداز کے ہیں کہ جواب خود ان کے اندر پوشیدہ ہے۔

[۲۹] انسان کی عقل محدود ہے اور وہ اپنے گردو پیش کے مفادات اور تعصبات میں جکڑا ہوا ہے، اس لیے اگر کسی انسان کی خواہش کے مطابق کائنات کے قوانین بننے لگیں تو سب کچھ تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔

[۳۰] یعنی جو لوگ نہ ماننے پر تلے بیٹھے ہوں، اگر انھیں کوئی نعمت دی جائے تو اس سے بھی وہ غلط نتیجے تک پہنچتے ہیں اور اگر آزمائش کی خاطر ان پر کوئی تکلیف لائی جائے تو تکلیف کے دور ہونے کے بعد اپنی اسی پرانی ڈگر پر دوبارہ چلنے لگتے ہیں۔ جو لوگ رسول کی موجودگی میں ایسا کرتے ہیں جب ان کو اللہ کی طرف سے اسی دنیا میں سزا دی جاتی ہے تو اس وقت وہ ہر طرف سے پوری طرح مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي
الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ
قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ
وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ
عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

قُل رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٩٤﴾ وَإِنَّا عَلَىٰ أَن نُّرِيَكَ
مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ﴿٩٥﴾ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿٩٦﴾ وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ
بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿٩٧﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ
يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ
مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ
خَالِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿١٠٤﴾ أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا
تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا
ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ
لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ
تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾

(اے نبیؐ)، دعا کرو: ”اے میرے پروردگار، جس سزا کی دھمکی ان منکرینِ حق کو دی جارہی ہے اور اگر وہ میری موجودگی میں تو لائے تو مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کرو۔“ بے شک، ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ جس سزا سے ہم ان حق کا انکار کرنے والوں کو ڈرا رہے ہیں، وہ تمھاری آنکھوں کے سامنے ان پر لے آئیں۔[۳۳]

(اے نبیؐ)، برائی کو اس طریقے سے دفع کرو جو بہترین ہو۔[۳۴] یہ منکرینِ حق جو کچھ باتیں تم پر بنا رہے ہیں، وہ ہمیں خوب معلوم ہیں۔ دعا کرتے رہو: ”پروردگار، میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔“[۳۵]

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت سر پر آن کھڑی ہوگی تو وہ کہے گا: ''اے میرے رب، مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج دے
ہ جو کچھ میں چھوڑ آیا ہوں اس میں کچھ نیکی کماؤں۔'' —— ہرگز نہیں، یہ تو محض ایک بات ہے جو وہ بنائے گا۔ (مرنے کے بعد)
انوں کے آگے اُس دن تک ایک پردہ حائل ہوگا جس دن وہ اٹھائے جائیں گے اور پھر صور پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ ان کے
میان کوئی رشتہ رہے گا اور نہ ایک دوسرے سے مدد مانگ سکیں گے۔ اُس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی کامیاب قرار
یں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا۔ یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں
ے، ان کے چہروں کو آگ جھلسے گی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے —— (ان سے پوچھا جائے گا): ''کیا تم کو میری
یتیں نہیں سنائی جاتی تھیں تو تم ان کو جھٹلاتے تھے؟'' یہ لوگ کہیں گے: ''اے ہمارے رب، ہماری بدبختی ہم پر غالب رہی اور ہم گمراہی
ں پڑے رہے۔ ہمیں اس جہنم سے ایک مرتبہ نکال (کر دوبارہ موقع دے دے) اور اگر ہم پھر ویسا ہی عمل کریں تو بے شک، ہم ظالم
ہریں گے۔'' (اللہ کی طرف سے) حکم ہوگا: ''دفع ہو جاؤ، اسی جہنم میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ (تم وہی لوگ ہو کہ جب)
رے کچھ بندے دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار، ہم ایمان لائے تو ہمیں معاف کر اور ہم پر رحم کر، اس لیے کہ تو بہترین رحم
مانے والا ہے، تو تم نے ان کا مذاق بنا لیا یہاں تک کہ ان کے ساتھ تمھارے اس شغل نے تم کو میری یاد سے غافل رکھا اور تم میرے ان
روں کی ہنسی اڑاتے رہے۔ آج ان کے اس صبر کا میں نے ان کو یہ پھل دے دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں۔'' ۹۳-۱۱۱

[۳۳] یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس دعا کی ہدایت کی گئی، اسے اللہ نے حرف بہ حرف پورا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں تمام منکرین
ن اپنے کیفر کردار تک پہنچ گئے اور جن کے دلوں میں تھوڑی سی بھی روشنی موجود تھی، ان کو اللہ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخش دی۔ قرآن مجید کی یہ ساری
نین گوئیاں درحقیقت ہمارے لیے رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔

[۳۴] منکرین حق کے تمام غلط الزامات اور جھوٹی باتوں کے جواب میں قرآن نے حضور کو ہمیشہ یہی ہدایت کی کہ وہ انتہائی مثبت طریقے سے اپنی دعوت
وں کو پہنچاتے رہیں۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر منکرین حق کے متعلق جو سخت لہجہ اختیار کیا ہے، اس کا حق صرف اور صرف
آن مجید کو ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ کو ایسی سخت بات کہنے کا حق ہے۔ البتہ، انسانوں کے لیے قرآن کی ہدایت یہی ہے کہ وہ ہمیشہ نرم لہجے میں
ت کریں گے۔

[۳۵] یہاں شیاطین سے مراد جن و انس، دونوں طرح کے شیاطین ہیں۔ ایک انسان بسا اوقات یہ نہیں جانتا کہ اس کے پاس جو شخص بظاہر ہمدرد کے
پ میں آیا ہے، وہ حق جاننا چاہتا ہے یا وہ محض شر و فساد کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ ایسے موقع پر اللہ ہی کا سہارا پکڑنا چاہیے۔ یہی حال دلوں کے وسوسوں کا ہے۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾

قَالَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

(پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا): ''بتاؤ، سالوں کے حساب سے تم زمین میں کتنی مدت رہے ہو گے؟'' وہ کہیں گے: ''شاید ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔'' ان سے کہا جائے گا: ''تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہونا؟ کاش، تم نے یہ بات اُس وقت جانی ہوتی۔''

اے انسانو، کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بس یوں ہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟ پس بالا و برتر ہے اللہ، حقیقی بادشاہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، مالک ہے اس عظیم باعزت سلطنت کا۔[36] جو کوئی بھی اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو بھی پکارے گا جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو ایسے شخص کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ حق کا انکار کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اے نبیؐ، دعا کرو: ''اے رب، مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ یقیناً تو ہی بہترین رحم فرمانے والا ہے۔''[37] ۱۱۲-۱۱۸

[۳۶] عرش دراصل اللہ کی حکومت کی تعبیر ہے اور لفظ 'کریم' قرآن میں باعزت اور فائدہ پہنچانے والے کے معنی میں آیا ہے۔

[۳۷] اس بہترین دعا پر اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔ ہر مومن کو اللہ سے یہی دعا مانگنی چاہیے۔

سورۂ نور

[۲۴]

اس سورہ کی آیت نمبر ۳۵ میں یہ لفظ آیا ہے، اس لیے اس سورہ کا یہی نام رکھا گیا۔

ۂ نزول اور مضامین

یہ قرآن مجید کے اس تیسرے گروپ کی آخری سورہ ہے۔ جس طرح قرآن مجید کے باقی تمام گروپوں کی تکمیل مدنی سورتوں پر ہوئی ہے اسی طرح یہ سورہ
نی ہے۔

اس گروپ کی سابقہ تمام سورتوں میں اہل ایمان کو خاندانی اور معاشرتی زندگی سے متعلق بہت اہم اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں۔ اب اس سورہ میں یہ بتایا گیا
ا اگر ان معاشرتی ہدایات کی بڑی خلاف ورزیاں کی جائیں تو ریاست ان کے متعلق کیا رویہ اختیار کرے گی اور ان جرائم پر کون سی سزا دے گی۔ مضمون کی
اسبت کی وجہ سے سورۂ نور کو اس گروپ کی آخری سورہ بنا دیا گیا۔ چنانچہ اس سورہ میں سب سے پہلے بدکاری کے جھوٹے الزام اور لعان کے ضمن میں
قوانین بتائے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس جھوٹے الزام کا ذکر کیا گیا ہے جو منافقین کی طرف سے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لگایا گیا تھا اور مسلمانوں کو یہ
دی گئی ہے کہ ایسے مواقع پر ان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے۔

چونکہ خاندانی نظام کی حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے کہ سوسائٹی کے اندر مرد اور عورتیں کچھ آداب کا خیال رکھیں، چنانچہ ان آداب کی بحث بھی اس سورہ
ئی ہے۔

سلام کا ایک منشا یہ بھی تھا کہ غلامی کو آہستہ آہستہ یعنی بتدریج ختم کر دیا جائے، اس لیے اس ضمن میں یہ ہدایت کی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو ایک معاہدے کے
چھ رقم دے کر آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔

س سورہ میں نور ایمان کو ایک بالکل مختلف انداز میں انتہائی خوب صورت مثال کے ذریعے سے واضح کیا گیا ہے۔ اس وقت اسلامی سوسائٹی میں راست

باز مسلمانوں کے ساتھ کچھ منافقین بھی موجود تھے، چنانچہ اس ضمن میں کچھ اہم اصولی اور سیاسی سوالات کا جواب دیا گیا اور آخر میں اہل ایمان کو یہ بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خصوصی حیثیت کے مالک ہیں اور اہل ایمان پر یہ لازم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصی حیثیت کو سمجھیں۔

آیاتہا ۶۴ | رکوعاتہا ۹

سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَ لۡیَشۡہَدۡ عَذَابَہُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

یہ ایک سورہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا۔ اس کے احکام ہم نے فرض ٹھہرائے ہیں اور اس میں ہم نے نہایت واضح آیات نازل کی ہیں تا کہ تم انھیں اچھی طرح یاد رکھو۔[1]

زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے قانون (کو نافذ کرنے) کے معاملے میں ان مجرموں کے ساتھ کوئی نرمی تمھیں روکنے نہ پائے اگر تم اللہ اور روز آخرت پر سچا ایمان رکھتے ہو اور ان کو سزا دیتے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہنا چاہیے۔[2]

زانی نکاح نہ کرنے پائے، مگر کسی زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ اور کسی زانیہ سے کوئی نکاح نہ کرے، مگر کوئی زانی یا مشرک۔ اہلِ ایمان پر اسے حرام کر دیا گیا ہے۔ ۱-۳

[۱] اس سورہ کی آیات بالکل واضح ہیں تا کہ اہل ایمان کو ان پر عمل درآمد میں کوئی مشکل درپیش نہ آئے۔

[۲] دین کا اصول یہ ہے کہ اس کی ہر انفرادی ہدایت پر ایک فرد کو خود عمل کرنا ہے اور جتنی ہدایات پوری سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہیں، ان پر عمل درآمد ریاست کے ذریعے سے ہوگا۔ یہ بات قرآن مجید، سنت نبوی اور عقل عام سے واضح طور پر ثابت ہے۔ چنانچہ اس بات پر اتفاق ہے کہ ان آیات کی مخاطب مسلمانوں کی ریاست ہے۔ کسی عام انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ از خود کسی کو مجرم جان کر اس کو سزا دینے لگے۔ یہاں 'زانی اور زانیہ' سے مراد وہ فرد ہے، جس پر

مقدمہ چلانے کے بعد جرم ثابت ہو چکا ہو۔ اس سزا کا اہتمام بھی ریاست کرے گی۔ اس سورہ کی پہلی آیت میں ہی یہ بات صاف طور پر بتادی گئی کہ اس میں نہایت واضح آیات نازل کی گئی ہیں، چنانچہ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ زانی اور زانیہ کے الفاظ بالکل عام ہیں اور ہر طرح کے بدکار اس میں شامل ہیں۔ تاہم یہاں ایک خاص بات کا تجزیہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بکثرت صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ایسے مجرموں کو رجم کی سزا بھی دی تھی۔ چونکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں کوئی تضاد ممکن نہیں ہے، بلکہ حضورؐ کا ہر عمل قرآن ہی کی روشنی میں ہوا کرتا تھا، اس لیے ہمیں اس سوال کو حل کرنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بعض مجرموں کو رجم کی سزا کیوں دی۔ اس سوال کے جواب میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ ایک گروہ کے خیال میں یہاں زنا کے مجرموں سے مراد صرف غیر شادی شدہ افراد ہیں اور شادی شدہ افراد کے لیے زنا کی سزا رجم ہے۔ اس کے برعکس دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ زنا کی سزا بنیادی طور پر صرف وہی ہے جس کا ذکر درج بالا آیات میں ہو چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مجرموں کو رجم کی سزا دی تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ یہ مجرم اصل سزا کے جرم کے ساتھ ساتھ کسی اور بڑے جرم مثلاً زنا بالجبر، عصمت فروشی یا چکلے بازی میں بھی ملوث تھے۔ یہ اور اس نوعیت کے دیگر جرائم کو قرآن مجید کی اصطلاح میں فساد فی الارض کہا جاتا ہے۔ اور ان کی سزا سورۂ مائدہ آیات ۳۳-۳۴ میں بیان کی گئی ہے جس کے تحت ایک مسلمان حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسے مجرموں کو رجم کی سزا بھی دے سکتی ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل علم کا ایک گروہ سزائے رجم کو ایک لازمی سزا سمجھتا ہے، جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک یہ ایک اختیاری سزا ہے۔ مناسب ہے کہ دونوں طرف کے آٹھ دلائل مختصراً، لیکن جامع طور پر درج کر لیے جائیں۔ سزائے رجم کو لازمی سزا ماننے کے حامی گروہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

o صحیح مسلم کے مطابق حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے لو، مجھ سے لو۔ اللہ نے ان کے لیے راہ نکال دی (جعل اللہ لھن سبیلا)۔

اس طرح کے مجرم اگر کنوارے ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے اور جلاوطنی ہے اور شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور سنگ ساری ہے۔'' (صحیح مسلم، رقم ۱۶۹۰)

o صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''بچہ اس کا ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا اور بدکار کے لیے پتھر ہوں گے۔'' (صحیح بخاری، رقم ۶۶۸۶)

o صحیح مسلم کے مطابق حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس کتاب میں آیت رجم بھی تھی۔ ہم نے اسے پڑھا، محفوظ کیا اور سمجھا (موطا امام مالک کے مطابق وہ آیت یہ تھی: 'الشیخ والشیخة اذاز نیا فارجموھا البتة نکالًا من اللہ'۔ ''بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کو لازماً رجم کردو۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک عبرت ناک سزا ہے۔'' اس آیت کی تلاوت تو منسوخ ہوگئی، لیکن اس کا حکم باقی ہے)۔ رسول اللہؐ نے بھی رجم کیا اور ان کے بعد ہم نے بھی رجم کیا... یاد رکھو، رجم اللہ کی کتاب میں ہر اس مرد و عورت پر واجب ہے جو شادی کے بعد زنا کرے۔''

o سنن نسائی کی روایت ہے کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہے۔ ایک شادی شدہ زانی جسے رجم کیا جائے گا۔ دوسرے وہ شخص جس نے کسی کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو، اسے اس شخص کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ تیسرے وہ شخص جو اسلام چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول سے آمادۂ جنگ ہو، اسے قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی یا جلاوطن کیا جائے گا۔''

o تقریباً تمام کتب احادیث میں حضرت ماعزؓ اسلمی کا واقعہ نقل ہوا ہے جن کو ان کے اپنے اعتراف گناہ کے بعد رجم کیا گیا۔

o اکثر کتب احادیث میں غامدیہ نامی ایک عورت کا واقعہ بھی نقل ہوا ہے جسے بدکاری کے اعتراف کے بعد رجم کیا گیا۔

o ایک مزدور کا مقدمہ بھی حدیث کی کتابوں میں بیان ہوا ہے جو اپنے مالک کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہوا تھا۔ چنانچہ اس کو کوڑے لگائے گئے اور جلاوطن کیا گیا اور اس عورت کو رجم کر دیا گیا۔

o مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے ایک شادی شدہ عورت کو بدکاری کے جرم میں رجم کرایا۔

حضرت عثمانؓ نے ایک ایسی عورت کو رجم کیا جس نے شادی کے چھ مہینے بعد بچے کو جنم دیا تھا۔

اسی طرح ایک اور تاریخی روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے ایک عورت کو کوڑے بھی لگائے اور سنگ سار بھی کیا۔

درج بالا آٹھ دلائل پر دوسرے گروہ کی تنقید یہ ہے:

o سورۂ نور کی پہلی ہی آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے یہ سورہ نازل کی ہے جس کو ہم نے فرض ٹھہرایا اور جس میں واضح اور کھلے احکام ہیں اور اس کے بعد دوسری آیت میں زنا کی سزا بیان ہوئی ہے۔ اس میں بدکار کے لیے بالکل عمومی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی تفریق کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اگر پروردگار ان دونوں اقسام کے لیے مختلف سزاؤں کی ہدایت دینا چاہتا تو پروردگار کے لیے کیا امر مانع تھا؟ پروردگار کے پاس نہ تو عربی زبان کے الفاظ کی کمی تھی اور نہ اسے ہمارے ایمان سے کوئی دشمنی ہے کہ قرآن میں کوئی اور حکم نازل کر دیا اور عمل کا مکلف ہمیں کسی اور حکم پر کر دیا، ایسا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بات یہ ہے کہ زانی یا زانیہ کی سزا صرف وہی ہے جو سورۂ نور میں بیان ہوئی ہے۔

جہاں تک رجم کی سزا کا تعلق ہے تو سورۂ مائدہ ۳۳-۳۴ میں حرابہ اور فساد فی الارض کے مجرموں کے لیے اس کی گنجایش نکلتی ہے۔ گویا اگر زنا کے ساتھ ساتھ کوئی مجرم عصمت فروشی، چکلے بازی، کھلی اوباشی، خواتین کی رسوائی، اغوا، زنا بالجبر اور اسی طرح کے کسی اور قبیح جرم کا مرتکب ہو تو اسے فساد فی الارض کے جرم میں عبرت ناک موت سے لے کر جلاوطنی تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔ رجم بھی عبرت ناک موت کا ایک طریقہ ہے۔ ہر مسلمان حکومت یہ اختیار رکھتی ہے کہ وہ اپنے معروضی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس ضمن میں ان سب سزاؤں یا ان میں سے کسی یا ان کے درمیان کی کسی بھی صورت کو اختیار کرنے کے لیے قانون سازی کر سکتی ہے اور حالات کے مطابق مجرم کو معاف بھی کر سکتی ہے۔

o حضرت عبادہؓ بن صامت کی حدیث دراصل سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ کی تشریح کرتی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اس زمانے میں سرزمین عرب میں کچھ عورتیں قحبہ گری کرتی تھیں اور چکلہ چلاتی تھیں یعنی وہ پیشہ ور عصمت فروش ہوتی تھیں۔ ایسی عورتوں کے متعلق سورۂ نساء آیت ۱۵ میں یہ ہدایت نازل ہوئی:

''اور تمھاری عورتوں میں سے جو بدکاری کرتی ہیں، ان پر اپنے اندر سے چار گواہ طلب کرو۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند کرو۔ یہاں تک کہ موت انھیں لے جائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ نکال دے۔''

چنانچہ سورۂ نساء کی اس ہدایت کے تحت ان عصمت فروش عورتوں کو اپنے گھروں میں بند کر دیا گیا۔ بعد میں جب سورۂ مائدہ کی فساد فی الارض والی آیات اتریں تو ان کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کی ان عصمت فروش عورتوں کے بارے میں قانون سازی کی کہ ان میں سے جو غیر شادی شدہ ہوں انھیں کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا دی جائے گی اور شادی شدہ ہوں تو کوڑے اور رجم کی سزا دی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ سورۂ نساء کی آیت ۱۵ اور حضرت عبادہ کی حدیث میں بالکل ایک جیسے الفاظ آئے ہیں۔

سورۂ نساء کے الفاظ ہیں: 'اویجعل اللّٰہ لھن سبیلا 'اور حدیث کے الفاظ ہیں: 'قدجعل اللّٰہ لھن سبیلا '۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے زمانے میں یہ قانون سازی سورۂ مائدہ کی آیات ۳۳-۳۴ کی بنیاد پر تھی۔آج بھی جس حکومت کو عصمت فروش عورتوں سے نمٹنے کا مسئلہ درپیش ہو، وہ سورۂ مائدہ کی روشنی میں قانون سازی کرسکتی ہے۔

o صحیح بخاری کی روایت کہ''بچہ اس کا ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا اور بدکار کے لیے پتھر ہوں گے'' کو اگر لفظی معنوں میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر بدکار، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، کو رجم کیا جائے۔ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لے سکتا۔دراصل یہ عربی زبان کا محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے کہ اُس کو کچھ نہیں ملے گا۔یعنی اُس کا بچے میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

o صحیح مسلم اور موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ سے روایت 'الشیخ والشیخۃ' منسوب کی گئی ہے۔یہ ایک انتہائی خطرناک روایت ہے، جسے اگر مان لیا جائے تو دین کی تمام بنیادیں منہدم ہونے کا خطرہ ہے۔مثلاً یہ روایت بتاتی ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیات ایسی بھی ہیں، جنھیں قرآن سے نکال دیا گیا، مگر ان کا حکم باقی ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر ان کا حکم باقی ہے تو انھیں قرآن سے نکال کیوں دیا گیا؟ کیا پروردگار کو ہمارے ایمان سے کوئی دشمنی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔قرآن تو خود اپنے وعدے کے مطابق ایک واضح، روشن اور صاف ہدایت دینے والی کتاب ہے۔چنانچہ یہ قرآن مجید پر ایک بڑا الزام ہے۔

یہ روایت اپنے الفاظ کے اعتبار سے بھی بالکل متضاد ہے۔اس میں رجم کے مجرموں کے لیے 'الشیخ والشیخۃ' یعنی بوڑھے اور بوڑھی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ظاہر ہے کہ بوڑھا اور بوڑھی شادی شدہ بھی ہوسکتے ہیں اور غیر شادی شدہ بھی۔پھر اس سے شادی شدہ کے لیے رجم کا حکم کہاں سے نکل آیا۔

وہ جملہ جسے اس روایت میں قرآن کی حذف شدہ آیت قرار دیا گیا ہے، زبان و بیان کے لحاظ سے اس قدر پست ہے کہ اسے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب تو کیا، کسی عام اچھی کتاب کا فقرہ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

o سنن نسائی کی روایت غیر مکمل بھی ہے اور درج بالا باقی روایات سے متناقض (Contradictory) بھی۔کئی دوسرے جرائم بھی ایسے ہیں جن میں کسی مسلمان کا خون حلال ہوسکتا ہے۔مثلاً حفاظت خود اختیاری میں کسی ڈاکو کو قتل کرنا، اپنی عصمت کی حفاظت میں زنا بالجبر کے مرتکب فرد کو قتل کرنا، اسی طرح ریاست اپنے باغیوں کو بھی قتل کرسکتی ہے۔اسی طرح دہشت گردی، منشیات کا کاروبار کرنے اور اسے عوام میں پھیلانے، اغوا اور کئی دوسرے جرائم میں بھی اگر ریاست چاہے تو موت کی سزا نافذ کرسکتی ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ درج بالا چاروں روایات ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔مثلاً حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت میں صرف شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کی سزا رجم اور سو کوڑے ہے۔صحیح بخاری والی روایت کے مطابق ہر بدکار کے لیے پتھر ہیں۔حضرت عمرؓ والی روایت کے مطابق بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ، قطع نظر اس کے کہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کی سزا رجم ہے۔اور یہ روایت رجم کی سزا تو برقرار رکھتی ہے، مگر کوڑوں کی سزا معاف کردیتی ہے۔کیا ایسی روایات کی بنیاد پر کسی مجرم کو رجم کیا جائے گا؟

o اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ماعزؓ اسلمی کو رجم کیا گیا تھا۔اگرچہ یہ واقعہ جتنے طریقوں سے نقل ہوا ہے، اس میں بے شمار تضادات ہیں۔تاہم ان تضادات سے قطع نظر اس ضمن میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت ماعز کا کردار کیا تھا؟ ایک طرف ایسی روایات موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ وہ ایک سیدھے سادھے انسان تھے۔ان سے گناہ کا صدور ہوا اور انھوں نے اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوکر اعتراف گناہ کرلیا۔دوسری طرف ایسی

وایات ہیں اور کچھ روایات میں ایسے اشارے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی اس طرح کے واقعات میں ملوث ہو چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ یہ وسلم اس کے آنے سے پہلے ہی اس کے جرم کے بارے میں مطلع تھے۔ اس نے اعتراف اس توقع پر کیا تھا کہ اس پر موت کی سزا نافذ نہیں کی جائے ی۔ اس نے دراصل زنا بالجبر کا ارتکاب کیا تھا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بھی بلایا تھا جس سے اس نے بدکاری کا ارتکاب کیا تھا، مگر حضور صلی للہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔ (طبقات ابن سعد ۳۲۱/۴) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن عصر کے وقت تقریر کر کے اس کا نام لیے بغیر ں کے اس کردار کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کیا۔ صحیح مسلم کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقریر میں کہا: ''کیا یہی نہیں ہوا کہ جب کبھی ہم اللہ کی راہ ں جہاد کے لیے نکلے تو ہمارے اہل وعیال میں سے ایک شخص پیچھے رہ گیا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح بلبلاتا تھا۔ مومنو، مجھ پر لازم ہے کہ اگر اس رح کا کوئی مجرم میرے پاس لایا جائے تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔'' (صحیح مسلم۔ کتاب الحدود)

چنانچہ اگر یہ زنا بالجبر کا کیس تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ سزا سورۂ مائدہ کی آیات فساد فی الارض کے تحت دی تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا۔ اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی واضح یقینی شہادت موجود نہیں ہے۔ اگر یہ واقعہ سورۂ نور کے نزول سے ہلے پیش آیا تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے احکام کے تحت یہ سزا دی۔ اس بات کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک قرآن مجید میں کسی عاملے کے بارے میں حکم نازل نہیں ہوتا تھا، اس وقت تک حضورؐ تورات کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ قرآن نے خود یہ بات بہت ضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ اس کے احکام تورات کی نسبت ہلکے ہیں۔ تورات میں شادی شدہ انسان کے لیے سنگ ساری کی سزا کا حکم ہے (کتاب استثنا، ب ۲۲)۔ پھر قرآن مجید نے اس حکم میں تخفیف کر کے ہر طرح کے بدکار مجرم کی سزا سورۂ نور میں مقرر کر دی۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ماعزؓ کے پاس عین بوقت سزا، رجم سے بچنے کی کوئی صورت موجود تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس پر پتھر پڑے تو وہ بخا: ''لوگو، مجھے رسول اللہؐ کے پاس واپس لے چلو۔ میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے مروا دیا۔ انھوں نے مجھے دھوکے میں رکھا۔ وہ مجھے یہی کہتے رہے کہ رسول للہ مجھے قتل نہیں کرائیں گے۔ بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا، تم اسے برے پاس (دوبارہ) کیوں لے کر نہیں آئے؟'' (ابو داؤد، کتاب الحدود) طبقات ابن سعد میں یہ فقرہ اس طرح آیا ہے: ''تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں یا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ کرتا تو اللہ اس پر رحم فرماتا۔''

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ فساد فی الارض کے جرم میں ریاست کے پاس یہ اختیار موجود ہے کہ وہ مجرم کو معاف بھی کر سکتی ہے۔

درج بالا سوالات اور ان کے جوابات پر غور وفکر سے یہ غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ دراصل زنا بالجبر کا کیس تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو سادفی الارض کے جرم میں رجم کی سزا دی تھی۔

o غامدیہ کا واقعہ بھی متعدد کتابوں میں نقل ہوا ہے۔ اس واقعے کی تفصیلات میں بھی بے شمار تضادات ہیں اور کئی سوالات ہیں جن کا جواب کسی بھی وایت میں نہیں۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ اسے بچے کی پیدائش کے فوراً بعد رجم کیا گیا۔ اس کے برعکس دوسری روایت بتاتی ہے کہ اس پر سزا اس وقت فذ کی گئی جب اس کا بچہ خود کچھ کھانے کے قابل ہوا۔

ایک روایت کے مطابق اس دوران میں وہ ایک انصاری کے پاس رہی، جبکہ دوسری روایت کے مطابق اس کے ولی پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی۔ کیا یہ کوئی صمت فروش عورت تھی جس نے مسلمان ہوتے وقت پیغمبر سے بیعت میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اب وہ زنا کے قریب نہ جائے گی، اس کے بعد وہ اس جرم میں

ملوث ہوئی اور حمل کی وجہ سے اسے اعتراف کرنا پڑا یا پھر اس کے برعکس وہ کوئی شریف زادی تھی جو اتفاقاً بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھی؟ اس سوال کا کوئی جواب روایات میں نہیں ملتا۔ اگر اس کا شوہر موجود تھا تو وہ اور اس کے قبیلے والے اس پورے معاملے کے دوران میں کہاں غائب رہے۔ حیرت ہے کہ اس واقعے کے اتنے اہم پہلو کی طرف کسی روایت میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس کی تدفین کے وقت بھی اس کے گھر والوں میں سے کوئی بھی سامنے نہیں آیا۔ یہ اور اس طرح کے کئی سوالات، شبہات اور تحفظات کا کوئی جواب یہ روایتیں نہیں دیتیں۔

لیکن اس سے بڑھ کر اس معاملے کا اہم پہلو یہ ہے کہ کسی بھی روایت میں اس خاتون کو شادی شدہ قرار نہیں دیا گیا۔ چنانچہ ان روایات کو شادی شدہ مجرم کی سزاے رجم کے ثبوت کے طور پر استعمال کیا ہی نہیں جا سکتا۔

o جہاں تک مزدور کے مقدمے والا معاملہ ہے۔ اس کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھی غالباً عصمت فروشی ہی کا معاملہ تھا۔ واقعات کے مطابق ایک مزدور اپنے مالک کی بیوی سے ملوث ہوگیا۔ مالک نے اس کے عوض مزدور کے باپ سے سو بکریاں اور ایک لونڈی لے لی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت کسی ایسے شریف اور غیرت مند عرب کا تصور بھی ممکن تھا جو اپنی بیوی کی عصمت کی قیمت لے کر معاملہ رفع دفع کر ڈالے؟ صاف لگتا ہے کہ یہ کوئی ایسا گھرانہ تھا جس کا کام ہی یہ تھا کہ پہلے کسی شخص کو پھانسا جائے اور پھر آبرو کی قیمت چکالی جائے۔ لیکن اس گھرانے کو ایک ایسے شخص سے واسطہ پیش آگیا جو اپنی بکریاں اور لونڈی واپس لینا چاہتا تھا اور اسے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ اس معاملے میں اس کے بیٹے کو کم سزا ملے گی اور عورت کیفر کردار کو پہنچ جائے گی۔ چنانچہ اس جھگڑے میں یہ معاملہ افشا ہوگیا۔ اور عصمت فروشی کے جرم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت پر سزا نافذ کر دی۔

یہاں بھی دوسرے واقعات کی طرح یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ روایات کی شکل میں جو کچھ ہمیں پہنچا ہے، اس میں متعدد اہم سوالات کا جواب موجود نہیں ہے۔ جن کے بغیر اس طرح کی داستان کسی قانونی نظیر کے لیے استعمال نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً یہ واقعہ کب پیش آیا؟ جرم کا افشا کس طرح ہوا؟ مجرم کیسے پکڑے گئے؟ گواہ کون تھے؟ کیا بیوی نے خود شوہر کو مطلع کیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی ہے اور اب وہ لڑکے کے باپ سے مالی مطالبہ کر سکتا ہے؟

o چنانچہ قانون کے نقطۂ نظر سے درج بالا تینوں واقعات کی تفصیل انتہائی ناقص اور اتنی متناقض ہے کہ ان کو دلیل کے طور پر پیش کرنا ممکن ہی نہیں۔ پھر ان میں سے بعض مقدمات میں فیصلہ کرنے کا جو طریقہ نقل ہوا ہے، اس کے بارے میں کوئی شخص یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی درجے میں صحیح ہو سکتی ہے۔

o خلفاے راشدین کے وقت کے جتنے واقعات مذکور ہیں، ان کی تفصیل بھی اتنی ناقص اور متناقض ہے کہ اس کی بنیاد پر کچھ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً موطا امام مالک کی روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے شادی کے چھ مہینے بعد بچے کو جنم دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ اب یہ روایت خود بتا رہی ہے کہ اس عورت نے شادی سے پہلے بدکاری کی تھی۔ چنانچہ اس روایت کو شادی شدہ مجرم کی سزاے رجم کے حق میں کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

جناب عمار خان ناصر نے دونوں گروہوں کے نقطۂ نظر پر بہت تحقیقی تنقید کی ہے۔ درج بالا آٹھ دلائل اور دوسرے گروہ کی طرف سے اس کے جواب کے علاوہ تین مزید پہلو بھی سامنے لائے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ درج بالا تقریباً تمام روایات میں شادی شدہ کے لیے '**احصان**' یا '**محصن**' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے کئی معنی

ممکن ہیں۔ مثلاً یہ غلامی اور غلام کے مقابلے میں ''آزادی'' اور ''آزاد''، ''عفت'' اور صاحب عفت'' اور ''اسلام'' اور ''مسلمان'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس عربی زبان میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو صرف ''شادی'' اور ''شادی شدہ'' کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ایک ایسے قانون کے بیان کے لیے جس کے نتیجے میں کسی انسان کو سنگ ساری جیسی شدید سزا دی جائے مختلف النوع معانی کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ بغیر کسی وضاحت کے استعمال کیے جائیں۔ مثلاً زنا کے بعد احصان کو کوئی شخص عصمت فروشی اور بدکاری سے توبہ کرنے کے بعد دوبارہ اس میں ملوث ہونے کے معنی میں لے لے تو یہ بالکل ہو سکتا ہے۔

o درج بالا پورے موقف میں صرف شادی شدہ ہونے پر زور دیا گیا ہے، حالانکہ زندگی میں ایسے بہت سے مواقع پیش آتے ہیں جب ایک انسان شادی شدہ ہونے کے باوجود عملاً تجرد کی زندگی گزار رہا ہو، مثلاً میاں بیوی میں ناچاقی ہو، بیوی یا شوہر بیمار ہو، دونوں میں سے کوئی ایک ملازمت کے سلسلے میں لمبے عرصے کے لیے گھر سے باہر ہو یا دونوں کے درمیان طلاق ہو چکی ہو یا دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو چکا ہو۔ ان تمام صورتوں میں تو انسان بس نام کی حد تک ہی شادی شدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے تمام مجرموں کو ایک ہی کیٹیگری میں رکھنا قرین انصاف نہیں ہے۔

o اصل الاصول یہ ہے کہ ''حدیث قرآن کے تحت ہے اور ہر حدیث کو قرآن مجید ہی کی روشنی میں سمجھا جائے گا۔'' جب یہ اصول اختیار کر لیا جائے تو ہر روایت اپنے موقع و محل میں واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس اصول اختیار کر لیا جائے یا ہر روایت کو مستقل بالذات حکم مانا جائے تو تضادات کا ایک ایسا چیستان جنم لیتا ہے جس میں کوئی بات بھی یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ دراصل یہ اصول تو قرآن سے ثابت ہے کہ قرآن ہی ہر چیز پر حاکم ہے اور ہر چیز کو قرآن ہی کی روشنی میں حل کرنا چاہیے۔

آیت کے آخری حصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سزا کے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہنا چاہیے۔ گویا یہ ضروری نہیں کہ یہ سزا کسی پبلک مقام پر دی جائے لیکن یہ ضروری ہے کہ اس وقت مسلمانوں کا ایک گروہ ضرور موجود ہوتا کہ ان مجرموں کو اپنے جرم کی سنگینی کا احساس ہو جائے۔

تیسری آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایسے بدکار لوگ عام مسلمانوں کے ساتھ نکاح کے قابل نہیں ہیں۔ گویا ان کا نکاح اپنے ہی جیسے کسی مجرم کے ساتھ کرنا چاہیے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ
شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ
بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا

الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

جولوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں اور پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ پیش نہ کریں تو ان کو اسی کوڑے مارو[۳] اور آئندہ ان کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ فاسق (یعنی نافرمان) ہیں[۴]، البتہ جولوگ اس کے بعد توبہ کریں گے اور اپنی اصلاح بھی کرلیں گے تو اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے[۵]۔

جولوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود اپنی ذات کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یہ شخص اپنے الزام میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر یہ شخص سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے[۶]۔

اے مومنو، اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کا رحم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا اور حکمت کا مالک ہے (تو تم اس کی پکڑ میں آجاتے[۷]) ۴-۱۰

[۳] سوسائٹی کے اندر خواتین کو غلط الزامات سے بچانا انتہائی ضروری ہے، کیونکہ ایسے الزامات کی وجہ سے ایک خاتون کی شخصیت پر مستقل داغ لگ جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے بتایا کہ زنا بالرضا کے ہر الزام کے ثبوت کے لیے یہ ضروری ہے کہ کم از کم چار چشم دید گواہ اس کی شہادت دیں۔ گویا دین کا منشا یہ ہے کہ اگر کہیں ایسی گندگی موجود ہو تو اس پر پردہ پڑا رہنے دیا جائے اور لوگوں کو عدالت میں نہ گھسیٹا جائے۔ گویا ایسے غلط کار لوگوں کو معاشرتی دباؤ اور دوسرے طریقوں سے اس جرم سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ البتہ اگر کچھ لوگ اتنے بے باک اور بے حیا ہو جائیں کہ وہ کھلم کھلا اس طرح کی حرکتیں کرنے لگیں تو پھر ان کو ضرور قانون کے حوالے کیا جائے۔ اسی لیے قرآن مجید نے یہ قانون بنایا کہ کسی خاتون پر زنا کا الزام لگانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ کم از کم چار چشم دید گواہ موجود ہوں اور اگر اس کے بغیر کسی خاتون پر کوئی الزام لگایا جائے تو الزام لگانے والا قذف کا مجرم ٹھہرے گا اور اسے اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

یہاں چند مزید باتیں بھی سمجھ لینی چاہییں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں '**محصنات**' کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی پاک دامن کے ہیں۔ قانون کی نظر میں ہر خاتون اس وقت تک پاک دامن ہے، جب تک عدالت اسے بدکاری کا مجرم قرار نہ دے۔ دوسری یہ کہ اگرچہ اس آیت کا تعلق اصلاً خواتین سے ہے، تاہم اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر کسی مرد پر اس طرح کا الزام لگایا جائے تو اس کے لیے بھی چار گواہوں کی شہادت ضروری ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو الزام لگانے والے ہی مجرم ٹھہریں گے۔ تیسری یہ کہ اس آیت کا تعلق عادی عصمت فروش عورتوں اور ان کے رکھوالوں سے نہیں ہے۔ ایسی عورتوں کے متعلق قانون سورۂ نساء میں علیحدہ سے بیان ہو گیا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ چار گواہوں کا تعلق صرف اور صرف زنا بالرضا سے ہے۔ اس کے برعکس زنا بالجبر (Rape) ایک علیحدہ اور بہت

بڑا جرم ہے جو فساد فی الارض کے ضمن میں آتا ہے۔ زنا بالجبر کے لیے چار چشم دید گواہوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ جرم اس طریقے سے کسی مملکتی عدالت میں ثابت کیا جاسکتا ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی شخص نے عدالت میں کسی خاتون پر زنا کا الزام لگایا اور اسے عدالت کے سامنے ثابت نہ کرسکا تو ایسا شخص خود بخود قذف کا مجرم ٹھہرے گا۔ ایسی صورت میں متاثرہ خاتون کو اس بات کی کوئی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ قذف کے معاملے میں اپنی طرف سے کوئی مقدمہ دائر کرے، کیونکہ یہ الزام عدالت کے روبرو لگایا گیا ہے۔

[۴] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام لوگوں کی آبرو کی حفاظت کرنے کے ضمن میں کتنا حساس ہے۔ نہ صرف یہ کہ ایسے لوگوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی، بلکہ آیندہ ان کی گواہی کسی بھی معاملے میں قبول نہ کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ کوڑوں کی سزا سے بھی بڑی سزا ہے۔

[۵] توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کے بعد اللہ کے ہاں ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے، البتہ اس سے دنیوی سزا نہیں ٹل سکتی۔ دراصل توبہ و اصلاح کا تعلق آخرت سے ہے، جبکہ سزا کا تعلق اس دنیا میں قانون کے نفاذ سے ہے۔

[۶] بعض اوقات ایسی صورت پیش آجاتی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو اس حالت جرم میں دیکھ لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۳ کے تحت اب یہ دونوں ایک دوسرے کے شوہر اور بیوی بن کر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس موقعے پر علیحدگی کے لیے درج بالا طریقہ بتایا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی انسان اپنی بیوی کو عین حالت جرم میں بھی دیکھ لے تو اسے یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ایسے موقع پر اپنی بیوی کو کوئی نقصان پہنچائے یا اسے قتل کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ خود مجرم بن جائے گا۔ ہاں، البتہ اسے یہ حق ضرور حاصل ہے کہ ایسی عورت سے علیحدگی حاصل کرے۔

[۷] یعنی اگر اللہ نے لعان کے قانون کی ہدایت نہ فرمائی ہوتی تو تم لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور اس طرح معاشرے میں قتل و غارت گری اور دشمنیوں کی نوبت آجاتی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ
مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا
بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
لَمَسَّكُمْ فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ
بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ
بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾

(اے اہلِ ایمان)، جن لوگوں نے افک کا فتنہ برپا کیا وہ تمھارے ہی اندر کا ایک گروہ ہے[8]۔ اس واقعے کو اپنے لیے شر نہ سمجھو، بلکہ یہ بھی تمھارے لیے خیر ہی ہے[9]۔ جس جس نے اس جھوٹے الزام میں جتنا حصہ لیا، اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جو شخص (یعنی عبداللہ بن ابی، رئیس المنافقین) اس فتنے کا اصل بانی ہے، اس کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ جھوٹا الزام سنا تو مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی بابت نیک گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا ہوا بہتان ہے[10]۔

یہ (الزام لگانے والے) لوگ اپنے اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہ کیوں نہ لائے؟ جب یہ لوگ گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے قانون کے نزدیک لازماً یہی لوگ جھوٹے ہیں[11]۔

اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بہتان میں تم لوگ ملوث ہو گئے تھے اس کے باعث تم کو ایک بڑا عذاب آ پکڑتا۔ جس وقت تم اپنی زبانوں سے وہ بات نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمھیں کوئی علم نہیں تھا، تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی۔

ایسا کیوں نہ ہوا کہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا ہوتا: ''ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنے کا حق نہیں ہے۔ اللہ کی ذات پاک ہے۔ یہ یقیناً ایک بہت بڑا بہتان ہے[12]۔''

اللہ تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو آیندہ کبھی بھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے اور وہ حکمت والا ہے۔ ۱۱-۱۸

[۸] افک جھوٹی، من گھڑت اور خلاف حقیقت بات کو کہتے ہیں۔ یہاں سے آگے چند آیات میں اس جھوٹے الزام کا ذکر ہے جو عائشہ صدیقہؓ پر لگایا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا جھوٹ تھا جو تمام مسلمانوں کی ماں سے متعلق تراشا گیا تھا، اس وجہ سے قرآن نے اس کی طرف لفظ افک سے اشارہ کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی مصطلق سے مدینہ منورہ واپس آ رہے تھے۔ یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا تھا اور اس غزوہ میں عائشہؓ ہی آپؐ کے ہم سفر تھیں۔ راستے میں فوج نے رات کو کسی جگہ پڑاؤ ڈالا اور ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ عائشہؓ رفع حاجت کے لیے باہر گئیں اور جب پلٹنے لگیں تو قیام گاہ کے قریب پہنچ کر انھیں محسوس ہوا کہ ان کے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا ہے۔ وہ اس ہار کو تلاش کرنے میں لگ گئیں اور اتنے میں قافلہ روانہ ہو گیا۔ چونکہ عائشہؓ اس زمانے میں بہت دبلی پتلی تھیں، اس لیے ان کے اونٹ کے ساربان کو یہ پتا ہی نہ چلا کہ وہ اپنے ہودہ میں سوار نہیں ہیں۔ چنانچہ اس

نے یہ سمجھ کر اونٹ کو روانہ کر دیا کہ ام المومنین ہودہ میں موجود ہیں۔ جب عائشہؓ اپنا ہار ڈھونڈ کر واپس پلٹیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ اس وقت انھیں یہی تدبیر نظر آئی کہ وہ وہیں بیٹھی رہیں تاکہ جب لوگ انھیں اپنے اونٹ کے کجاوے میں نہ پائیں تو انھیں ڈھونڈ سکیں۔ صبح کے وقت صفوان بن سلمیؓ اس جگہ سے گزرے۔ ان کو اس خدمت پر مامور کیا گیا تھا کہ وہ قافلے کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ رات کے اندھیروں میں کوچ کرنے کی وجہ سے اگر کوئی چیز پیچھے رہ جائے تو اسے تلاش کر کے لے آئیں۔ صفوان کی یہ ڈیوٹی اس لیے لگائی گئی تھی کیونکہ وہ دیر تک سونے کے عادی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ جب بھی تمھاری آنکھ کھلے تم فجر کی نماز پڑھ لیا کرو۔

جب صفوان نے دیکھا کہ ام المومنین پیچھے رہ گئی ہیں تو انھوں نے فوراً 'انا للّٰہ' پڑھا، اپنا اونٹ بٹھایا، ام المومنین کو اس پر سوار کر دیا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ فوج کے کوچ و مقام کے دوران میں اس طرح کے واقعے کا پیش آجانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، لیکن منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے فوراً ام المومنین پر بہتان لگا دیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے منافقین نے بھی اس الزام کو بار بار دہرایا ہوگا۔ تاہم روایات میں ایسے تین مومنوں کے نام بھی ملتے ہیں جو غلطی اور کمزوری سے اس فتنے میں پڑ گئے تھے۔

[۹] مسلمانوں کے لیے اس واقعے میں خیر کا پہلو یہ تھا کہ ان کے اندر جو بعض کمزوریاں دبی ہوئی تھیں وہ ابھر کر سامنے آ گئیں، بروقت ان کی اصلاح و تدبیر ہو گئی اور اس کی وجہ سے معاشرے کے متعلق بہت سے احکام اور ہدایات نازل ہوئیں۔

[۱۰] یعنی ایک اسلامی معاشرے میں ہر فرد کو دوسرے کے متعلق اچھے گمان سے کام لینا چاہیے اور اس وقت تک کسی الزام کو نہیں ماننا چاہیے جب تک وہ عدالت کے ذریعے سے ثابت نہ ہو جائے۔

[۱۱] یعنی اگر یہ الزام لگانے والے اپنے الزام کے حق میں چار چشم دید گواہ پیش کر دیتے تو ان شہادتوں کی بنیاد پر مقدمہ چلایا جا سکتا تھا، لیکن جب ان کے پاس کوئی گواہ نہیں تھے تو اللہ کے قانون کے مطابق بھی انھیں یہ حق نہیں تھا کہ وہ کوئی الزام لگا دے۔

[۱۲] اللہ نے جس خاتون کو ام المومنین بنا دیا ہو تو یہ بات واضح ہے کہ اللہ اس خاتون کی عزت و ناموس کی پوری حفاظت بھی کرے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ بھول کر ایک ایسی خاتون کو ام المومنین کا خطاب عطا فرمائے جس کے اندر گناہ کبیرہ کی طرف میلان موجود ہو۔ اسی لیے قرآن نے اس پہلو کی طرف بھی مسلمانوں کی توجہ دلائی کہ تم لوگوں کو چاہیے تھا کہ اس الزام کو سنتے ہی تم کہہ دیتے کہ ہمیں ام المومنین کے متعلق زبان سے ایسی بات نکالنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ
ع ٨ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ
تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ
وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ
وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع

بے شک، جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں ایک دردناک سزا ہے۔[۱۳] اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ بڑا شفیق اور بہت رحم والا نہ ہوتا (تو تم لوگ ایک آفت میں پھنس جاتے[۱۴])۔

اے اہلِ ایمان، شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ اگر کوئی شیطان کی پیروی کرے گا تو وہ یاد رکھے کہ شیطان ہمیشہ بے حیائی اور برائی کی راہ دکھاتا ہے۔[۱۵] اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا۔ مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) پاک کر دیتا ہے۔[۱۶] اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اے مومنو، تم میں سے جو لوگ فضل اور مال والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کریں گے۔ انھیں چاہیے کہ (ان کمزور لوگوں کو ان کی غلطیوں کے باوجود) معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم خود یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں معاف کرے؟ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔[۱۷]

بے شک جو لوگ پاک دامن، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے اس دن ایک بڑی سزا ہے جب ان کی اپنی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ انھیں وہ بدلہ بھرپور دے گا،

جس کے وہ مستحق ہیں اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے اور سب کچھ واضح کرنے والا ہے۔(اس دن) خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہوں گی اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہوں گے۔ جبکہ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہوں گی اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے ہوں گے۔ان پاکیزہ لوگوں کا دامن ان باتوں سے پاک ہے جو (غلط الزامات لگانے والے ان پر) لگاتے ہیں[18]۔ان پاکیزہ لوگوں کے لیے مغفرت اور (قیامت کے دن) باعزت رزق ہے۔۱۹-۲۶

[۱۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاریوں کے غلط الزامات بھی بے حیائی اور برائی کا اظہار ہیں، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

[۱۴] یعنی ممکن ہے کہ تمھارے خیال میں کسی کے متعلق غلط الزامات ایک چھوٹی سی بات ہو، مگر یاد رکھو کہ یہ ایک بہت بڑی برائی ہے۔تم نہیں جانتے کہ اس سے دنیا اور آخرت میں تمھیں کیا نقصان پہنچتا ہے۔

[۱۵] یہاں شیطان سے مراد شیاطین جن اور انس، دونوں ہیں یعنی ان دونوں گروہوں میں جس جس پر اتمام حجت ہو چکا ہے اور اس کے باوجود وہ سرکشی کے راستے پر چل رہا ہے تو ایسا جن یا انسان دوسروں کو غلط راستے پر ہمیشہ بے حیائی اور گناہ کبیرہ کے ذریعے سے لے جاتا ہے۔غلط الزامات لگانا بھی شیطان کی سازشوں میں سے ایک سازش ہے۔

[۱۶] کسی بھی شخص کو اپنے اوپر یہ اعتماد نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ کے فضل کے بغیر بھی وہ تقویٰ کے راستے پر چل سکتا ہے۔اس معاملے میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو انسان ہر وقت اللہ سے پاکیزگی حاصل ہونے کی دعا کرتا ہے اور خود بھی پاکیزہ رہنا چاہتا ہے تو اس پر اللہ اپنا مزید فضل اور رحم کرتا ہے۔

[۱۷] روایات کے مطابق حضرت مسطحؓ نامی ایک غریب صحابی تھے، جن کے پورے خاندان کی حضرت ابوبکرؓ مالی مدد کرتے تھے۔بدقسمتی سے حضرت مسطحؓ بھی ام المومنین پر الزام لگانے والوں میں شامل تھے۔اس سے ابوبکر صدیقؓ کو نہایت صدمہ ہوا اور انھوں قسم کھائی کہ اب میں مسطحؓ کی کبھی مدد نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس پس منظر میں یہ ہدایت نازل ہوئی۔اس ہدایت کے نزول کے بعد ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ نے فوراً مسطحؓ کی مدد شروع کر دی۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سوسائٹی کے اندر کسی بات پر تلخی پیدا ہو جائے تو اونچے طبقے کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ کمزور لوگوں کے معاملے میں ہمیشہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔اگر وہ یہ رویہ اختیار کریں گے تو اللہ بھی قیامت کے دن ان کے قصور معاف کر دے گا۔

[۱۸] یعنی اگر کسی پاکیزہ انسان پر اس دنیا میں کوئی غلط الزام لگایا گیا ہو گا تو قیامت کے دن اللہ کی طرف سے اس اعلان کی تردید سب کے سامنے کر دی جائے گی۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا

غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ
أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ ۭ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ
يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ
عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ اٰبَآئِهِنَّ أَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْٓ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْٓ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي
الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا
يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا إِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

[19] اے ایمان والو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے لوگوں کے گھروں میں اس وقت تک داخل مت ہوا کرو جب تک تم گھر والوں کی رضا نہ لے لو، (تعارف نہ پیدا کرو) اور گھر والوں کو سلام نہ کرو[20]۔ یہی طریقہ تمھارے لیے خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ (توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے اور) اگر تم دوسروں کے گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں صرف اس وقت داخل ہونا جب اس کی پیشگی اجازت تمھیں ملی ہو[21]۔ اور اگر ان گھر والوں کی طرف سے تمھیں واپس چلے جانے کو کہا جائے تو تمھیں واپس ہو جانا چاہیے[22]۔ یہ تمھارے لیے پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

ان غیر رہائشی جگہوں میں داخل ہونے میں تمھارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے جن میں تمھارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو۔ تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو، اللہ کو سب کی خبر ہے[23]۔

(اے نبیؐ)، (ایسے موقعے پر) مومن مردوں کو ہدایت کرو کہ وہ اپنی نظروں میں سے کچھ نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی پردہ پوشی کریں۔ یہ طریقہ ان مومن مردوں کے لیے بہت پاکیزہ ہے[24]۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔

(اے نبیؐ)، (ایسے موقعے پر) مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظروں میں سے کچھ نظریں بچا کر رکھیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ظاہر ہے[25]۔ وہ اپنے سینوں پر اپنے دوپٹے ڈالے رہیں[26]

اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہر، باپ، سسر، بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے تعلق کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیر کفالت مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں[۲۷]۔ عورتیں اپنے پاؤں اس طرح زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ ان کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جائے[۲۸]۔

اے ایمان والو، تم سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم کامیابی پاؤ[۲۹]۔ ۲۷-۳۱

[۱۹] یہاں سے آگے کی آیات میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو بتایا گیا ہے کہ جب وہ دوسروں کے گھروں میں جائیں تو ان کو وہاں کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ گھر سے مراد رہائشی مکان ہے جس میں مردوں اور عورتوں سمیت پورا خاندان رہتا ہو۔ یہ معاملہ چونکہ انتہائی اہم معاشرتی آداب میں شامل ہے، اس لیے قرآن نے اسے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

[۲۰] 'استیناس' کے معنی یہ ہیں کہ تم دوسرے گھروں سے انس پیدا کرو یعنی پہلے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اپنا تعارف کراؤ، اندر آنے کی اجازت طلب کرو اور سلام کرو۔

[۲۱] یعنی اگر کسی گھر میں اہل خاندان موجود نہیں ہیں تو ان کے اندر تمھیں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ ہاں، اگر تمھیں پیشگی طور پر یہ اجازت ملی ہو تو پھر تم ان گھروں میں داخل ہو سکتے ہو۔

[۲۲] ضروری نہیں کہ گھر والے ہر وقت کسی مہمان کو خوش آمدید کہیں۔ یہ ان کا حق ہے کہ وہ ملاقات کرنے سے انکار کریں۔ چنانچہ اگر کسی ملاقاتی کو اندر آنے کی اجازت نہ دی جائے تو اسے خوش دلی کے ساتھ واپس ہونا چاہیے اور اس بات پر اہل خانہ سے گلہ مند نہیں ہونا چاہیے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں گھر کی پرائیویسی کی کتنی بڑی اہمیت ہے۔ اسی کی تشریح میں حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ پکارنا چاہیے اور اگر تیسری مرتبہ بھی اندر سے کوئی جواب نہ آئے تو پھر دروازے پر ڈیرہ ڈال کر بیٹھ نہیں جانا چاہیے، بلکہ واپس ہو جانا چاہیے۔

[۲۳] 'بیوت غیر مسکونۃ' سے مراد پبلک جگہیں، مثلاً دوکان، ہوٹل، ہسپتال، تعلیمی ادارے، دفتر اور پارک وغیرہ ہیں۔ یعنی ان جگہوں میں داخل ہونے کے لیے مذکورہ آداب کی ضرورت نہیں، البتہ اگر ان مقامات کے اپنے کچھ آداب ہوں تو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

[۲۴] ظاہر ہے کہ رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں اور پبلک مقامات میں مردوں اور خواتین کا آپس میں آمنا سامنا ہوگا، ان کو ایک دوسرے سے باتیں بھی کرنی ہوں گی اور ایک ہی محفل میں بیٹھنا بھی ہوگا۔ چنانچہ ایسی ہر جگہ میں سب مردوں کو دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایک یہ کہ وہ 'اپنی نظروں میں سے کچھ نظریں' بچا کر رکھیں۔ گویا تمام نظروں کو بچانے کا حکم نہیں ہے، بلکہ کچھ نظروں کو بچانے کی ہدایت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نظروں میں بے حیائی اور بے باکی نہ ہو۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورتوں کے سامنے مردوں کی چال ڈھال اور گفتگو میں بھی کوئی بے باکی اور بے حیائی نہیں ہونی چاہیے۔ شرم گاہوں کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے موقعے پر مردوں کو چاہیے کہ وہ مہذب لباس پہنے ہوئے ہوں، جس نے ان کے بدن کے پوشیدہ حصوں کو صحیح طریقے سے چھپایا ہوا ہو۔ ایسے موقع پر ان کو کسی بھی غیر مہذب حرکت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

[۲۵] مردوں اور عورتوں کے اختلاط کے موقعے پر عورتوں کو بھی چاہیے کہ وہ مردوں پر بے حیائی اور بے باکی کی نظریں نہ ڈالیں۔ ان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مہذب لباس پہنے ہوئے ہوں جس میں ان کا جسم صحیح طریقے سے ڈھکا ہوا ہو۔ ان کے لیے ایک تیسری ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی زینت یعنی بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں سوائے اس بناؤ سنگھار کے 'جو خود ظاہر ہے'۔ اس بات کی تفسیر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ عائشہ صدیقہؓ، عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب اقوال اور ابن جریرؒ، زمخشری اور البانی کے مطابق اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں۔ یعنی ان کے موقف کے مطابق اگر خاتون نے چہرے اور ہاتھ پر کوئی بناؤ سنگھار کیا ہو تو دوسرے مردوں کے سامنے اس کے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے برعکس عبداللہؓ ابن مسعود کی طرف منسوب قول اور حسن بصری، ابن سیرین اور ابراہیم نخعی کے مطابق اس سے مراد کپڑوں کے اوپر لی گئی چادر ہے۔ یعنی ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر کسی خاتون نے چہرے اور ہاتھ پر بناؤ سنگھار نہ کیا ہو تو اس کو چھپانے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر اس نے چہرے اور ہاتھ پر کوئی بناؤ سنگھار کیا ہے تو اس کا بھی چھپانا ضروری ہے۔ البتہ اس نے کپڑے کے اوپر جو چادر لی ہوئی ہے، اگر اس پر بناؤ سنگھار کیا گیا ہو تو اس کا چھپانا ضروری نہیں۔

[۲۶] درجہ بالا ہدایات کی مزید وضاحت ہے۔ یعنی پوشیدہ جگہوں کی حفاظت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایسے موقع پر خواتین اپنے سینوں اور گریبان پر اپنے دوپٹے ڈالیں۔

[۲۷] اس آیت میں قرآن نے ان لوگوں کی فہرست بیان کی ہے جن کے سامنے خواتین ہر طرح کے بناؤ سنگھار کے ساتھ آسکتی ہیں۔

[۲۸] یہ بھی دراصل تیسری ہدایت کی مزید تشریح ہے۔ یعنی اگر کسی خاتون نے پاؤں میں ایسا جھنکار والا زیور مثلاً پازیب پہنی ہوئی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ احتیاط کے ساتھ مردوں کے سامنے چلے، کیونکہ اگر ایسے موقعے پر وہ قصداً زمین پر اپنے پاؤں مارتی ہوئی چلے گی تو یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ اسی کی تشریح میں حضورؐ نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ عورتیں تیز خوش بو نہ لگائیں۔

[۲۹] درجہ بالا ہدایات مسلمان معاشرے کی اصلاح اور پاکیزگی کے لیے ضروری ہیں، اسی لیے ان ہدایات کے آخر میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی سابقہ کمزوریوں سے آیندہ کے لیے بچتے رہیں اور ان ہدایات کی پیروی کرتے رہیں۔ درج بالا ہدایات کے ضمن میں چند اہم باتوں کی طرف توجہ کرنا مناسب ہے۔ ایک یہ کہ آیات میں مردوں اور خواتین کو جو ہدایات دی گئی ہیں، ان کا یہ مقصد بتایا گیا ہے کہ وہ خود ان کے اپنے تقویٰ اور پاکیزگی کے لیے ضروری ہیں۔ یعنی اگر مرد ان باتوں پر عمل کریں گے تو خود ان کے اندر پاکیزگی پیدا ہوگی اور اگر عورتیں بھی ان ہدایات پر عمل کریں گی تو ان کے اندر بھی تقویٰ اور پاکیزگی پیدا ہوگی۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خصوصاً عورتوں کو یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہیں کہ مردوں کے دین کو کوئی خطرہ نہ ہو، حالانکہ قرآن مجید نے ایسی بات نہیں کہی۔ دراصل ہر مرد و عورت کے لحاظ سے باقی ساری دنیا کی صنف مخالف چار گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ان میں سب سے پہلا گروہ شوہر اور بیوی کا ہے جن کے متعلق قرآن نے کہہ دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے لباس کی مانند ہیں۔ دوسرا گروہ اُن محترم رشتہ داروں کا ہے جن کے متعلق کوئی جنسی خیال ذہن میں لانا بھی منع ہے۔ ان رشتہ داروں کے سامنے ہر خاتون بناؤ سنگھار میں بھی آسکتی ہے اور اس حلقے کے اندر سوائے ستر اور تہذیبی پابندیوں کے مزید کوئی پابندی نہیں ہے۔ تیسرا حلقہ ان لوگوں کا ہے جن سے انسان کو عموماً کام پیش آتا ہے مثلاً رشتہ دار، دوست احباب، کسی اسکول، ادارے اور ہسپتال

ں یا خرید وفروخت، کاروبار، ملازمت اور سفر کے دوران میں یا کسی سماجی تقریب کے موقع پر۔ ان تمام جگہوں میں مردوں اور خواتین کو انھی آداب کا خیال
کھنا چاہیے جن کا ذکر اوپر کی آیات میں ہو چکا ہے۔ یہ واضح ہے کہ اس میں قرآن نے چہرے کے پردے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ چوتھا حلقہ ان لوگوں کا ہے جن کی
اہ چلتے ہوئے ایک دوسرے پر نظر پڑ جاتی ہے۔ ایسے موقع پر قرآن مجید نے ہر لغو حرکت سے منع کیا ہے اور حضورؐ نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ اگر ایسی حالت
ں کسی پر ایک دفعہ نظر پڑ جائے تو دوسری دفعہ جان بوجھ کر دیکھنا منع ہے، کیونکہ یہ ایک غیر مہذب حرکت ہے۔ درج بالا ہدایات کی تشریح میں حضورؐ نے یہ
دایت بھی فرمائی کہ کوئی بھی غیر محرم تنہائی میں کسی خاتون کے پاس اکیلا نہ بیٹھے۔ حتیٰ کہ حضورؐ نے دیور کو بھی اس معاملے میں تنہا بیٹھنے سے منع کر دیا۔ یہی وہ
صل ہدایت ہے جس کو آج کچھ لوگ غلطی سے دیور سے چہرہ چھپانے کے مفہوم میں لے لیتے ہیں۔

بناؤ سنگھار کے ضمن میں حضورؐ نے اس بناؤ سنگھار سے منع فرمایا جو اُس زمانے کی قحبہ عورتوں کی پہچان تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں قحبہ
ورتوں (Prostitutes) کا کوئی امتیازی بناؤ سنگھار ہو تو عام عورتوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اختلاط مرد وزن کے آداب کے ضمن میں مزید بحث
ن شاء اللہ سورۂ احزاب میں آئے گی۔ تفصیل کے طالب اس ضمن میں راقم کی کتاب ''اسلام اور عورت'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن
فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ
وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ
اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ
وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا
مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣٤﴾

تم میں سے جو لوگ غیر شادی شدہ اور تمھارے لونڈی غلاموں میں سے جو باصلاحیت ہوں، ان کے نکاح کر دو۔[۳۰] اگر وہ تنگ دست
ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا،[۳۱] اللہ بہت وسعت والا اور سارے علم پر حاوی ہے۔ جو لوگ نکاح کا موقع نہ پائیں،
نھیں چاہیے کہ اپنے آپ کو ضبط میں رکھیں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔[۳۲]

(اے حکمرانو)، تمھارے معاشرے کے لونڈی غلاموں میں سے جو بھی آزادی کی دستاویز کی درخواست کریں تو ان کو مکاتب بنا دو،

اگر تم ان میں صلاحیت پاؤ اور ان کو (بیت المال کے) اس مال میں سے بھی دو جو اللہ نے تمھیں دیا ہے۔ [۳۳]

اے لوگو، اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو، جبکہ وہ خود پاک دامنی کی زندگی کی خواہاں ہیں۔ [۳۴] جو کوئی بھی ان لونڈیوں کو مجبور کرے گا تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور و رحیم ہے۔ [۳۵]

اے لوگو، (درج بالا ہدایات کی پابندی کرو، کیونکہ) ہم نے تمھاری طرف صاف ہدایات دینے والی آیات بھیج دی ہیں، ان قوموں کی (عبرت ناک) مثالیں بھی ہم تمھارے سامنے پیش کر چکے ہیں جو تم سے پہلے گزری ہیں اور اس کتاب میں پرہیز گاروں کے لیے نصیحتیں بھی (ہم نے کر دی ہیں)۔ ۳۲-۳۴

[۳۰] یہ ریاست، معاشرے، خاندان اور سب بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ جتنے لوگ بھی بے زوج یعنی بغیر کسی بیوی یا شوہر کے ہوں، ان کی شادیاں کرادی جائیں، اس ہدایت میں اُس وقت کے حالات کے مطابق لونڈی غلام بھی آجاتے تھے اور آج کے حالات کے مطابق اس میں ملازمین بھی آجاتے ہیں۔ یہ کام سوسائٹی کی مثبت اقدار کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اس ہدایت سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شادی بیاہ کی رسموں کو آسان سے آسان بنایا جائے تاکہ کسی بھی خاندان کو یہ ذمہ داری پوری کرنے میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ افسوس کہ آج اس معاملے میں ہماری رسمیں باقی ساری دنیا سے مسرفانہ ہیں۔

[۳۱] یعنی شادی کے معاملے میں دولت کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ نکاح فقر میں اضافہ نہیں کرتا، بلکہ اللہ کے فضل میں اضافہ کرتا ہے۔ عام طور پر مرد و عورت شادی کے بعد زیادہ ذمہ دار بن جاتے ہیں اور جب وہ دونوں مل کر جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ ان کی جدوجہد میں برکت دیتا ہے۔

[۳۲] اگر کسی وجہ سے کسی شخص کو نکاح کا موقع نہیں مل رہا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ بدکاری کی زندگی گزارے۔ ایسے شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ گناہ کبیرہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

[۳۳] غلامی کو بحیثیت ایک ادارہ ختم کرنے کے ضمن میں اسلام نے مکاتبت کا طریقہ اختیار کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بھی لونڈی یا غلام اپنے مالک سے آزاد ہونا چاہے تو وہ اپنے مالک سے اس ضمن میں ایک معاہدہ کرے تاکہ ایک متعین رقم ادا کرنے کے بعد اس کو آزادی مل جائے گی۔ اگر مالک اس پر رضامند نہ ہو تو ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس لونڈی یا غلام کے حالات دیکھتے ہوئے اس کی آزادی کے لیے ایک رقم متعین کر دے۔ مکاتبت کی صورت میں ریاست اور معاشرے کے مال دار افراد پر یہ بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ رقم ادا کرنے کے لیے اس لونڈی یا غلام کی مدد کی جائے۔ اس ہدایت سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ جب بھی کوئی لونڈی یا غلام اپنے آقا سے مکاتبت کا معاہدہ کرے گا تو اسی وقت اسے آزادی کے ساتھ مال مکاتبت کمانے کا موقع دیا جائے گا۔ اس اصلاحی قدم نے ہر غلام اور لونڈی کو یہ موقع دیا کہ اگر وہ چاہیں تو آزاد ہو سکتے ہیں، چنانچہ اس کے بعد صرف وہی لوگ بطور لونڈی یا غلام رہ گئے جو اپنے اپنے گھروں میں بالکل خاندان کے افراد کی طرح رہتے تھے اور وہ اس بات کی کوئی رسمی ضرورت محسوس ہی نہ کرتے تھے کہ وہ ان خاندانوں سے اپنا ناتا توڑ دیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ دینی احکام کی رو سے لونڈیوں اور غلاموں کے بچے خود بخود آزاد ہوتے ہیں۔ اس قانون نے عملاً غلامی کا

خاتمہ کر دیا۔

[۳۴] سرزمین عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جن گروہوں نے سب سے پہلے لبیک کہا تھا، ان میں لونڈیاں اور غلام بھی شامل تھے۔ اس زمانے میں لونڈیوں کے ذریعے سے مال کمانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان کے مالک ان کو چکلوں میں بٹھا دیتے تھے اور ان کو زبردستی پیشہ کرنے پر مجبور کرتے تھے، جبکہ ان میں سے کوئی بھی لونڈی اس صورت حال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ چنانچہ اس آیت میں قرآن نے صورت واقعہ کی تصویر کھینچ دی۔ اس اصلاحی قدم کے ذریعے سے قرآن مجید نے غلامی کی رسم کو مزید محدود کر دیا، کیونکہ لونڈیوں کے ذریعے سے دولت کمانے کے راستے بند کر دیے گئے۔

[۳۵] دین کا ایک مستقل اصول ہے کہ اگر کسی فرد کو کسی گناہ کے کام پر مجبور کر دیا جائے اور وہ اپنی جان کے ڈر سے وہ کام کرے تو اللہ کی طرف سے اس کی پکڑ نہیں ہوتی۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَ
نَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ
تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ
لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ
وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا
وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ
فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ
يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ ع

۳۶
اللہ ہی کی ذات آسمان و زمین میں ہدایت کا نور ہے۔ (دل کے اندر) اللہ کے نورِ ایمان کی مثال یوں ہے جیسے ایک طاق ہو جس

میں ایک چراغ رکھا ہو، چراغ ایک شیشے کے اندر ہو اور شیشہ ایک چمکتے ستارے کی مانند ہو۔ یہ چراغ زیتون کے ایک ایسے شاداب درخت کے روغن سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ اس کا روغن اتنا شفاف ہو کہ جیسے آگ کے چھوئے بغیر ہی بھڑک اٹھے گا۔ گویا روشنی کے اوپر روشنی[۳۷]۔ اللہ اپنے نور کی ہدایت جس کو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) بخشتا ہے[۳۸]۔ اللہ یہ مثالیں لوگوں کی رہنمائی کے لیے بیان فرماتا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (یہ طاق) ایسے گھروں میں ہیں جن کی بارے میں اللہ نے حکم فرمایا کہ وہ تعمیر کیے جائیں اور ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے۔ ان گھروں میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جن کو کاروبار اور خرید و فروخت اللہ کی یاد، نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتے[۳۹]۔ یہ لوگ اس دن کی آمد سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں سب مضطرب ہوں گے۔ (یہ لوگ یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں) کہ اللہ ان کے اعمال کی بہترین جزا ان کو دے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ نوازے۔ اللہ جس کو چاہے گا بے حساب بخشے گا۔

جن[۴۰] لوگوں نے حق کا انکار کیا، ان کے اعمال کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک خشک صحرا میں سراب ہو۔ ایک پیاسا انسان گمان کرے کہ یہ تو پانی ہے، لیکن جب وہ اس کے پاس جائے گا تو وہ کچھ نہیں پائے گا۔ البتہ وہاں وہ اللہ کو موجود پائے گا جو اس وقت اس کا پورا حساب چکا دے گا۔ اللہ جلد حساب چکانے والا ہے[۴۱]۔

یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر کے اندر اندھیرا ہو، موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہو اور اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ (گویا) تاریکی پر تاریکی چھائی ہو۔ اگر انسان اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو بھی نہ دیکھ پائے[۴۲]۔ جس کو اللہ روشنی نہ بخشے تو اس کے لیے پھر کوئی روشنی نہیں ہے۔ ۳۵-۴۰

[۳۶] یہاں سے آگے دو آیات ہیں جن کی حیثیت اس سورہ کے اندر چمکتے سورج کی مانند ہے۔ ان میں ایمان اور کفر، دونوں کو ایک مثال کے ذریعے سے واضح کیا گیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ نور ایمان سے انسان کے ظاہر و باطن میں کیا روشنی پیدا ہوتی ہے اور کفر کی سیاہی سے انسان کے ظاہر و باطن پر کس طرح کی تاریکی چھا جاتی ہے۔

[۳۷] درج بالا مثال میں طاق سے مراد مرد مومن ہے، چراغ سے مراد اس کا ذہن وقلب ہے جو شیشے کی طرح پاک وصاف ہے۔ اس کے ذہن کے چراغ کو اس کا ضمیر اسی طرح زندہ رکھتا ہے جس طرح زیتون کا بہترین تیل ایک چراغ کو روشنی بخشتا ہے۔ کسی باغ میں زیتون کے وہی درخت بہترین تیل پیدا کرتے ہیں جو باغ کے وسط میں ہوں، نہ کہ کناروں پر۔ اسی طرح ایک مرد مومن اپنے ضمیر کو ہر طرح کی نفس پرستی اور تعصب سے پاک رکھتا ہے۔ اس کا ضمیر سچائی کو اتنا پسند کرتا ہے کہ ابھی اس کو اسلام کی دعوت ملی بھی نہیں ہوتی اور اس سے پہلے ہی اس کا قلب وضمیر اسی سیدھے راستے پر سوچتا ہے۔ اس کے

یمان کی روشنی ہر طرف پھیلتی ہے۔ وہ یقین کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے، اسی لیے اس کے چراغ کی لو چمکتے شیشے میں محفوظ ہوتی ہے اور بجھنے نہیں پاتی۔ توحید س کے لیے نورِ ہدایت ہوتی ہے اور وہ توحید ہی کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔

[۳۸] یعنی ایسے ہی زندہ ضمیر اور پاک وصاف ذہن رکھنے والے لوگوں کو اللہ نورِ ہدایت کی روشنی نصیب کرتا ہے۔ اس طرح ان کے لیے روشنی کے اوپر وشنی کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔ یعنی پہلے ان کے اپنے ضمیر کی روشنی اور پھر اس کے بعد وحی کی روشنی۔

[۳۹] یہ مردانِ مومن توحید کے مراکز یعنی مسجدوں سے بھی زندہ تعلق رکھتے ہیں اور اپنے گھروں میں بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ دنیوی کاروبار میں رور حصہ لیتے ہیں، لیکن یہ چیزیں انھیں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غافل نہیں کر سکتیں۔

[۴۰] یہاں سے آگے آیات میں ان لوگوں کی مثال بیان ہوئی ہے جن کو حق کی دعوت ملی، لیکن انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ پہلی مثال ان کے مال کی ہے اور دوسری مثال ان کی ذہنی تاریکی کی۔

[۴۱] یعنی جس چیز کو وہ لہروں لیتا ہوا پانی سمجھتا تھا، وہ حقیقت میں خشک اور تپتی ہوئی ریت نکلی جسے دیکھ کر وہ بالکل مایوس ہو جائے اور دم توڑ جائے۔

[۴۲] توحید کی روشنی سے محروم ہونے والے ایک گھٹا ٹوپ اندھیرے میں زندگی گزارتے ہیں۔ ان کا تعصب، ان کی نفس پرستی اور توحید سے انکار ریکی کے اوپر مزید تاریکی کا سامان بن جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ
اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ
حَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ
هَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ
هُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ
ى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
ى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

(اے لوگو)، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ آسمان و زمین کی سب چیزیں، پر پھیلائے ہوئے اڑنے والے پرندوں سمیت، اللہ ہی کی تسبیح

کررہے ہیں۔ ہرایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے[۴۳]۔ یہ سب جو کچھ کرتے ہیں، اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ آسمان وزمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

(اے لوگو)، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ بادلوں کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر ان بادلوں کو آپس میں ملا دیتا ہے، پھر ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے اور پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں بارش ٹپکتی چلی آتی ہے۔ وہی اللہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں، اولے بھی برساتا[۴۴] اور پھر جن پر چاہتا ہے، ان اولوں کو برسا دیتا ہے اور جن سے چاہتا ہے، ان کو ہٹا دیتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس بادل کی بجلی کی چمک نگاہوں کو حیران و پریشان کر دے گی۔ رات اور دن کی گردش اسی اللہ نے مقرر کی ہے۔ بے شک، ان سب باتوں میں دل کی آنکھیں کھلی رکھنے والوں کے لیے بڑا عبرت کا سامان ہے۔

اللہ نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا کیا[۴۵]۔ ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں، بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں اور کچھ چار ٹانگوں پر۔ اللہ جو چاہے پیدا کر دیتا ہے۔ بے شک، اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ہم نے اس قرآن میں بالکل واضح آیات نازل کر دی ہیں اور اللہ ہی جس کو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ ۴۱-۴۶

[۴۳] ساری کائنات اللہ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق عمل کر رہی ہے اور اس سے معمولی سا انحراف بھی نہیں کرتی۔ یہی ان کی فرماں برداری ہے۔ کائنات کی ہر چیز اپنے ایک خاص شعور کے ساتھ اللہ کی تسبیح بھی کرتی ہے۔

[۴۴] جب بارش کے قطرے یک دم برف سے ڈھکے پہاڑوں کی طرف سے چلنے والی سرد ہوا کے زیر اثر آتے ہیں، تو یہ قطرے اولوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

[۴۵] جدید سائنس سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ زندگی کی ابتدا پانی اور مٹی کے ایک خاص انداز میں ملاپ کے ذریعے سے پانی کے اندر ہوئی۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾
وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۴۸﴾ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ
مُذْعِنِينَ ﴿۴۹﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ
الظَّالِمُونَ ﴿۵۰﴾ ع إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا ع

عنَا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

زُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ط قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ

رٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا

تُمْ ط وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ط وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ

لُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ

ى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

ى فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

حْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ط وَمَاْوٰهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع

یہ لوگ[46] کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا
۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں۔ جب ان منافقین کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ
ے تو ان میں سے ایک فریق کترا جاتا ہے۔ لیکن اگر (ان کے خیال میں) فیصلہ ان کے حق میں ہونے والا ہو تو پھر رسول کے پاس
ے فرماں بردار بن کر آتے ہیں[47]۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا یہ ابھی شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو اندیشہ ہے کہ اللہ اور
کا رسول ان کے ساتھ ناانصافی کریں گے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔ (اس کے برعکس اصل) اہلِ ایمان کا
ہ تو یہ ہوتا ہے کہ جب بھی ان کو کسی باہمی مقدمے کے فیصلے کے لیے اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا
م نے مانا۔ درحقیقت یہی لوگ فلاح پائیں گے۔ اصل کامیاب وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کر لیں،
سے ڈریں اور پرہیز گاری اختیار کریں۔

(اے نبیؐ)، یہ منافقین اللہ کے نام سے پکی پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو گے تو وہ ضرور (اللہ کی راہ میں) نکلیں گے[48]۔
سے) کہہ دو: ''قسمیں نہ کھاؤ، صحیح اطاعت ہی اصل چیز ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔'' ان سے مزید کہو:

''اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ لیکن اگر تم اس سے منہ پھیرو گے تو یاد رکھو کہ رسول کے لیے صرف وہی ذمہ داری پوری کرنی ہے جو اس پر ڈالی گئی ہے اور تمھیں وہ ذمہ داری پوری کرنی ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔ اُس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے۔ رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ تمھیں دین کی دعوت واضح ترین طریقے سے پہنچا دے۔[۴۹]''

(اے نبیؐ کے سچے ساتھیو)، تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے عملِ صالح کیا، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو اسی طرح اس زمین میں اقتدار بخشے گا، جیسا کہ اس نے (اپنے رسولوں کے فرماں بردار) ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ ان کے لیے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ نے ان کے حق میں پسند فرمایا ہے۔ اللہ ان کی موجودہ خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا، پس وہ میری ہی بندگی کریں اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اگر اس کے بعد پھر کسی نے حق کا انکار کیا تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔[۵۰]

(اے گروہِ صحابہؓ)، نماز کا اہتمام کرو، زکوٰۃ دیتے رہو اور رسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ ان منکرینِ حق کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ یہ اس ملک میں ہمارے قابو سے نکل جائیں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے۔[۵۱] ۴۷-۵۷

[۴۶] اس سورہ کے نزول کے وقت یعنی چھ اور سات ہجری کے لگ بھگ مدینہ میں منافقین کی ایک تعداد موجود تھی۔ آگے کی آیات میں قرآن نے ان کے طرزِ عمل کا جائزہ لیا ہے اور ان کی ذہنیت کا تجزیہ کیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ پچھلے رسولوں کی فرماں بردار قوموں کی طرح حضورؐ کے سچے ساتھیوں کو بھی اس سرزمین میں غلبہ اور کامیابی ملے گی، لیکن اس کامیابی میں منافقین کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے ان آیات میں یہ سبق ہے کہ ہم منافقت کی روش سے بچیں اور سچے مومنوں جیسی زندگی بسر کریں۔ نیز ان آیات سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے انتہائی خراب حالات میں قرآن نے جو دعویٰ کیا، وہ اگلے چار پانچ برس کے اندر اندر مکمل طور پر پورا ہوا اور ساری سرزمین عرب پر اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

[۴۷] حضورؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد میثاقِ مدینہ کی رو سے یہودیوں کو یہ اختیار تھا کہ وہ اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لیے ایسی عدالتیں قائم کرسکتے تھے۔ یہودیوں کی عدالتوں میں رشوت اور سفارش خوب چلتی تھی۔ جب مدینہ کے منافقین کسی ایسے مقدمے میں پھنس جاتے تھے، جس کا فیصلہ انصاف کی رو سے ان کے خلاف ہونے کا امکان ہوتا تھا تو وہ کوشش کرتے کہ دوسرے فریق کو بہلا پھسلا کر یہودیوں کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کرنے پر آمادہ کریں۔ اسی طرح اگر ان کے اپنے درمیان بھی کوئی مقدمہ ہوتا تو وہ اپنے بغض و حسد کے سبب اس کو یہودیوں کی عدالت میں لے جاتے۔ لیکن دوسری طرف ان کی مفاد پرستی اور خود غرضی کا یہ حال تھا کہ اگر ان کے خیال میں حضور کی عدالت میں مقدمے کا فیصلہ ان کے حق میں ہونے کا امکان زیادہ ہوتا تو پھر اپنے مقدمے کو حضور کی عدالت میں پیش کرنے پر اصرار کرتے۔ قرآن نے یہاں منافقین کے اس طریقے کو انکارِ ایمان کے مترادف قرار دیا ہے۔

[۴۸] یہاں نکلنے سے مراد قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلنا ہے۔

[۴۹] قرآن مجید نے مدنی سورتوں میں بھی یہ بات بار بار وضاحت سے بیان کی ہے کہ رسول کا اصل کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ جہاں تک سرزمین عرب پر اسلام کے غلبے کی بات ہے تو اس کی ذمہ داری اللہ کی ہے اور وہی اس کے لیے حالات سازگار فرمائے گا۔

[۵۰] درج بالا آیات میں قرآن مجید نے ایک دفعہ پھر حضورؐ کے ساتھیوں کے ساتھ کیے گئے اس وعدے کو دہرایا ہے کہ جس طرح اللہ نے اس سے پہلے بھی اپنے رسولوں کی فرماں بردار قوموں کو اسی دنیا میں نافرمانوں پر غلبہ دیا تھا، بالکل اسی طرح حضورؐ کے سچے ساتھیوں کو بھی اس سرزمین عرب میں غلبہ ملے گا۔ واضح رہے کہ قرآن مجید کے مطابق اس غلبے کا وعدہ صرف اور صرف رسول کے ساتھیوں سے ہوتا ہے۔ یہ وعدہ عام مسلمانوں حتیٰ کہ نبیوں سے بھی نہیں ہوتا۔ عام مسلمانوں کو تو دنیا کے عام قانون آزمایش کے تحت کبھی غلبہ ملتا ہے اور کبھی وہ محکوم بن جاتے ہیں۔ لیکن رسول کی حیثیت اس سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ رسول جب اتمام حجت کر لیتا ہے تو قیامت کے دن لگنے والی عدالت کچھ دیر کے لیے اسی دنیا میں بھی لگا لی جاتی ہے اور رسولؐ کے مخالفین کو اس عدالت سے سزا کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔ ایسا اس لیے کیا جاتا ہے کہ آنے والی نسلیں اس کو یاد رکھیں اور فرماں برداری کی روش اختیار کریں۔

لفظ خلافت کے تین معنی ہیں۔ کسی کا نائب ہونا، جانشین ہونا یا اختیار و اقتدار کا حامل ہونا۔ یہاں یہ لفظ اسی تیسرے معنی میں ہے۔

ان آیات کے نزول کے وقت مسلمان حالت خوف یعنی مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ ہر طرف دشمن تھے جو اہل ایمان کو جڑ سے اکھاڑنے کے درپے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید نے یہ وعدہ کیا کہ مسلمانوں کی یہ حالت خوف ختم ہو جائے گی اور ان کے اقتدار کے زیر سایہ ساری سرزمین عرب کو امن نصیب ہو جائے گا۔

[۵۱] یہاں ایک دفعہ اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ منکرین حق اس سرزمین میں ہمارے قابو سے باہر نہیں نکل سکتے۔ رسول کی موجودگی میں آپ کی رسالت سے انکار کی پاداش میں انھیں دنیا کے اندر بھی سزا دی جائے گی اور قیامت کے دن بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ ط مِن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ قف ثَلَاثُ
عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ط طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ كَذَٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ
الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ط كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا
يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ط وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ط
وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾ لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ
أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ
مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ط فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ
أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾ إِنَّمَا ع
الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ
الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ج فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ
مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ط إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ
بَعْضًا ط قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ج فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ
أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ط وَيَوْمَ
يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾ ع ۹ ۲ ۱۵

[۵۲] اے اہلِ ایمان، یہ لازم ہے کہ تمھارے مملوک اور تمھارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمھارے پاس آیا کریں: ایک نمازِ فجر سے پہلے، دوسرے دوپہر کو، جبکہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو، اور نمازِ عشا کے بعد۔ کیونکہ یہ تین اوقات تمھارے لیے پردے کے اوقات ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ اگر وہ تمھارے پاس بلا اجازت آئیں تو اس میں تمھارے لیے اور ان کے لیے کوئی برائی نہیں، کیونکہ تمھیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے۔[۵۳] اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کی مزید وضاحت کرتا ہے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ جب تمھارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو ضروری ہے کہ وہ بھی اسی طرح اجازت لے کر تمھارے پاس آئیں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے۔[۵۴] وہ علیم و حکیم ہے۔

[۵۵] عورتوں میں سے بڑی بوڑھیاں جو اب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں، اگر اپنے دوپٹے اتاریں تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ تاہم اگر وہ بھی احتیاط کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس [56] بات میں کوئی تنگی نہیں کہ کوئی نابینا، لنگڑا یا مریض کسی کے گھر سے کھا لے۔ اسی طرح تمھارے اوپر بھی اس بات میں کوئی تنگی نہیں کہ تم اپنی، اپنے باپ دادا، اپنی ماں نانی، اپنے بھائیوں، اپنی بہنوں، اپنے چچاؤں، اپنی پھوپھیوں، اپنے ماموں، اپنی خالاؤں، اپنی نگرانی کے تحت والے لوگوں یا اپنے دوستوں کے گھروں میں کھاؤ پیو، خواہ اکٹھے ہو کر یا الگ الگ[57]۔ بس اس بات کا خیال رکھو کہ جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو، کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے[58]۔ اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔

مومن [59] تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور جب کسی اجتماعی معاملہ میں رسول کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لیے بغیر وہاں سے نہیں جاتے۔ اے نبیؐ، جو لوگ تم سے اجازت لے کر جاتے ہیں وہی اللہ اور رسول کے اصل ماننے والے ہیں۔ اس لیے جب وہ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے تم سے اجازت مانگیں تو تم جسے چاہو اجازت دے دیا کرو اور ان لوگوں کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دعا کرو۔ یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔

اے اہلِ ایمان، تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا مت سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے (رسولؐ کی محفل سے) کھسک جاتے ہیں[60]۔ رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آزمایش نہ آ جائے یا کوئی سخت سزا ان کو آ پکڑے[61]۔ تم سب لوگ خبردار رہو کہ آسمان و زمین میں سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ تم جس حال پر ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ جس دن سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو اللہ انھیں بتا دے گا کہ انھوں نے کیا اعمال کیے ہیں۔ اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے[62]۔ ۵۸-۶۴

[۵۲] یہاں سے آگے کچھ توضیحی آیات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب معاشرتی آداب سے متعلق سورۂ نور کی ہدایات نازل ہوئیں تو لوگوں کے ذہن میں اس سے متعلق کچھ سوالات پیدا ہوئے۔ جب انھوں نے یہ سوالات حضور کی خدمت میں پیش کیے تو ان میں سے اہم سوالات کا جواب خود قرآن مجید نے دے دیا۔ ان میں پہلا سوال یہ تھا کہ کیا مملوکوں، قریبی خادموں اور چھوٹے بچوں کو بھی ہر وقت اجازت لے کر میاں بیوی کے کمرے میں آنا چاہیے۔ اس سوال کا جواب آگے کی آیات میں قرآن مجید نے دے دیا۔

[۵۳] 'عورات' کا مطلب ہے: خلل، خطرہ، بے تکلفی۔ اردو زبان میں اس لفظ کو خواتین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ عربی زبان میں اسے خواتین کے لیے قطعاً استعمال نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے کہا کہ جو اوقات میاں بیوی کے بے تکلفی کے اوقات ہوں، ان میں چھوٹے بچوں اور خادموں کو بھی بغیر اجازت کے اندر نہیں آنا چاہیے۔ واضح رہے کہ جب قرآن مجید کسی ہدایت کے ساتھ اس کے مقصد کو بھی بیان کر دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر فرد اس مقصد کے لحاظ سے اس ہدایت کو اپنے اوپر لاگو کرے، مثلاً اگر کسی جگہ دوپہر کو قیلولہ نہیں کیا جاتا تو وہاں دوپہر کے وقت اس پابندی کی ضرورت نہیں ہے۔

[۵۴] جب بھی قرآن مجید لوگوں کے سوالات کا جواب دیتا ہے تو وہ یہ فقرہ استعمال کرتا ہے کہ ان آیات میں تمھارے سوال کے جواب میں تمھارے لیے بات کو واضح کیا جا رہا ہے۔

[۵۵] اسی ضمن میں دوسرا سوال یہ اٹھا کہ خواتین کے لیے سینے اور گریبان پر دوپٹا ڈالنے کی جو ہدایت ہے، کیا یہ بوڑھی خواتین کے لیے بھی ہے؟ اس کا جواب قرآن مجید نے آگے کی آیت میں دیا کہ اگر وہ دوپٹا نہ اوڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم انھیں بھی زینت کی نمایش نہیں کرنی چاہیے۔

[۵۶] لوگوں کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرا کہ مرد و خواتین اس سورہ کی آیات نمبر ۲۷-۳۱ کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں اور گفتگو کر سکتے ہیں، لیکن کیا ایسے موقع پر مرد اور خواتین مل کر کھانا بھی کھا سکتے ہیں؟ اسی ضمن میں دوسرا سوال یہ اٹھا کہ سوسائٹی میں کئی ایسے معذور افراد مثلاً نابینا، لنگڑے یا مستقل مریض بھی ہوتے ہیں جن کا کوئی قریبی رکھوالا نہیں ہوتا تو کیا ان کو اپنے گھر والوں میں اپنے اہل خانہ کی طرح رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

[۵۷] یہاں قرآن مجید نے اس بات کو واضح کر دیا کہ کوئی بھی معذور یا مستقل مریض، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، کسی بھی دوسرے فرد کے گھر میں بالکل اس گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے رہ سکتا ہے اور اس گھر کے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا بھی کھا سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ ہر مرد اور ہر خاتون اپنے قریبی رشتہ داروں، اپنے زیر تولیت لوگوں اور اپنے دوست احباب کے گھروں میں کھانا بھی کھا سکتے ہیں، خواہ سب لوگ مل کر کھائیں یا مرد الگ کھانا کھائیں اور خواتین الگ کھانا کھائیں۔ یہاں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک انسان جب اپنے کسی رشتہ دار یا دوست کے ہاں کھانا کھائے گا یا کھائے گی تو صاحب خانہ کے بیوی بچے بھی اس وقت موجود ہوں گے۔ گویا یہ سب خاندان مل کر گفتگو کر سکتے ہیں، کھانا کھا سکتے ہیں اور مہذب دائرے کے اندر ہر تفریح بھی کر سکتے ہیں۔

[۵۸] سلام کرنا اسلامی معاشرت کا ایک اہم جز ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جائے تو بھی سلام کرے۔

[۵۹] یہاں سے آگے کی آیات میں ایک خاص طرز عمل کے متعلق صحیح اہل ایمان اور منافقین کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ ہمارے لیے ان آیات کی اہمیت یہ ہے کہ ایک تو ہمیں ان آیات سے اس وقت کی صورت حال کے بارے میں علم ہو جاتا ہے اور دوسرے ہم یہ بھی جان لیتے ہیں کہ ہمارے دین میں ہمارے حضورؐ کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ ان کی حیثیت عام مسلمانوں یا مسلمانوں کے حکمرانوں جیسی نہیں ہے، بلکہ ان کی حیثیت ان سے بہت بلند و برتر ہے۔ دین کے معاملے میں ان کی کسی بات سے انکار کیا جائے تو یہ ایمان کے منافی حرکت ہے۔

[۶۰] جب حضورؐ لوگوں کو کسی مقصد کے لیے بلاتے تھے تو مومنین صادقین اس وقت تک محفل سے نہیں ہٹتے تھے جب تک محفل برخواست نہ ہو جاتی اور یا حضورؐ خود ہی کسی کو جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس کے برعکس منافقین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ ذمہ داریوں سے بچنے کی خاطر آہستہ آہستہ پیچھے کھسکتے رہتے اور بغیر اجازت لیے محفل سے غائب ہو جاتے۔

[۶۱] یعنی منافقین کا یہ طرز عمل ان کو عذاب کا مستحق بنا دے گا۔

[۶۲] اس آیت پر اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ قرآن مجید کے تیسرے گروپ کا بھی اختتام ہوتا ہے۔

چوتھی منزل

سورۂ فرقان ۲۵ تا سورۂ احزاب ۳۳

سورۂ فرقان سے قرآن مجید کی سورتوں کا چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس میں پہلی آٹھ سورتیں مکی ہیں اور آخری ایک سورہ یعنی ''احزاب'' مدنی ہے۔ باقی گروپوں کی طرح اس گروپ میں بھی سورتوں کی ترتیب نزولی ہے۔

سورتوں کے اس گروپ میں دین کے سارے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت پر بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح اس گروپ میں حضورؐ کی سرگزشت رسالت کے تینوں ادوار یعنی دعوت، ہجرت اور ریاستی امور زیر بحث آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر سورہ میں انفرادی و اجتماعی اخلاقیات کے مختلف پہلوؤں کو بھی سامنے لایا گیا ہے۔ اس گروپ کی آخری سورہ یعنی ''احزاب'' میں بحیثیت رسولؐ حضورؐ کے خصوصی منصب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ حضورؐ کی بیویوں یعنی امہات المومنین کا بھی ایک خصوصی مقام ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کے پیش نظر رہنا چاہیے۔

اس چوتھے گروپ کا اسلوب، انداز اور استدلال باقی گروپوں سے تھوڑا سا مختلف ہے۔ اس گروپ میں حضورؐ اور آپؐ کی جدوجہد کے حوالے سے جو معلومات اور تجزیہ ہمارے سامنے آتا ہے، اس سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضورؐ سلسلۂ رسالت و نبوت کی آخری کڑی تھے۔ اس طرح قرآن مجید کی سورتوں کا یہ چوتھا گروپ ہمارے ایمان اور علم، دونوں میں اضافہ کرتا ہے۔

سورۂ فرقان

[۲۵]

نام

اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، اس لیے بطور علامت اس سورہ کو ''سورۂ فرقان'' کہا جاتا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ حضورؐ پر مکی دور کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی۔ اس سورہ میں دین کے سارے بنیادی عقائد زیر بحث آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مخالفین کے اعتراضات کو نقل کر کے ان کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اس سوال و جواب کے ضمن میں درمیان میں دین کی انتہائی اہم حقیقتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سورہ میں لفظ 'رحمان' کا تذکرہ کئی مرتبہ کیا گیا ہے اور اللہ کی اس بہت بڑی صفت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴿١﴾ نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿٢﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ
اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا
نُشُوْرًا ﴿٣﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ نِ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا
وَّزُوْرًا ﴿٤﴾ وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿٥﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿٦﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ
اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ﴿٧﴾ اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ
اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿٨﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿٩﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

نہایت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر حق وباطل کے درمیان امتیاز کرنے والی یہ کتاب نازل کی تا کہ وہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کرنے والا بنے[1] اسی اللہ کے قبضۂ قدرت میں آسمان وزمین کی بادشاہی ہے، اس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا، اس کی بادشاہی میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کا ایک خاص اندازہ ٹھہرایا[2]۔ ان لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ خود مخلوق ہیں، جو خود اپنے لیے بھی کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتے، نہ ان کو موت پر کوئی اختیار ہے نہ زندگی پر اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر۔

یہ حق کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) محض ایک جھوٹ ہے جسے اس شخص نے اپنے آپ سے گھڑ لیا ہے اور کچھ

دوسرے لوگوں نے بھی اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ ان منکرینِ حق نے یہ کہہ کر ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا۔ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو محض اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھوائے ہیں اور ان کی تعلیم اسے صبح و شام دی جاتی ہے [۳]۔ اے نبیؐ، ان سے کہو: ''اس قرآن کو اس ہستی نے نازل کیا ہے جو آسمان و زمین کے سارے راز جانتی ہے۔ بے شک، وہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔''

(یہ منکرینِ حق) کہتے ہیں: ''یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور لوگوں کو ڈراتا؟ اس شخص کے لیے کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ اپنی معاش حاصل کرتا۔'' ان ظالموں نے (اسلام قبول کرنے والوں سے یہ بھی) کہا کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کے پیچھے لگ گئے ہو۔

اے نبیؐ، دیکھو یہ منکرینِ حق تمھارے متعلق کیا کیا باتیں کر رہے ہیں۔ یہ ایسے بہک گئے ہیں کہ اب کوئی ٹھکانے کی بات ان کو نہیں سوجھتی۔ ۱-۹

[۱] فرقان کا مطلب ہے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کسوٹی۔ گویا ہمارے دین میں ہر معاملے میں اصل فیصلہ کن حیثیت قرآن مجید کو حاصل ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ حضورؐ کی دعوت ساری انسانیت کے لیے ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ حضورؐ آخری نبی ہیں۔ یہی بات اس گروپ کی آخری سورہ یعنی ''احزاب'' میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

[۲] یعنی کائنات کی ہر چیز کے لیے اٹل قوانین اور ضابطے مقرر کیے۔ اب انھی قوانین کے مطابق کائنات کی ہر چیز قائم ہے۔

[۳] حضورؐ کی دعوت کے ابتدائی دنوں میں مخالفین یہ الزام لگاتے تھے کہ کچھ لوگ اس شخص کو یہ چیزیں سکھا پڑھا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ چند افراد کا نام بھی لیتے تھے، مثلاً سلمان فارسیؓ، ابوفکیہہ رومیؓ وغیرہ۔ یہ سب لوگ بیرونی ممالک سے آئے ہوئے وہ غلام تھے، جن کو ان کے مالکوں نے آزاد کردیا تھا۔ یہ الزام اتنا بے بنیاد تھا کہ قرآن مجید نے اس کا جواب دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مکے کے ظالم سرداروں کے لیے یہ کوئی مشکل نہ تھا کہ وہ ان غریب، کمزور اور بے آسرا لوگوں کے گھروں پر چھاپہ مار کر یہ کتابیں برآمد کرلیتے۔ جن لوگوں پر یہ الزام لگایا جارہا تھا، ان میں سے کسی کی مادری زبان عربی نہیں تھی۔ یہ سب انتہائی پرخلوص مسلمان تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک بناوٹی اور جھوٹی نبوت پر یہ لوگ خود گہری عقیدت کے ساتھ ایمان لائیں اور اس کے لیے سختیاں برداشت کریں۔ اس سے بھی عجیب تر بات یہ تھی کہ اہلِ ایمان کی صف میں ان لوگوں کا کوئی نمایاں کردار بھی نہیں تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ نبوت کا کاروبار تو ان کے بل بوتے پر چلے اور حضورؐ کے دست راست دوسرے لوگ بنیں۔ اگر اس الزام میں کوئی معمولی سی سچائی بھی ہوتی تو یہ چیز حضورؐ کے قریب ترین ساتھیوں سے مخفی نہیں ہوسکتی تھی اور اس صورت میں اس بات کا کوئی امکان نہ ہوتا کہ وہ حضورؐ پر ایمان لائیں۔ ان وجوہات کی بنا پر قرآن مجید نے منکرینِ حق کے اس اعتراض کا جواب دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَیَجْعَلْ لَّكَ
قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ
سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا
الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ
لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَیَوْمَ
یَحْشُرُهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۱۷﴾ؕ
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى
نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ
یَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ
وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا ﴿۲۰﴾

(اے نبیؐ)، وہ ذات بڑی بابرکت ہے اور وہ چاہے تو تمھیں اس سے بھی کہیں زیادہ بہتر چیزیں بخش دے۔ مثلاً ایسے باغ جن میں نہریں جاری ہوں یا بڑے بڑے محل[1]۔

اصل بات یہ ہے کہ ان منکرینِ حق نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے۔ جو بھی اس گھڑی کو جھٹلائے، اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جب یہ آگ دور ہی سے ان کو دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سن لیں گے۔ جب ان سب کو اس دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں باندھ کر ڈالا جائے گا تو اس وقت وہ اپنی موت کی آرزو کرنے لگیں گے۔ (اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک ہلاکت کو نہ پکارو، بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔

(اے نبیؐ)، لوگوں سے پوچھ لو کہ کیا یہ انجام اچھا ہے یا وہ ہمیشہ کی جنت، جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے؟ وہ جنت ان کے

عمل کی جزا اور ان کا ٹھکانا ہوگی۔ یہاں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ یہ تیرے رب کا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

یہ وہی دن ہوگا جب اللہ ان لوگوں اور ان کے ساتھ ساتھ ان معبودوں[5] کو بھی اکٹھا کرلے گا جن کی (آج) یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کررہے ہیں، پھر اللہ اُن معبودوں سے پوچھے گا: ''کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود سیدھے راستے سے بھٹک گئے تھے؟'' وہ جواب دیں گے: ''تیری ذات پاک ہے۔ ہمیں یہ حق کہاں تھا کہ ہم تیرے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنائیں۔ دراصل تو نے اِن کو اور اِن کے آباواجداد کو دنیا کی خوب مال و دولت دی، یہاں تک کہ یہ لوگ تیری یاد بھلا بیٹھے اور یوں شامت زدہ ہو کر رہے۔'' یوں جھٹلا دیں گے وہ (تمھارے معبود) تمھاری ان باتوں کو جو آج تم کہہ رہے ہو۔ پھر نہ تم اپنی سزا کو ٹال سکو گے اور نہ کہیں سے مدد پاسکو گے۔ تم میں سے جو بھی ظلم کرے گا، اسے ہم ایک سخت عذاب چکھائیں گے۔

(اے نبیؐ)، تم سے پہلے جتنے رسول بھی ہم نے بھیجے، وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ (ان سے کہو کہ) ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے تو بولو کہ کیا تم (اس آزمائش پر) صبر کرتے ہو؟[6] تمھارا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ۱۰-۲۰

[۴] اگر پروردگار چاہے تو اپنے پیغمبر کو یہ سب کچھ دے سکتا ہے، لیکن یہ بات انسانوں کے قانون آزمائش کے خلاف ہے۔

[۵] یہاں معبودوں سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کے فوت ہوجانے کے بعد مشرکین نے ان کی پرستش شروع کردی۔ اس سے مراد وہ فرشتے بھی ہیں جن کی عبادت مشرکین کرتے ہیں۔

[۶] اس دنیا میں سب لوگ ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا سبب ہیں۔ حضورؐ کے زمانے میں آپؐ پر ایمان لانے والوں کی اکثریت غریب طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس پر سرداران قریش اعتراض کرتے تھے کہ ان غلاموں اور نچلے طبقے کے لوگوں کے ساتھ ہم ایک ہی صف میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟ یوں ان کا متکبرانہ ذہن اور غریب لوگوں کا قبول اسلام ان مشرکین کے لیے ایک آزمائش بن گیا۔

[پارہ نمبر 19]

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ
مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ط
وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ
الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ط
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ط وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مع لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج كَذٰلِكَ ج لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ
اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا
ع وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع

جو لوگ ہمارے سامنے (قیامت کے دن) پیش ہونے کا اندیشہ نہیں رکھتے، وہ کہتے ہیں: ”ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے؟ یا پھر ہم خود ہی اپنے رب کو دیکھ لیتے۔“ ان لوگوں نے اپنے دل میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بڑی اکڑ دکھائی۔ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے، وہ دن مجرموں کے لیے کسی بشارت کا دن نہ ہوگا۔ (اُس دن) وہ چیخ اٹھیں گے کہ ہمیں اس دن سے پناہ دے دی جائے۔ (اُس دن) ہم ان کے کیے ہوئے ہر عمل کی طرف بڑھیں گے اور اسے غبار کی طرح اڑا دیں گے۔

اُس دن اہل جنت بہترین ٹھکانے میں ٹھہریں گے اور نہایت خوب آرام گاہ میں ہوں گے۔ آسمان کو چیرتا ہوا ایک بادل اُس روز نمودار ہوگا اور فرشتے صف در صف اتار دیے جائیں گے۔ اس روز حقیقی بادشاہی صرف اس رحمٰن کی ہوگی۔ منکرین کے لیے وہ بڑا ہی کٹھن دن ہوگا۔ اس دن اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا انسان حسرت سے اپنا ہاتھ چبائے گا اور کہے گا: ”کاش، میں نے رسول کا بتایا ہوا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی، کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اسی نے مجھے گمراہ کر کے اس نصیحت سے میرا منہ موڑا۔ کیا جو میرے پاس آچکی تھی۔ یقیناً شیطان انسان کے لیے بڑا ہی بے وفا نکلا۔“ (اُس وقت) رسول کہے گا: ”اے میرے رب،

میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو کوئی چیز ہی نہ سمجھا تھا۔"[8]

(اے نبیؐ)، ہم نے اسی طرح مجرموں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے اور تمھارے لیے تمھارا رب ہی رہنمائی اور مدد کے لیے کافی ہے۔

یہ منکرینِ حق کہتے ہیں: "اس شخص پر پورا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا۔" (اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں)، ہم نے ایسا ہی کیا تا کہ اے نبیؐ، اس کے ذریعے سے ہم تمھارے دل کو مضبوط کریں اور ہم ہی نے اس قرآن کو ایک تدریج اور اہتمام کے ساتھ اتارا ہے۔ (اس کے درجہ بدرجہ نزول میں یہ مصلحت بھی ہے کہ) یہ لوگ جو اعتراض بھی اٹھائیں گے، ہم اس کا صحیح جواب اور اس کی بہترین توجیہ تمھیں بتا دیں گے۔[9]

جو لوگ اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے، ان کا موقف بہت بُرا اور ان کی راہ حد درجہ غلط ہے۔ ۲۱-۳۴

[۷] رسولؐ کے مخالفین کے بظاہر کچھ اچھے اعمال بھی دراصل دکھاوے اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو ہٹانے کے لیے ہوتے ہیں، اس لیے ایسے اعمال بھی قیامت کے دن ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔

[۸] یعنی ان لوگوں نے اللہ کے فرمانوں کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

[۹] مخالفین اسلام یہ الزام لگاتے تھے کہ اس کتاب کی تیاری میں کچھ دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ چنانچہ جتنی مقدار میں وہ اس قرآن کو تیار کر پاتے ہیں اتنا ہی اس شخص کو سکھا دیتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوتی تو پوری کتاب بیک وقت کیوں نہیں نازل کی گئی۔ قرآن مجید نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس کے آہستہ آہستہ اترنے سے مسلمانوں کی بروقت رہنمائی ہوتی ہے اور اس طرح ان کے دل مضبوط ہو جاتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ اس کتاب کو آہستہ آہستہ اتارا جائے تا کہ حضورؐ کے ساتھیوں کو اسے سیکھنے کے لیے مناسب وقت مل سکے۔ اس کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ اس دعوت و تبلیغ کے درمیان میں مخالفین کے وقتاً فوقتاً اٹھائے گئے تمام اعتراضات کا جواب دیا جا سکے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ
وَّاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا
ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا

يَرَوْنَهَا ج بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ط اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ
رَسُوْلًا ﴿٤١﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ط وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ
اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ
يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ط اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٤﴾ ع

ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارونؑ کو اس کا مددگار بنایا۔ ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم دونوں اس قوم کی طرف جاؤ جس نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے[10]۔ آخر کار ان لوگوں (یعنی فرعون والوں) کو ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا۔ جب نوحؑ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو بھی غرق کر دیا اور انھیں دنیا والوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا۔ اِن ظالموں کے لیے ہم نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔ اسی طرح عاد، ثمود، اصحاب رس[11] اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کر ڈالا۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے (پہلے تباہ ہونے والوں کی) مثالیں دے دے کر سمجھایا (پھر جب انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا تو) بالآخر ہم نے ہر ایک کو نیست و نابود کر دیا[12]۔

اے نبیؐ، تیرے مخالفین اس بستی کے پاس سے گزر چکے ہیں جس پر تباہی کی بارش برسائی گئی تھی۔ کیا انھوں نے اس کا حال نہیں دیکھا؟[13] اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ موت کے بعد دوسری زندگی کی توقع ہی نہیں رکھتے۔

اے نبیؐ، جب یہ منکرینِ حق تمھیں دیکھتے ہیں تو تمھارا مذاق بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''کیا یہی ہے وہ شخص جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اس شخص نے تو ہمیں گمراہ کر کے اپنے معبودوں سے ہمارا منہ موڑ ہی دیا ہوتا اگر ہم اپنے عقیدے پر جم نہ گئے ہوتے۔'' بہت قریب ہے وہ وقت جب یہ منکرین حق اس سزا کو دیکھ لیں گے اور اس وقت وہ جان جائیں گے کہ کون گمراہی میں دور نکل گیا ہے[14]۔

(اے نبیؐ، کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا ہے) جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ کیا ایسے شخص کے تم ذمہ دار ہو سکتے ہو؟ کیا تمھارا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ (ایسا نہیں ہے) یہ تو بس چوپایوں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے[15]۔ ۳۵-۴۴

[۱۰] اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ اور ان کے ساتھیوں کی تبلیغ سے آل فرعون نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ وہ دوبارہ شرک کی

طرف لوٹ گئے۔

[۱۱] رس عربی زبان میں اندھے کنوئیں کو کہتے ہیں۔ یہ قوم بھی ان تباہ شدہ اقوام میں شامل تھی جس کی طرف اللہ نے اپنا رسول بھیجا، لیکن قوم نے اس کو جھٹلایا۔ زمانۂ جاہلیت کے شعرانے وادیٔ رس کا ذکر کیا ہے۔ ہمارے پاس اس سے زیادہ تاریخی معلومات نہیں ہیں۔

[۱۲] درج بالا مثالوں کے ذریعے سے مکی دور کی بالکل ابتدا ہی میں مخالفین اسلام کو متنبہ کردیا گیا کہ اگر وہ حضورؐ کی دعوت کو جھٹلاتے چلے جائیں گے تو انھیں اس دنیا میں بھی سزا دی جائے گی۔ کیونکہ یہ اللہ کا قانون ہے کہ رسول کے براہ راست مخالفین کو اس دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے۔

[۱۳] یہ اشارہ قوم لوطؑ کی بستی کی طرف ہے۔ جب قریش کے تجارتی قافلے فلسطین اور شام کی طرف جاتے تھے تو اس علاقے سے گزرتے تھے اور اس بستی کی تباہی کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

[۱۴] یہاں قرآن مجید نے بالکل واضح الفاظ میں حضورؐ کے مخالفین کو وارننگ دی ہے کہ اگر وہ حق کی اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے تو بہت جلد اسی دنیا میں ان کو سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ واضح رہے کہ یہ وارننگ مکی دور کی بالکل ابتدا میں دی گئی۔ یہ تنبیہ مکمل طور پر پوری ہوئی اور اس طرح یہ قیامت تک کے لیے رسالت محمدیؐ کی دلیل بن گئی۔

[۱۵] جب مخالفین اسلام بے سروپا اعتراضات کے ذریعے سے اسلام کا مذاق اڑاتے تھے اور حضورؐ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے تو حضورؐ ان کے انجام کے متعلق بہت غم زدہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا حضورؐ کے لیے اس طرح تسلی کے الفاظ نازل ہوئے۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ رسولؐ کی مخالفت پر صرف وہی لوگ مستقل جمے رہتے ہیں جو جانوروں کی طرح اپنی خواہشات نفس کے غلام بنے رہتے ہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو اپنے عقل و شعور کو استعمال کرتے ہیں، ان کو کسی نہ کسی مرحلے پر حق کی دعوت قبول کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ
قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ
نُشُورًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۴۸﴾ لِنُحْيِيَ
بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَىٰ أَكْثَرُ
النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا
كَبِيرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا
مَحْجُورًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۴﴾

اے لوگو، کیا تم نے اپنے رب کی اس قدرت کی طرف توجہ نہیں کی کہ تمھارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اس سایے کو مستقل بنا دیتا۔ پھر ہم سورج کو اس سایے کے لیے ایک دلیل بناتے ہیں اور اس طرح ہم اس سایے کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

وہی اللہ ہے جس نے تمھارے لیے رات کو پردہ پوش، نیند کو سکون کا باعث اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا۔ وہی اللہ ہے جو اپنی رحمت کی بارش سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے۔ پھر ہم آسمان سے بارش کا پاکیزہ پانی نازل کرتے ہیں تا کہ اس سے مردہ زمین کو زندگی بخشیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو پلائیں۔

ہم نے اپنی قدرت کو ان کے سامنے طرح طرح سے واضح کر دیا ہے تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں، لیکن ان میں اکثر[16] لوگ ناشکری ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک خبردار کرنے والا (پیغمبر) بھیج دیتے[17]۔ پس اے نبیؐ، تم ان ناشکروں کی بات کا دھیان نہ کرو اور اس (قرآن) کے ذریعے سے ان کے ساتھ ''جہادِ کبیر''[18] کرو۔

وہی اللہ ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا رکھا ہے۔ ایک کا پانی لذیذ اور خوش گوار اور دوسرے کا پانی تلخ اور نمکین۔ ان دونوں دریاؤں کے درمیان اللہ نے ایک پردہ اور ایک مضبوط رکاوٹ کھڑی کی ہوئی ہے۔

وہی اللہ ہے جس نے پانی سے انسانوں کو پیدا کیا اور پھر ان کو نسب اور سسرال کے رشتوں سے جوڑا[19]۔ یقیناً تیرا رب بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔ ۴۵-۵۴

[۱۶] قرآن مجید میں 'اکثر' کا لفظ مطلق اکثریت کے لیے نہیں، بلکہ کثیر تعداد کے لیے آتا ہے۔

[۱۷] یعنی اگر تمھارے اکیلے ہونے کی وجہ سے اس دعوت کے کام میں کسی کمی کے رہ جانے کا اندیشہ ہوتا تو ہم ہر بستی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے۔ ہمارے لیے یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ لیکن کمی تمھاری طرف سے نہیں ہے، بلکہ ساری خرابی خود ان منکرین کے اپنے اندر ہے۔

[۱۸] چونکہ یہ مکی سورہ ہے، اس لیے یہاں 'جہاد' کا لفظ خالصتاً پرامن جدوجہد کے لیے استعمال ہوا ہے۔ واضح رہے کہ جنگ کے لیے ریاست کی موجودگی اور ذمہ داری ایک لازمی شرط ہے۔ مکی دور میں مسلمانوں کے پاس ریاست نہیں تھی اس لیے جنگ ممنوع تھی۔ اس کو 'جہاد کبیر' اس لیے کہا گیا کہ غیر مسلموں کو قرآن مجید کے ذریعے سے دین کی دعوت پہنچانا ایک بڑا جہاد ہے۔

[۱۹] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سسرالی رشتوں کا بھی ایسا ہی خیال رکھنا چاہیے جیسا انسان اپنے نسبی رشتوں کا رکھتا ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿٥٥﴾ وَمَآ
اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ
سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٨﴾
الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ مع
خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ ۚ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿٦٠﴾ السجدة
تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾

(اے نبیؐ)، یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جو نہ انھیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کوئی نقصان۔ یہ حق کا انکار کرنے والے اپنے رب کے باغی بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے تو تم کو بس ایک خوش خبری دینے والا اور ایک آگاہ کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم کہہ دو: ''میں تم سے اس کام پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ (میری اجرت) بس یہی ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب تک پہنچانے والا راستہ اختیار کر لے۔''

(اے نبیؐ)، اس اللہ پر بھروسا رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ وہی اللہ اپنے بندوں کے گناہوں سے آگاہ رہنے کے لیے کافی ہے۔ اسی اللہ نے چھ ادوار[20] میں آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔ پھر وہ عرش (یعنی کائنات کے تختِ سلطنت) پر جلوہ فرما ہوا[21]۔ وہی رحمٰن ہے۔ اس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو[22]۔

جب ان (مشرکین) سے کہا جاتا ہے کہ اُس رحمٰن کو سجدہ کرو تو یہ جواب دیتے ہیں: ''رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کا حکم تم ہمیں دیتے ہو۔'' (اسلام کی) یہ (دعوت) ان مشرکین کی نفرت میں الٹا اور اضافہ کر دیتی ہے[23]۔

بڑا برکت والا ہے وہ اللہ جس نے آسمان میں برج بنائے[24] اور اس میں ایک چراغ (یعنی سورج) اور ایک چمکتا چاند بنایا۔ وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد آنے والا بنایا۔ (توحید کی یہ نشانیاں) ان کے لیے ہیں جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں یا

شکر گزار بننا چاہیں۔۵۵-۶۲

[۲۰] یعنی اپنے مخالفین کا معاملہ اپنے رب کے حوالے کرو۔ وہ ان کے تمام جرائم سے پوری طرح باخبر ہے۔

[۲۱] یہ کائنات کسی اتفاقی حادثے کے طور پر وجود میں نہیں آئی، بلکہ اس کے خالق نے اس کو نہایت اہتمام کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد وہ خالق کسی گوشے میں نہیں جا بیٹھا، بلکہ عملاً سارے انتظام کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس کائنات میں جو بھی ارتقا ہوا ہے وہ بھی خالق کی تدبیر اور حکمت سے ہوا ہے۔

[۲۲] یہاں 'جاننے والے' سے مراد خود اللہ ہے۔ یعنی وہی خالق کائنات خود انسانوں کو اپنی ساری صفات بیان کر سکتا ہے۔

[۲۳] سرزمین عرب کے اہل کتاب اللہ کے لیے عموماً 'رحمٰن' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ اہل عرب بھی کبھی کبھی یہ لفظ استعمال کرتے تھے، لیکن جب قرآن مجید میں اللہ کے لیے 'رحمٰن' کا لفظ بار بار استعمال کیا جاتا تھا تو مشرکین اس کے ذریعے سے لوگوں کو قرآن مجید سے یہ کہہ کر بدگمان کرتے تھے کہ دراصل اس کتاب کی تصنیف میں بعض اہل کتاب بھی شریک ہیں۔ اس طرح یہ لوگ عوام کے قومی اور مذہبی، دونوں ہی قسم کے جذبات میں اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہاں قرآن مجید نے اس حماقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

[۲۴] جدید سائنس کی وجہ سے آج ہم جانتے ہیں کہ خلا میں بے شمار متعین راستے اور رکاوٹیں ہیں۔ یہ راستے اور رکاوٹیں مختلف کہکشاؤں، ستاروں اور سیاروں کی کشش ثقل کے ایک دوسرے پر اثرات کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں۔ غالباً یہی 'برج' ہیں۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ
يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ
غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ
قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا
يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ
تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾
وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

(اے اہلِ ایمان)،[۲۵] اس رحمٰن کے اصل بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں،[۲۶] جب جاہل لوگ ان سے الجھتے ہیں تو ان

کو سلام کر کے رخصت ہو جاتے ہیں[27]، جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں اور جو دعا کرتے رہتے ہیں: "اے ہمارے رب، ہم کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ، کیونکہ اس کا عذاب تو ایک چمٹ جانے والی چیز ہے۔ بے شک، وہ نہایت ہی بُرا گھر اور نہایت ہی بُرا مقام ہے۔"

(رحمٰن کے یہ اصل بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں، بلکہ اس کے درمیان معتدل راستہ اختیار کرتے ہیں[28]۔

(رحمٰن کے یہ اصل بندے) اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے[29] اور بدکاری کے مرتکب نہیں ہوتے[30]۔ جو کوئی بھی ان باتوں کا مرتکب ہوگا، وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے دن اس کی سزا میں درجہ بدرجہ اضافہ کیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ خوار ہو کر رہے گا۔ البتہ جو لوگ ان گناہوں سے توبہ کرلیں گے، ایمان لے آئیں گے اور عملِ صالح اختیار کریں گے تو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ جو انسان توبہ کر کے عملِ صالح اختیار کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ کی طرف ایسا پلٹ آتا ہے، (جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔) ۶۳-۷۱

[۲۵] یہاں سے آگے اس سورہ کے خاتمۂ کلام کی آیات ہیں۔ اب اہل ایمان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کے اندر دائمی طور پر کون سی صفات ہونی چاہییں۔ اس سے پچھلی آیات میں چونکہ 'رحمٰن' کے لفظ کے متعلق بحث ہو رہی تھی، اس لیے مضمون کی رعایت سے یہاں بھی اللہ کے لیے 'رحمٰن' کی صفت استعمال کی گئی۔

[۲۶] اگر انسان کے اندر تکبر ہو تو وہ اس کی ہر حرکت سے نمایاں ہوتا ہے۔ خصوصاً متکبرانہ چال کو ہر کوئی جانتا ہے۔ مردِ مومن کی کسی بھی حرکت یا گفتگو میں تکبر کا شائبہ تک بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بجائے اسے ہر وقت عاجزی اختیار کرنی چاہیے۔

[۲۷] اگر گفتگو کے وقت دوسرا انسان بدتمیزی، مذاق اور الزامات پر اتر آئے یا یہ اندازہ ہو جائے کہ اس وقت مخاطب تعصب اور انانیت پر اڑا ہوا ہے تو ایک صاحب ایمان کو چاہیے کہ دوسرے فرد سے الجھنے کے بجائے سلام کر کے اس وقت گفتگو کا سلسلہ بند کر دے۔ سلام کرنا کسی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا ایک مہذب طریقہ ہے۔

[۲۸] ہر معاملے میں اعتدال کا راستہ ہی دین کا طریقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فضول خرچی اور بخل، دونوں ہی قرآن مجید کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ طریقے ہیں۔

[۲۹] کسی انسان کا قتل بہت بڑا جرم ہے۔ اس کی اجازت ریاست کو صرف اس وقت ہے جب وہ کسی قاتل یا فساد فی الارض کے مجرم کو قتل کی سزا دے۔ اگر کسی جگہ ریاست کی عمل داری موجود نہ ہو تو وہاں مقتول کے ورثا کو بھی قاتل سے بدلہ لینے کا اختیار ہے۔

[۳۰] یہ ایک مکی سورہ ہے، اس لیے اس ہدایت سے یہ بات خود بخود سامنے آجاتی ہے کہ اگر کوئی صاحب ایمان کسی غیر مسلم اکثریتی ملک میں قیام پذیر ہو

تو وہاں بھی اسے اپنی عصمت وعفت کا پورا خیال کرنا چاہیے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ
يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع

(رحمٰن کے اصلی بندوں کی صفات یہ بھی ہیں کہ) وہ کسی باطل کام میں شریک نہیں ہوتے[۳۱] اور جب کسی بے ہودہ چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں[۳۲]۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے[۳۳]۔ وہ دعا کرتے رہتے ہیں: ”اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کی جانب سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کر اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا[۳۴]۔“

یہ ہیں وہ لوگ جن کو ان کے صبر کے بدلے میں بلند منزلیں ملیں گی، آداب وتسلیمات سے ان کا استقبال ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ کیا ہی اچھا ہے یہ ٹھکانا اور یہ مقام۔

(اے نبیؐ)، (ان منکرینِ حق سے) کہہ دو: ”اگر تمھیں دین کی دعوت دینا پیشِ نظر نہ ہوتا تو میرے رب کو تمھاری کیا پروا ہے۔ اب جبکہ تم نے (توحید کو) جھٹلا دیا ہے تو عنقریب وہ چیز (یعنی سزا) تم پر لازم ہو کر رہے گی[۳۵]۔“ ۷۲-۷۷

[۳۱] 'زور' دراصل جھوٹ اور باطل کو کہتے ہیں۔ یعنی مومنین کسی بھی باطل اور غلط کام میں شریک نہیں ہوتے، نہ خود جھوٹ بولتے ہیں اور نہ جھوٹ کی گواہی دیتے ہیں۔

[۳۲] جب کسی مومن کا گزر کسی ایسی جگہ سے ہو جائے جہاں فضول اور لایعنی کام ہو رہے ہوں تو وہ ان میں شریک نہیں ہوتا، بلکہ وہاں سے اس طرح گزر جاتا ہے جس طرح گندگی کے ڈھیر کے پاس سے ایک صفائی پسند انسان گزر جاتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر غلط چیز کو ہر وقت روکنا یا روکنے کی کوشش کرنا ضروری نہیں ہے۔ صرف وہی غلط کام بزور روکنے کی ہدایت ہے جو کسی کے دائرۂ اختیار میں آتے ہوں۔

[۳۳] ایک مومن بھی بسا اوقات دین کے منافی کوئی حرکت کر ڈالتا ہے۔ اس وقت اگر اس کو قرآن مجید کی کوئی ہدایت یاد دلا دی جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے کان اور اپنی آنکھیں اس ہدایت کے لیے کھلی رکھے اور فوراً متنبہ ہو کر صحیح طرزِ عمل اختیار کر لے۔

[۳۴] یعنی ہم بھلائی اور نیکی کے کاموں میں سب سے آگے نکل جائیں۔ ہم صرف نیک ہی نہ ہوں، بلکہ نیک لوگوں کے پیشوا ہوں تاکہ ہماری بدولت دنیا بھر میں نیکی پھیلے۔

[۳۵] یہ اس مبارک سورہ کی آخری آیت ہے۔ اس کے ذریعے سے اس سورہ کی سابقہ تمام بحث کو سمیٹ کر ایک دفعہ پھر منکرین حق کو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر وہ رحمٰن کے بتائے ہوئے راستے کے بجائے شیطانی راستے پر چلیں گے تو ان کا کیا انجام ہوگا۔

پانچویں منزل

سورۂ شعراء

[۲۶]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۲۲۴ میں یہ لفظ آیا ہے۔ اس لیے اس سورہ کا یہی نام رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سابقہ سورہ یعنی 'الفرقان' کے بعد مکی دور کے ابتدائی اور درمیانی دور میں نازل ہوئی۔

اس سورہ میں بھی سابقہ سورہ کے تمام موضوعات زیر بحث آئے ہیں اور اس ضمن میں مختلف رسولوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اس سورہ میں لفظ **'رب العالمین'** کا بار بار تذکرہ آیا ہے اور اس لفظ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آیاتہا ۲۲۷ | سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۱۱

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ
عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا
كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى
الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ط۔س۔م۔[1] (یہ اس) واضح کتاب کی آیات ہیں۔

اے نبیؐ، شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں بن رہے۔ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے کوئی ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہی رہ جائیں گی۔ (لیکن پروردگار کا یہ طریقہ نہیں ہے۔[2])

ان منکرینِ حق کے پاس اُس رحمٰن و رحیم کی طرف سے جو بھی تازہ یاددہانی آتی ہے، یہ اس سے منہ موڑنے والے ہی بنے رہتے ہیں۔ اب جبکہ یہ اس دعوت کو جھٹلا چکے ہیں تو عنقریب ان کو اس چیز (یعنی رسولؐ پر ایمان نہ لانے کے دنیوی نتیجہ) کے بارے میں معلوم ہو جائے گا جس کا یہ مذاق اڑاتے رہے ہیں۔[3]

کیا ان لوگوں نے کبھی زمین کی طرف نگاہ نہیں ڈالی کہ ہم نے اس میں کتنی زیادہ اقسام کی مفید چیزیں اگا رکھی ہیں؟ بے شک، اس میں بہت بڑی نشانی ہے، لیکن ان مشرکین میں سے بہت سے ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ بے شک، تیرا رب غالب بھی ہے اور مہربان بھی۔ ۱-۹

[۱] یہ حروف مقطعات ہمیں اس بات کی نشان دہی کراتے ہیں کہ اللہ نے زبان وبیان اور تحریر کی صلاحیت دے کر ہم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

[۲] حضورؐ لوگوں کے لیے اپنی حد درجہ ہمدردی اور غم خواری کی وجہ سے ہر وقت اس فکر میں مبتلا رہتے تھے کہ وہ اس دین حق کو قبول کر لیں۔ چنانچہ پروردگار نے قرآن مجید میں جگہ جگہ حضورؐ کے لیے اس طرح تسلی کے الفاظ ارشاد کیے ہیں۔ یہاں تسلی دیتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں کہ وہ سب لوگوں کو بجبر اس راستے پر لے آئے، لیکن یہ اللہ کا طریقہ نہیں ہے۔

[۳] معتبر ایمان صرف وہی ہے جو پوری آزادی اور اختیار کے ساتھ قبول کیا جائے۔ جو لوگ حضورؐ کی موجودگی میں بھی مسلسل اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں، ان کے سامنے اس دشمنی کا نتیجہ آ کر رہے گا۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي
أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۱۲﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ
فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ ﴿۱۵﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ
سِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲۰﴾
فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ
عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ
كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۶﴾ قَالَ إِنَّ
رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾

([۴] وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمھارے رب نے موسیٰؑ کو پکارا: "اُس ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ۔ کیا وہ لوگ (اللہ کی تنبیہ سے) نہیں ڈریں گے؟" موسیٰؑ نے عرض کیا: "اے میرے رب، مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلا دیں گے۔ میرا سینہ گھٹ رہا ہے اور میری زبان رواں نہیں ہے، اس لیے تو ہارونؑ کی طرف رسالت بھیج۔ مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے[۵]۔"

(اللہ نے) فرمایا: "(فرعون ایسا) ہرگز نہیں (کر سکے گا)۔ تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ۔ ہم تمھارے ساتھ سب کچھ سننے والے ہیں۔ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں، اس لیے تم ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دو۔"

فرعون نے کہا: "کیا ہم نے تجھے بچپن میں اپنے ہاں پالا پوسا نہیں تھا؟ تم نے اپنی عمر کے کئی برس ہمارے ہاں گزارے اور اس کے بعد تم نے وہ حرکت کر ڈالی (جو سب کے علم میں ہے)۔ تم بڑے احسان فراموش ہو۔"

موسیٰ[۵] نے جواب دیا: "اس وقت وہ کام میں خطا سے کر گیا تھا۔ پھر جب مجھے تم لوگوں سے اندیشہ ہوا تو میں بھاگ گیا[۶]۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھے قوتِ فیصلہ عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں شامل فرمالیا۔ رہا یہ تیرا احسان جو تم مجھ پر جتا رہے ہو تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے[۷]۔"

فرعون نے پوچھا: "یہ رب العالمین کیا چیز ہے[۸]؟"

موسیٰ نے جواب دیا: "آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا پروردگار، اگر تم یقین کرنے والے بنو۔" (اس پر) فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا: "سنتے ہو؟" موسیٰ نے مزید کہا: "وہ تمھارا بھی رب ہے اور تمھارے اگلے آباواجداد کا رب بھی ہے۔" فرعون نے (موسیٰ کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے درباریوں سے) کہا: "یہ تمھاری طرف بھیجا گیا رسول تو بالکل ہی پاگل ہے۔" اس پر موسیٰ نے کہا: "(وہ اللہ) مشرق و مغرب اور ان کے درمیان، سب چیزوں کا پروردگار ہے، اگر تم لوگ کچھ عقل رکھتے ہو۔" ۱۰-۲۸

[۴] آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت کے کچھ واقعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس واقعہ سے صحابۂ کرامؓ کو مستقبل کا آئینہ دکھانا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ منکرین حق کو یہ بتانا ہے کہ کیسا انجام ان کا منتظر ہے۔ اس داستان سے ہمیں بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ اپنے رسولوں کو کس اختیار کے ساتھ زمین میں بھیجتا ہے اور ان کی بات نہ ماننے کی صورت میں کیسا سخت انجام مخالفین حق کا منتظر ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ داستان سارے رسولوں کی صداقت کی ایک بڑی نشانی ہے۔

[۵] ہر رسول فرض کے صحیح احساس کی وجہ سے اس عظیم ذمہ داری سے بہت ڈرتا ہے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ کے سامنے اپنا عذر پیش کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کے ہاں ایک قبطی کے قتل کا الزام بھی تھا۔ اس کی پوری تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی۔

[۶] یعنی قبطی کا وہ قتل دراصل 'قتل خطا' تھا۔ تمھارے ہاں قبطیوں کے لیے کچھ اور قانون ہے اور بنی اسرائیل کے لیے کچھ اور قانون۔ اس کی زیادہ سے زیادہ سزا مالی جرمانہ ہو سکتی تھی، لیکن مجھے ڈر تھا کہ چونکہ میرا تعلق تمھاری غلام قوم سے ہے، اس لیے مجھے انتقاماً قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ میرے لیے فرار ہونے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

[۷] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں ہوئی تھی۔ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ چونکہ فرعون کے اہل کار بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو مجبوراً ان کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا کے حوالے کرنا پڑا۔ اگر فرعون کے لوگ یہ ظلم نہ کر رہے ہوتے تو یہ واقعہ سرے سے پیش ہی نہ آتا۔

[۸] جس طرح پچھلی سورہ میں اللہ کی ایک صفت 'رحمٰن' کی تفصیل کی گئی تھی، اسی طرح اس سورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی 'رب العالمین' کی تشریح کی جا رہی ہے۔ قارئین کو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید دین کے مختلف پہلوؤں کو کس طرح سمجھاتا ہے۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَىْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ
فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ
لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ
فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾
فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ
كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ
نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ
وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ
السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ
لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ
خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا
خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

فرعون نے (موسیٰؑ سے) کہا: ''اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمھیں قید کرلوں گا۔'' موسیٰؑ نے جواب دیا: ''کیا اس صورت میں بھی کہ میں تمھارے پاس کوئی صریح چیز لے آؤں؟'' فرعون نے کہا: ''وہ نشانی لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔''

چنانچہ موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا اور وہ یکا یک ایک صریح اژدھا بن گیا۔ پھر موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

فرعون نے اپنے گرد و پیش کے درباریوں سے کہا: ''یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمھارے ملک سے نکال دے۔ تم لوگ (اس معاملے میں مجھے) کیا مشورہ دیتے ہو۔''

درباریوں نے مشورہ دیا: ''اس کو اور اس کے بھائی کو ابھی ٹال دیجیے اور سب شہروں میں ملازم بھیج دیجیے تاکہ وہ آپ کے پاس سارے ماہر جادوگروں کو لے آئیں۔'' چنانچہ ایک دن مقرر وقت پر سارے جادوگر جمع کر دیے گئے اور عام لوگوں میں اعلان کر دیا گیا: ''لوگو، جمع ہو جاؤ تاکہ جب جادوگر غالب رہیں تو ہم ان کا ساتھ دیں۔''

جب جادوگر اکٹھے ہوئے تو انھوں نے فرعون سے کہا: ''ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے؟'' فرعون نے کہا: ''ہاں، یقیناً اور تمھیں اس وقت مقربین میں بھی شامل کر دیا جائے گا۔''

(جب وقتِ مقررہ پر سب میدان میں اکٹھے ہوئے تو) موسیٰؑ نے جادوگروں سے کہا: ''پیش کرو جو کچھ تم پیش کرنا چاہو۔'' جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے: ''فرعون کی عزت کی قسم، ہم ہی غالب رہیں گے۔'' پھر جب موسیٰؑ نے اپنا عصا ڈالا تو یکا یک وہ ان کے جھوٹے بہروپوں کو ہڑپ کرتا چلا گیا۔ (یہ دیکھ کر) سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے: ''ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر۔''[9]

فرعون نے (یہ صورت حال دیکھ کر) کہا: ''تم لوگ میری اجازت سے پہلے ہی موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔ یقیناً یہ تمھارا وہی گرو ہے جس نے تمھیں جادو کی تعلیم دی ہے۔ ابھی تمھیں معلوم ہوا جاتا ہے، میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سُولی پر چڑھا دوں گا۔''

ان (نومسلموں) نے جواب دیا: ''کچھ پروا نہیں، ہم اپنے رب ہی کے حضور پہنچ جائیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری غلطیاں بخش دے گا، کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے بن گئے ہیں۔''[10] ۲۹-۵۱

[۹] یہاں جادوگروں نے بھی 'رب العالمین' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں اصل تنازع 'پروردگار' کے تعین پر تھا۔ قبطی فرعون کے خاندان کو سورج دیوتا کا مظہر مان کر اسے اپنا رب قرار دیتے تھے۔ غالباً یہ سارے جادوگر بھی قبطی النسل تھے، اسی لیے ان کے ایمان سے فرعون کو بہت صدمہ ہوا۔

[۱۰] جب ایک دفعہ ایمان کی روشنی دل کو منور کر لے تو پھر انسان کے سامنے اس کے تمام تقاضے بالکل واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان جادوگروں نے ایمان قبول کر لیا تو اب ان کی نظر میں اصل اہمیت آخرت اور پروردگار کی رضامندی کی ہوگئی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٥٣﴾
اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٧﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ
مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ
سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ
الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ ع

ہم نے موسیٰؑ کو وحی بھیجی: ''راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ۔ تمھارا پیچھا کیا جائے گا۔''

اس پر فرعون نے سب شہروں میں ملازم بھیجے کہ یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں جنھوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے اور ہم ایک مستعد اور چوکنا رہنے والی جماعت ہیں (اس لیے ہر طرف سے فوجیں جمع ہو جائیں)۔[۱۱]''

اس طرح ہم انھیں ان کے باغوں، چشموں، خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے۔ (پیغمبروں کے نافرمان مخاطبین کے ساتھ) ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو (ارضِ فلسطین میں) ہم نے ایسی ہی چیزوں کا وارث بنا دیا۔[۱۲]

صبح ہوتے ہی فرعون کے لشکر، بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا: ''ہم تو پکڑے گئے۔'' موسیٰؑ نے کہا: ''ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔'' ہم نے موسیٰؑ کو وحی کی: ''اپنا عصا سمندر پر مارو۔'' یکا یک وہ سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر حصہ ایک بڑے تودے کی طرح ہو گیا۔ اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے پھر ہم نے موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا اور دوسروں کو اس میں غرق کر دیا۔[۱۳] اے نبیؐ، بے شک اس واقعے کے اندر بہت بڑی نشانی ہے، لیکن ان مشرکین کی ایک بڑی تعداد اس کو نہیں مان رہی۔ بے شک، تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔[۱۴] ۵۲-۶۸

[۱۱] ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل مٹھی بھر نہیں تھے، بلکہ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ دراصل فرعون کی مراد یہ تھی کہ ہمارے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

[۱۲] حضرت سلیمانؑ کے وقت میں اللہ نے بنی اسرائیل کو بہت بڑی شان و شوکت بخشی۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[۱۳] یہ پروردگار کا قانون ہے کہ وہ رسول کے دشمنوں کو خاص اپنی عدالت سے اسی دنیا میں سخت سزا دیتا ہے۔ سمندر میں غرقابی کی یہ سزا فرعون اور اس کے ان ساتھیوں کو دی گئی جن پر حق اچھی طرح واضح ہو چکا تھا اور تب بھی انھوں نے کفر اور تکبر پر اصرار کیا۔

[۱۴] یعنی اس واقعے کے اندر حضورؐ کے مخالفین کے لیے ایک بڑی داستان عبرت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت وہ اس حقیقت کو قبول نہیں کر رہے۔ اس آیت میں اللہ کی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہاں 'زبردست' کی صفت سے مراد یہ ہے کہ بدترین مخالفین اسلام کو سخت سزا دی جائے گی اور 'رحیم' کی صفت سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں پر اللہ کی طرف سے رحم بھی کیا جائے گا۔ آج جب ہم ان آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو قرآن مجید کی حقانیت و صداقت پر ہمارا ایمان پختہ ہو جاتا ہے، کیونکہ ہم یہ جان جاتے ہیں کہ حضورؐ کے مکی دور کے سخت ترین حالات میں بھی قرآن مجید نے وہ عظیم پیشین گوئیاں کیں جو سو فی صد صحیح ثابت ہوئیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا
عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ
اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾
فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ
وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ

خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي
الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ
يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾

اے نبیؐ، ان لوگوں کو ابراہیمؑ کے حالات سناؤ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: ''بھلا یہ تم لوگ کن چیزوں کی پرستش کرتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم ان بتوں کو پوجتے ہیں اور ہم ان کی پوجا پر جمے رہیں گے۔''

ابراہیمؑ نے (ان سے) پوچھا: ''کیا یہ تمھاری بات سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو۔ کیا یہ تمھیں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟''

ان لوگوں نے جواب دیا: ''(نہیں)، بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔''

ابراہیمؑ نے (ان سے) کہا: ''کیا تم نے کبھی ان چیزوں پر غور کیا ہے جن کی عبادت تم اور تمھارے اگلے باپ دادا کرتے رہے ہیں؟ میرے تو یہ سب دشمن ہیں، سوائے ایک رب العالمین کے[15]، جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھے زندہ کرے گا اور جس سے میں پوری توقع رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن وہ میری خطائیں معاف فرما دے گا۔''

(اس کے بعد ابراہیمؑ نے دعا کی): ''اے میرے رب، مجھے قوتِ فیصلہ عطا کر، مجھے صالحین کے گروہ میں شامل کر، بعد کے آنے والوں میں میرا نیک ذکر قائم رکھ اور مجھے نعمت کے باغ کے وارثوں میں شامل فرما۔ میرے باپ کی مغفرت فرما، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا۔[16] مجھے اس دن رسوا نہ کر جس دن لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، وہ دن، جبکہ نہ کسی کا مال کچھ کام آئے گا اور نہ اولاد۔ (اُس دن) صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو قلبِ سلیم (یعنی بہترین ایمان وعمل) لے کر (اللہ کے حضور) حاضر ہوں گے۔'' ۶۹-۸۹

[۱۵] یہاں بھی قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کی زبانی 'رب العالمین' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دراصل ہر شرکیہ اور ملحدانہ مذہب میں رب، یعنی پروردگار ہی کے ضمن میں غلطی اصل گمراہی کا سبب بنتی ہے۔

[۱۶] حضرت ابراہیمؑ نے اپنی طبیعت کی انتہائی نرمی کی وجہ سے اپنے گمراہ باپ کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں اس پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ
لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

(اس روز) جنت پرہیزگاروں کے لیے قریب لائی جائے گی اور دوزخ گمراہ لوگوں کے لیے بے نقاب کردی جائے گی۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا: ''اب کہاں ہیں تمھارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ کیا (اس وقت) وہ تمھاری کچھ مدد کرسکتے ہیں یا خود اپنا بچاؤ کرسکتے ہیں؟'' پھر یہ اس جہنم میں اوندھے منہ دھکیل دیے جائیں گے، ان کے پتھر کے معبود، یہ سارے گمراہ لوگ اور ابلیس کے سارے لشکر[17]۔

اس دوزخ میں یہ گمراہ لوگ اپنے معبودوں سے جھگڑتے ہوئے کہیں گے: ''اللہ کی قسم، جب ہم تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے تو اُس وقت ہم صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔ مجرم لوگوں نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی سرگرم دوست۔ کاش ہمیں ایک مرتبہ دنیا کے اندر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم یقیناً ایمان لانے والے بنیں گے۔''

اے نبیؐ، یقیناً اس قصے میں ایک بڑی نشانی ہے[18]، لیکن اِن مشرکین میں سے بہت سے ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ بے شک، تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔ ۹۰-۱۰۴

[17] نمرود کی قوم سورج، چاند اور ستاروں کے ساتھ ساتھ اپنے بادشاہوں کے بت بنا کر ان کو پوجتی تھی۔ چنانچہ یہ معبود، ان کے پتھر کے بت اور ان کے پوجنے والے، سب کے سب جہنم میں گرا دیے جائیں گے۔

[18] حضرت ابراہیمؑ کی سرگزشت میں ایک نشانی یہ ہے کہ وہ توحید کے سچے علم بردار تھے، اس لیے ان کے پیروکاروں کو بھی شرک کے ہر شائبے سے بچنا چاہیے۔ اس واقعے میں دوسری نشانی یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے سچے رسول تھے، اس لیے وہ کامیاب ہوئے اور قوم نمرود کا نام و نشان تک مٹ

گیا۔ اسی طرح حضورؐ بھی اللہ کے سچے رسول ہیں، چنانچہ وہ کامیاب ہوں گے اور ان کے دشمنوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ
أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ
مُبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾
فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾ ع

نوحؑ کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو، جبکہ ان کے بھائی نوحؑ نے ان کو آگاہ کیا: ''کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں[19]، اس لیے تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ میں اس کام پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے۔ پس تمھیں چاہیے کہ اللہ کا خوف کرو اور میری اطاعت کرو۔''

انھوں نے جواب دیا: ''کیا ہم تمھیں سچا رسول مان لیں، حالانکہ تمھاری پیروی رذیل لوگوں نے اختیار کی ہے[20]؟'' نوحؑ نے جواب دیا: ''مجھے اس بات کی کیا خبر کہ ان کے اعمال کیسے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے[21] اگر تم سمجھو۔ میرا یہ کام نہیں کہ میں مومنوں کو دھتکار دوں۔ میں تو بس ایک صاف صاف متنبہ کرنے والا ہوں۔''

انھوں نے کہا: ''اے نوحؑ، اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگ سار ہو کر رہو گے۔'' (اس پر) نوحؑ نے دعا کی: ''اے میرے رب، میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ اب میرے اور ان کے درمیان واضح فیصلہ فرما دے اور مجھ کو اور میرے ساتھی مومنین کو نجات دے دے۔''

بالآخر ہم نے نوحؑ اور اس کے ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں بچالیا اور اس کے بعد باقیوں کو غرق کر دیا۔ یقیناً اس قصے کے اندر بہت بڑی نشانی ہے[۲۲]۔ مگر اے نبیؐ، ان مشرکین میں سے بہت سے ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ بے شک، تیرا رب زبردست اور رحیم ہے۔ ۱۰۵-۱۲۲

[۱۹] یعنی اللہ کا پیغام میرے پاس تمھاری امانت ہے جو میں نہایت دیانت داری کے ساتھ تمھیں پہنچا رہا ہوں۔

[۲۰] اللہ کے دین کی ایک اہم بنیاد انسانی مساوات ہے۔ جب معاشرے کے کمزور اور غریب لوگوں نے ایمان قبول کرلیا تو یہ بات قوم نوحؑ کے سرداروں کے لیے ایمان لانے میں رکاوٹ بن گئی۔

[۲۱] یعنی شرافت کا انحصار تو انسان کے عمل و کردار پر ہے نہ کہ خاندان اور مال و جائداد پر۔ ان نومسلموں کے کسی سابقہ عمل کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ اس کا احتساب میرے رب کے ذمے ہے۔ میرے سامنے تو ان کا حاضر ہے جس کے مطابق وہ اپنے رب اور مجھ پر ایمان لانے والے بنے ہیں۔

[۲۲] اس قصے کے اندر اس وقت کے لوگوں کے لیے یہ نشانی تھی کہ چونکہ حضرت نوحؑ اللہ کے سچے رسول تھے، اس لیے ان کے مخالفین تباہ و برباد ہوئے۔ اسی طرح جو لوگ حضورؐ کی مخالفت کریں گے، وہ اسی دنیا میں مٹ جائیں گے۔ اس واقعے کے تذکرے میں ہمارے لیے یہ نشانی ہے کہ حضورؐ کے مخالفین دنیا سے اسی طرح مٹا دیے گئے جس طرح حضرت نوحؑ کے مخالفین کو مٹا دیا گیا تھا۔ یہ رسالت محمدیؐ کی حقانیت کی دلیل ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ
بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ
جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ
وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا
أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾
فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ط وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾ ع

قومِ عاد نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔ یاد کرو، جبکہ ان کے بھائی ہودؑ نے ان سے کہا: ”کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے

لیے ایک امانت دار رسول ہوں، اس لیے تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمے ہے۔ یہ تمھارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر فضول یادگاریں تعمیر کرتے ہو اور شان دار محل بناتے ہو گویا تمھیں ہمیشہ یہیں پر رہنا ہے۔[۲۳] جب بھی تم کسی پر حملہ آور ہوتے ہو تو ظلم و تشدد کرتے ہو۔[۲۴] پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس اللہ سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمھیں مدد پہنچائی ہے جن کو تم جانتے ہو۔ اسی اللہ نے چوپایوں، اولاد، باغات اور چشموں سے تمھاری مدد کی۔[۲۵] مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک ہول ناک دن کا عذاب آ جائے گا۔''

قومِ عاد نے جواب دیا: ''ہمارے لیے ایک ہی جیسا ہے، خواہ تم ہمیں نصیحت کرو یا نہ کرو۔ ایسی باتیں تو اگلے لوگوں سے یوں ہی چلی آ رہی ہیں۔ ہم پر کوئی عذاب آنے والا نہیں ہے۔''[۲۶]

آخر کار قومِ عاد نے رسول کو جھٹلا دیا اور ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔

اے نبیؐ، یقیناً اس قصے کے اندر بھی ایک بڑی نشانی ہے، لیکن ان مشرکین میں سے بہت سے ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب غالب اور مہربان ہے۔[۲۷] ۱۲۳-۱۴۰

[۲۳] قوم ہود کے اعلیٰ طبقے نہایت مال دار تھے، لیکن بجائے اس کے کہ اس دولت کو وہ کمزور طبقات کی مدد پر خرچ کرتے، وہ بلا ضرورت بڑی بڑی یادگاریں اور ایوانوں کی تعمیر کے ذریعے سے اپنے غرور و تکبر کا اظہار کرتے۔

[۲۴] اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ: ''جب بھی تم کسی پر حملہ آور ہوتے ہو تو جبارانہ حملہ آور ہوتے ہو۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو تم بغیر کسی وجہ کے دوسری قوموں پر حملہ کرتے ہو اور پھر اس حملے کے وقت انسانیت کے تقاضوں کا کوئی خیال نہیں کرتے۔

[۲۵] اگر کسی قوم کو پروردگار نے دنیوی مال و دولت سے نوازا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس قوم کے اندر تکبر کے بجائے عاجزی آئے اور وہ اللہ کے سامنے جھک جائے۔

[۲۶] اس قوم کے سرداروں نے دعوت حق کی طرف سے آنکھیں یوں بند کر لی تھیں کہ انھوں نے برملا اقرار کیا کہ ہم اپنی اسی غلط روی پر چلتے رہیں گے اور ہمیں نصیحت کرنا بے فائدہ ہے۔

[۲۷] اس قصے میں بھی حضورؐ کے براہ راست مخالفین اور ہمارے لیے وہی نشانی ہے جس کا تذکرہ قوم ابراہیمؑ اور قوم نوحؑ کے ضمن میں ہو چکا۔ اس آیت میں اللہ کی 'عزیز' اور 'رحیم' کی صفت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضورؐ کے مخالفین میں سے جن کے قلب و ذہن میں انصاف اور بے تعصبی کا معمولی سا شائبہ بھی ہوگا، ان کو اللہ اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنی مخالفت میں ہر حد کو پار کر جائیں گے، ان کے لیے اللہ زبردست اور غالب ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَتُتْرَكُوْنَ
فِيْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ
الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ
فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا
بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۗ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾ ع

ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جس وقت ان کے بھائی صالحؑ نے ان کو متنبہ کیا: ”کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اصلہ تو رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم لوگ یہاں ان سب چیزوں کے درمیان یوں ہی ہر خطرے سے محفوظ رکھے جاؤ گے۔ ان باغوں، چشموں، کھیتوں اور رس بھرے خوشوں والے نخلستانوں میں؟ تم لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں فخریہ عمارتیں بناتے ہو۔[28] اللہ سے ڈرو، میری اطاعت کرو اور ان حد سے گزر جانے والوں کی بات نہ مانو، یہ جو ملک میں فساد برپا کر رہے ہیں اور اصلاح نہیں کر رہے۔[29]“

انھوں نے جواب دیا: ”تم تو بس ایک سحر زدہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم تو بس ہمارے ہی جیسے ایک انسان ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس کوئی نشانی لے آؤ۔“

صالحؑ نے کہا: ”یہ اونٹنی ہے۔ ایک دن پانی پینے کی باری صرف اس کی ہے اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کی باری ہے۔ اس کو کوئی نقصان مت پہنچاؤ ورنہ ایک ہول ناک دن کی سزا تمھیں آ پکڑے گی۔“[30]

ثمودؑ نے اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں تو انھیں بہت پچھتانا پڑا اور بالآخر سزا نے انھیں آ دبوچا۔[31]

اے نبیؐ، اس سرگزشت میں بہت بڑی نشانی ہے، لیکن ان میں سے بہت سے ایمان لانے والے نہیں۔ بے شک، تیرا رب زبردست اور رحیم ہے۔[۳۲] ۱۴۱-۱۵۹

[۲۸] قوم عاد کی طرح ثمودؑ کے امیر لوگ بلاضرورت نمایشی یادگاریں اور محلات بناتے رہتے، جبکہ دوسری طرف معاشرے کے غریب لوگ سر چھپانے کے لیے ڈھنگ کی جگہ بھی نہیں پاتے تھے۔ مدینہ منورہ اور تبوک کے درمیان واقع ایک جگہ 'الحجر' کے قریب ان کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔

[۲۹] ظلم وستم، بے انصافی، خیانت، دھوکا دہی اور تشدد پر مبنی ہر نظام فسادی ہے، جبکہ انصاف، دیانت داری، میرٹ اور بنیادی انسانی حقوق کی پاس داری اصلاح کا کام ہے۔

[۳۰] حضرت صالحؑ نے آخری اتمام حجت کے طور پر ایک خاص اونٹنی کو نامزد کر دیا کہ یہ عذاب کی نشانی ہے اور عذاب کے مقابل میں ایک بند کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک دن اکیلے صرف اسی کی پانی پینے کی باری ہوگی اور ایک دن تمھارے سب مویشیوں کا ہوگا۔

[۳۱] اگرچہ اس فعل کا ارتکاب ایک شخص نے کیا تھا، لیکن قرآن مجید نے اس فعل کو پوری قوم کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ جب اس طرح کی غلط حرکت کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جرم کے ارتکاب میں سب شریک ہیں۔

[۳۲] اس سرگزشت میں بھی حضورؐ کے زمانے کے لوگوں کے لیے یہ نشانی تھی کہ رسول کی آمد کسی قوم کے لیے کس طرح زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتی ہے۔ اس قصے میں ہمارے لیے یہ نشانی ہے کہ پروردگار کی طرف سے رسول کے مخالفین کو آخرت کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں بھی سخت سزا دی جاتی ہے۔ یہی سزا حضورؐ سے پہلے سارے رسولوں کی نافرمان اقوام کو ملی تھی اور حضورؐ کے سب دشمنوں کو یہ سزا مل کر رہی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ
أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾
أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ
عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ
الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي
الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۚ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾ ع

لوطؑ کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا، جب ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے کہا: ''کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں، اس لیے تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی صلے کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم مخلوق میں سے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو! اور تمھارے رب نے تمھارے لیے جو بیویاں پیدا کیں ہیں ان کو چھوڑتے ہو! بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو۔''[۳۳]

وہ بولے: ''اے لوطؑ، اگر تم باز نہ آئے تو تم لازماً یہاں سے نکال دیے جاؤ گے۔''

لوطؑ نے کہا: ''میں تمھارے ان برے کاموں سے سخت بیزار ہوں۔ اے رب، مجھے اور میرے اہل وعیال کو ان کی بدکرداریوں کے انجام سے نجات دے۔''

آخرکار ہم نے اسے اور اس کے سب اہل وعیال کو بچالیا، سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ چھوڑ دی گئی۔[۳۴]

پھر ہم نے باقی لوگوں کو تباہ کر دیا اور ان پر ایک بارش برسائی۔ بڑی ہی بُری تھی وہ بارش جو ان ڈرائے جانے والوں پر نازل ہوئی۔[۳۵]

اے نبیؐ، یقیناً اس واقعے کے اندر بہت بڑی نشانی ہے، لیکن اِن میں سے بہت سے ایمان لانے والے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب غالب ہے اور رحم کرنے والا ہے۔[۳۶] ۱۶۰-۱۷۵

[۳۳] یہ قوم نہ صرف یہ کہ ایک بڑی اخلاقی خرابی میں مبتلا تھی، بلکہ یہ اس پر بہت فخر کا اظہار بھی کرتی تھی۔

[۳۴] حضرت لوطؑ کی بیوی بھی سزا پانے والوں میں شامل ہوئی، اس لیے کہ اس کی ساری ہمدردیاں بھی اپنی قوم کے ساتھ تھیں۔

[۳۵] یہ پتھروں کی بارش تھی جس نے ایک طوفانی ہوا کے ذریعے سے ان کی بستیوں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ہولناک زلزلہ بھی آیا۔ یہ علاقہ بحیرۂ مردار (Dead sea) کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے۔ اس میں بہت سے کھنڈرات موجود ہیں، جبکہ اصل وادی بحیرۂ مردار میں ڈوب گئی ہے۔

[۳۶] اس قوم نے بھی رسول کی دعوت کو جھٹلا دیا اور اپنی بدکرداری پر اصرار کرتی رہی۔ چنانچہ قدرت نے اس کو اس دنیا میں بھی سزا دی۔ اس واقعے میں حضورؐ کے مخالفین کے لیے بھی ایک بڑا سبق موجود تھا اور اس میں ہمارے لیے بھی ایک بڑا سبق موجود ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾
اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٨٦﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا

مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّىْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ

يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾ ع

'ایکہ'[۳۷] کے لوگوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو، جبکہ شعیبؑ نے ان سے کہا: ''کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں، اس لیے تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے۔ تم لوگ پورا پورا ناپ کرو، کسی کو نقصان مت پہنچاؤ، صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو۔ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اور اُس ذات سے ڈرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلی نسلوں کو پیدا کیا ہے۔''[۳۸]

انھوں نے جواب دیا: ''تم تو بالکل سحر زدہ ہو۔ تم تو بس ہمارے ہی جیسے ایک انسان ہو اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔''

شعیبؑ نے کہا: ''جو کچھ تم کر رہے ہو، اسے میرا رب خوب جانتا ہے۔''

انھوں نے شعیبؑ کو جھٹلا دیا۔ آخر کار ان کو بادل والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک، وہ بڑے ہی خوف ناک دن کا عذاب تھا۔[۳۹]

اے نبیؐ، بے شک اس واقعے کے اندر بہت بڑی نشانی ہے، لیکن اِن میں سے بہت سے ایمان لانے والے نہیں۔ بے شک، تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔ ۱۷۶-۱۹۱

[۳۷] 'ایکہ' جنگل یا جھاڑی کو کہتے ہیں۔ مدین شہر کے پاس ایک جنگل بھی تھا، اس لیے اس شہر کو 'ایکہ' بھی کہا جاتا تھا۔

[۳۸] مذہب کے اعتبار سے یہ لوگ شرک میں بری طرح آلودہ تھے۔ ان لوگوں کا پیشہ تجارت تھا اور اس پیشے میں انھوں نے بڑی ترقی کر لی تھی۔ رفتہ رفتہ ان میں بددیانتی اور خیانت کی بیماری پیدا ہو گئی اور یہ لوگ ناپ تول میں شدید قسم کی بے ایمانی کرنے لگے۔ یہ دنیا انصاف کی بنیاد پر قائم ہے اور جب یہ

بنیاد قائم نہ رہے تو سارا معاشی و معاشرتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور فساد برپا ہو جاتا ہے۔

[۳۹] دور سے دیکھنے میں یہ عذاب غبار یا بادل کے ایک ستون یا چھتری کی شکل کا نظر آتا تھا۔

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ
الْمُنذِرِينَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿۱۹۵﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۹۶﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ
عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ
مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۹﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۲۰۱﴾
فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿۲۰۳﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۲۰۴﴾
أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۲۰۶﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا
يُمَتَّعُونَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرَىٰ ۛ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۰۹﴾

اے نبیؐ، بے شک یہ (قرآن مجید) نہایت اہتمام سے رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے[۴۰]۔ اس کو تمھارے قلب پر امانت دار فرشتہ (یعنی جبریلؑ) لے کر اترا ہے تاکہ تم لوگوں کو آگاہ کر دینے والوں میں سے بنو۔ یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے[۴۱] اور اس کا ذکر اگلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔ کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ اِسے بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں[۴۲]؟

اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی پر نازل کرتے اور وہ ان کو یہ سناتا تب بھی یہ حق کا انکار کرنے والے اس پر ایمان لانے والے نہ بنتے۔ ہم مجرموں کے دلوں میں اس قرآن کو اسی طرح داخل کرتے ہیں[۴۳]۔ یہ منکرینِ حق اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ وہ سزا ان پر اچانک آجائے گی، جبکہ یہ اس سے بالکل بے خبر ہوں گے۔ اُس وقت یہ لوگ کہیں گے: ''کیا اب ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟''

اے نبیؐ، کیا یہ منکرینِ حق ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ بھلا بتاؤ کہ اگر ہم ان کو چند سال اور عیش کرنے کی مہلت دے دیں اور پھر ان پر وہی سزا آجائے جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے تو یہ ساز و سامان ان کے کس کام آئے گا[۴۴]۔

ہم نے کسی بستی کو صرف اس وقت ہلاک کیا جب پہلے اس کے پاس خبردار کرنے والے (پیغمبر) یاددہانی کے لیے بھیجے۔ ہم ظالم نہیں ہیں۔[۴۵] ۱۹۲-۲۰۹

[۴۰] 'تنزیل' کے معنی اہتمام کے ساتھ اتارنے کے ہیں۔

[۴۱] قرآن مجید سرزمین عرب کے مرکزی شہر کے نمایاں قبیلے قریش کی خالص ٹکسالی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس میں ہر لفظ کے وہی معنی مراد ہیں جو اعلیٰ ترین عربی ادب میں اس لفظ کے ہیں۔

[۴۲] جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ تورات اور انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے نزول کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ اس زمانے میں بے شمار اہل کتاب علما نے اس بات کی گواہی دی کہ قرآن مجید کا سرچشمہ وہی ہے جو پہلی آسمانی کتابوں کا ہے۔ چنانچہ یہ اہل کتاب کے علما حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

[۴۳] یعنی مجرم ذہنیت کے لوگ جن کے دلوں پر اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے، جب قرآن مجید کو سنتے ہیں، تب بھی یہ کتاب ان پر کوئی اثر نہیں کرتی۔ دراصل ایسے لوگوں کے اندر صحیح چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

[۴۴] یہاں اس سزا کا بیان ہے جو رسول کی نافرمان قوم پر اتمام حجت کے بعد اللہ کی طرف سے اس دنیا میں نازل ہوتی ہے۔ یہی سزا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو جنگ بدر اور دوسرے مواقع پر دی گئی۔ اس وقت ان کا ساز وسامان ان کے کسی کام نہ آیا۔

[۴۵] گویا کسی بستی پر آسمانی سزا صرف اس وقت آتی ہے جب وہاں اللہ کا پیغمبر لوگوں پر اتمام حجت کردیتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی نافرمان قوم کے علاوہ دوسرے لوگوں پر جتنی مصیبتیں اس دنیا میں آتی ہیں، وہ دراصل آزمائشیں ہیں۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۲۱۱﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ
لَمَعْزُولُونَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿۲۱۳﴾ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾
وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ إِنَّهُ هُوَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۲﴾
يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۲۴﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ

يَهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ
كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع

اس (قرآن مجید) کو شیاطین لے کر نہیں اترے ہیں۔ یہ کام نہ ان کے لائق ہے اور نہ یہ ان کے بس کا ہے۔[۴۶] یہ شیاطین سُن گن لینے سے معزول کیے جا چکے ہیں۔[۴۷]

پس اے نبیؐ، اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ[۴۸] اور جو ایمان والے تمھاری پیروی کر رہے ہیں، ان سے بہت شفقت کے ساتھ پیش آؤ۔[۴۹]

اے نبیؐ، اگر یہ لوگ تمھاری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، میں اس سے بَری ہوں۔ اس اللہ پر بھروسا رکھو جو زبردست اور رحیم ہے، جو تمھیں اس وقت بھی دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو اور جو سجدہ گزار لوگوں کے درمیان تمھاری نقل و حرکت کو بھی دیکھتا ہے۔ بے شک، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

(اے نبیؐ، اِن سے کہو) لوگو، کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ وہ جعل سازوں اور بدکاروں پر اترا کرتے ہیں، سنی سنائی باتیں ان کے کانوں میں پھونکتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔[۵۰]

رہے شعرا، تو ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ شاعر ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔[۵۱] ہاں، وہ شاعر اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے، جنھوں نے نیک عمل کیے، اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا۔ — ظلم[۵۲] کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوں گے۔[۵۳] ۲۱۰-۲۲۷

[۴۶] مخالفین حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام بھی لگاتے تھے کہ کچھ شیاطین جن ان کو یہ کلام سکھاتے ہیں۔ یہاں قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ نہ تو شیاطین ایسا عظیم الشان کلام لانے کے لائق ہیں اور نہ یہ کام ان کے لیے ممکن ہے، کیونکہ یہ کلام تو شیطانی ذہن کی جڑ کاٹ رہا ہے۔

[۴۷] قرآن مجید نے بتایا ہے کہ نزول قرآن کے وقت کائنات کے اشرار اور منفی قوتوں کے لیے سارے راستے بند کر دیے گئے تھے تاکہ یہ کلام اپنی خالص شکل میں جبریلؑ کے ذریعے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہو۔ اس کی مزید تفصیل سورۂ جن میں آئے گی۔

[۴۸] سرزمین عرب میں سب سے ممتاز قبیلہ قریش کا تھا اور اس قبیلے کے سارے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ ان میں سے کئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ آپ کو یہ ہدایت کی گئی کہ ان سرداروں تک دین کا پیغام برابر پہنچاتے رہیں۔

[۴۹] یعنی جو لوگ اس دین حق کو قبول کر لیں، وہ لوگ آپ کی توجہ اور شفقت کے خصوصی مستحق ہیں۔

[۵۰] کائنات کی شریر قوتوں کے ساتھ صرف وہی لوگ رابطہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جن کی پوری زندگی جعل سازی، دھوکے اور بدکاری پر مبنی ہوتی ہے۔ یہ شیاطین جن کائنات کے اندر کچھ سُن گُن لینے کی کوشش کرتے ہیں اور ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹی باتیں ملا کر اپنے شریر انسان ساتھیوں کے کانوں میں ڈالتے ہیں۔ اس طرح یہ آیت ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق و کردار اور ان کی شخصیت اتنی عظیم ہے کہ شیطان ان کے قریب بھی نہیں آسکتا۔

[۵۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین یہ کہہ کر بھی قرآن مجید کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دراصل ایک شاعر کی طرح خوب صورت کلام پیش کرتے ہیں اور بس۔ یہاں قرآن مجید نے اس بات کی تردید یوں کی ہے کہ شاعر تو اپنی کسی خاص ذہنی کیفیت میں کبھی کسی موضوع پر طبع آزمائی کرتے ہیں اور کبھی کسی اور موضوع پر۔ جبکہ یہ قرآن تو شروع سے لے کر آخر تک خالصتاً کتابِ ہدایت ہے اور اس میں صرف انھی موضوعات کو لیا گیا ہے جن کا تعلق ہدایت سے ہے۔ شاعر لوگ عام طور پر تو باتیں بڑی بڑی کرتے ہیں، لیکن ان کی زندگی میں ان اچھی باتوں کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ شاعروں کے ساتھی بھی عموماً ذہنی عیاشی کی لذت حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار اور قرآن مجید کی تعلیمات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بھی وہ لوگ ہیں جن کی زندگیوں میں اسلام قبول کرنے کے بعد ایک عظیم مثبت تبدیلی رونما ہوگئی ہے۔

[۵۲] یہاں شاعروں کی ایک خاص قسم کو عام شاعروں سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ وہ شاعر جو شعر کہتے ہوئے بھی ایمان اور مثبت اقدار کا خیال رکھتے ہیں اور وہ اپنے اشعار میں کسی ظالم کی مذمت صرف اسی حد تک کرتے ہیں، جس حد تک ظلم کیا گیا ہو اور اس سے آگے نہیں بڑھتے۔

[۵۳] یہاں ظلم سے مراد سب سے بڑا ظلم یعنی شرک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی ہے۔ ایسے منکرین حق کے متعلق یہ پیشین گوئی کر دی گئی ہے کہ یہ لوگ اسی دنیا میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ یوں اس عظیم سورہ کی اس آخری آیت میں موضوع وہیں پہنچ گیا ہے، جہاں سے اس سورہ کی ابتدا ہوئی تھی۔

سورۂ نمل

[۲۷]

نام

اس سورہ کی اٹھارویں آیت میں 'نمل' کا لفظ آیا ہے۔ اس لیے اس سورہ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور موضوع

یہ سورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کے درمیانی سالوں میں نازل ہوئی۔ انداز بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ سورۂ شعراء کے بعد اور سورۂ قصص سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سورہ میں توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق بحث بھی موجود ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پچھلے پیغمبروں کی سرگزشت کے کچھ نئے گوشے بھی سامنے لائے گئے ہیں۔

رکوعاتھا ۷ | سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ | اٰیاتھا ۹۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ
فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى
الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ
بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ط وَسُبْحٰنَ
اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ
وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ قف اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ
حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ قف فِيْ تِسْعِ
اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

طٰ ۔ سٓ ۔[1] یہ قرآن مجید یعنی ایک واضح کتاب کی آیات ہیں۔ ہدایت وبشارت ہے، ان ایمان لانے والوں کے لیے جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لیے ہم نے ان کے غلط کاموں کو خوش نما بنا دیا ہے، اس لیے وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔[2] ان

لوگوں کے لیے بُری سزا ہے اور یہی لوگ آخرت میں ایک بڑے خسارے میں ہوں گے۔ اے نبیؐ، بے شک یہ قرآن تم کو اُس حکمت اور علم والی ہستی کی طرف سے تعلیم کیا جا رہا ہے۔

وہ وقت یاد کرنے کا ہے جب موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا: ''مجھے ایک آگ سی نظر آ رہی ہے۔ میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے آتا ہوں یا آگ کا کوئی انگارا، تا کہ تم لوگ آگ تاپو۔[۳] جب موسیٰؑ وہاں پہنچا تو اس کو آواز آئی: ''مبارک ہے وہ جو اِس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔ پاک ہے اللہ، سب جہان والوں کا پروردگار۔ اے موسیٰؑ، یہ میں ہوں اللہ، زبردست اور دانا۔ تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔[۴]''

(عصا ڈالنے کے بعد) جوں ہی موسیٰؑ نے دیکھا کہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔[۵] (اُس وقت موسیٰؑ کو آواز آئی:) ''اے موسیٰؑ ڈرو نہیں، میرے سامنے پیغمبروں کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ کسی نے قصور کیا ہو۔ پھر اگر برائی کے بعد اس نے اُس قصور کو بھلائی سے بدل دیا تو میں معاف کرنے والا اور مہربان ہوں۔ تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دو، وہ بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ (دو نشانیاں) اُن نو نشانیوں میں سے ہیں جن کے ساتھ تمھیں فرعون اور اس کی قوم کے پاس جانا ہے (کیونکہ) وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔[۶]''

مگر جب ہماری کھلی کھلی نشانیاں ان لوگوں کے سامنے آئیں تو انھوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ انھوں نے ظلم اور غرور کے سبب سے اِن نشانیوں کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دل قائل ہو چکے تھے۔[۷] اب دیکھ لو کہ ان مفسدین کا کیسا انجام ہوا۔ ۱-۱۴

[۱] ان علیحدہ علیحدہ حروف کو قرآن کا حصہ بنانے سے انسان کو یہ احساس دلانا ہے کہ زبان و بیان اور تحریر کی طاقت آدمی پر اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

[۲] آخرت پر یقین انسان کے اعمال کے لیے ایک محتسب کا کردار ادا کرتا ہے۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہ اسی دنیا کی عیاشیوں میں مگن ہو کر راہِ راست سے بھٹک جاتے ہیں۔

[۳] یہ اس وقت کی بات ہے جب موسیٰ علیہ السلام مدین میں کئی برس گزارنے کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر واپس جا رہے تھے۔ جب ایک اندھیری اور ٹھنڈی رات میں وہ راستہ بھول گئے تو انھیں دور سے ایک روشنی دکھائی دی۔

[۴] ظاہر ہے کہ ایک ایسے وقت میں ایسی آواز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بالکل خلافِ توقع تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو پیغمبری کے منصب سے سرفراز کرنے کا فیصلہ خالصتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اِس بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے ایک اعتراض کا جواب بھی پوشیدہ تھا۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی کیوں نازل ہوئی، ان کے بجائے کسی اور سردار پر کیوں نازل نہیں ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ واحد پیغمبر تھے جن کو اللہ نے براہِ راست کلام کرنے کا اعزاز بخشا۔ اسی طرح اللہ نے ہر رسول کو کوئی نہ کوئی خصوصی فضیلت دی ہے۔

[۵] روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کا تفصیل سے ذکر آیا ہے جو ان پر پہلی وحی کے بعد طاری ہوئی۔ بالکل اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی رسالت کے بعد اس خاص کیفیت میں مبتلا ہوئے جس کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے۔

[۶] چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کو دین حق کی دعوت دیں گے، اس لیے یہ ضروری تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شروع سے ہی ایسے عظیم معجزے دیے جاتے جن کو دیکھنے کے بعد فرعون ان کو کوئی نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہ کر سکتا۔

[۷] یہاں قرآن مجید نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ اصل کافر یعنی منکر حق وہ ہوتا ہے جو اس دین کی حقانیت کا دل سے قائل ہو جائے اور اس کے باوجود تعصب، نفسانی خواہشات اور تکبر کی وجہ سے وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دے۔ قرآن مجید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے اہل کتاب کے بارے میں بھی یہی کہا ہے۔ ابوجہل، ابولہب اور دوسرے سرداران قریش بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾
وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ
الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٧﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ
وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا
يَشْعُرُونَ ﴿١٨﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ
وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿١٩﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا
لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ
مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدتُّ
امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن
دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ
الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ

الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾ السجدة

ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو بڑا علم عطا فرمایا[8]۔ انھوں نے کہا کہ شکر ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی[9]۔

داؤدؑ کا وارث سلیمانؑ ہوا۔ اس نے کہا: ''اے لوگو، ہمیں پرندوں کی بولی کا علم بھی عطا ہوا ہے اور دوسری بھی سب چیزیں ہمیں بخشی گئی ہیں[10]۔ بے شک، یہ بہت نمایاں فضل ہے۔''

(ایک دفعہ جبکہ) سلیمانؑ کے جائزے کے لیے اس کا سارا لشکر، جن میں جنات، انسان اور پرندے بھی شامل تھے، اکٹھا کیا گیا اور ان کی درجہ بندی کی جا رہی تھی۔ جب وہ (سفر کرتے ہوئے) چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: ''اے چیونٹیو، اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ تاکہ سلیمانؑ اور اس کا لشکر تمھیں کچل نہ ڈالے اور انھیں اس کا احساس بھی نہ ہو[11]۔'' سلیمانؑ ان کی اس بات سے خوش ہو کر مسکرایا اور دعا کی: ''اے میرے رب، مجھے سنبھالے رکھ تاکہ میں اس احسان کا شکر گزار رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمایا۔ مجھے ایسے نیک کاموں کی توفیق دے جو تجھے پسند ہوں اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل فرما[12]۔''

(ایک دفعہ) سلیمانؑ نے پرندوں کی فوج کا جائزہ لیا تو کہا: ''کیا بات ہے کہ میں فلاں ہُد ہُد کو نہیں دیکھ رہا۔ کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میں اس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا، ورنہ اسے میرے سامنے کوئی واضح وجہ بیان کرنی ہوگی[13]۔''

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہُد ہُد نے آ کر کہا: ''میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں۔ میں سبا کے ملک کے متعلق یقینی اطلاع لے کر آیا ہوں[14]۔ میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جو اس قوم کی حکمران ہے۔ اس کو سب کچھ حاصل ہے اور اس کا تخت بہت بڑا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کے آگے سجدہ کرتے ہیں[15]۔''

(اے نبیؐ، تیرے دشمن مشرکین کا بھی یہی حال ہے کہ) شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے اور انھیں صحیح راستے سے روک دیا ہے، اس لیے وہ یہ سیدھا راستہ نہیں پاتے کہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے[16]۔ ۱۵-۲۶

[۸] اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کو کچھ ایسے علوم بھی عطا کیے گیے تھے جو دوسرے انسانوں کو نہیں دیے جاتے۔

[۹] یعنی داؤدؑ اور سلیمانؑ کے ذہن میں اس عظیم سلطنت کی وجہ سے کوئی تکبر پیدا نہیں ہوا۔ وہ اسے اللہ کا فضل سمجھتے رہے اور ان کے لیے عزت و فضیلت کی اصل بات ایمان کی روشنی اور اہل ایمان کی سربراہی تھی۔

[۱۰] حضرت سلیمانؑ نے اپنی زمینی فوج کے ساتھ ساتھ اپنی بحری طاقت کو بھی بڑی ترقی دی۔ ان کو پرندوں کی بولی سمجھنے اور بولنے کا بھی خاص علم عطا

ہوا تھا جن کی تربیت کر کے وہ ان سے نامہ بری، خبر رسانی اور سراغ رسانی کے کئی کام لیتے تھے۔ چونکہ اس وقت بنی اسرائیل اخلاق و کردار کے لحاظ سے بہت اونچے مقام پر تھے، اس لیے اللہ نے ان کے سربراہ یعنی حضرت سلیمانؑ کو یہ تمام طاقتیں بخشیں تاکہ دین کی دعوت دور دور تک پہنچ سکے۔

[۱۱] چیونٹیوں کے متعلق سائنس نے حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں۔ ان کے ہاں پورا عسکری نظام اور فوجی ڈسپلن ہے، فوج کے دونوں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اسکاؤٹوں کی لائن ہوتی ہے اور جونہی ان کو کسی خطرے کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنے حدود کے اندر باقی سب چیونٹیوں کو اس سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ سب اپنے آپ کو بچانے کی تدبیر اختیار کریں۔ جب ان کا کوئی قبیلہ مستقل طور پر ایک مقام سے دوسرے مقام کے لیے ہجرت کرتا ہے تو اپنے ساتھ سارے غذائی ذخائر اور دوسری چیزیں لے جاتا ہے۔ چیونٹیوں کی بعض قسمیں انسانوں کی طرح بعض جانوروں کو پالتی ہیں اور ان کو اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ چیونٹیوں کی بعض قسمیں اپنے لیے کھیت بناتی ہیں، ان میں بیج بوتی ہیں اور جب فصل تیار ہو جاتی ہے تو اس کی صفائی کے بعد اس کو تہ خانوں میں محفوظ کر دیتی ہیں۔ ان کی فوج کے مخصوص افسر بھی ہوتے ہیں اور ان کے ہاں تربیت اور ٹریننگ کا باقاعدہ نظام موجود ہے۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مختلف مخلوقات ایسی آوازوں کے ذریعے سے اپنے ساتھیوں سے نامہ و پیام کرتی ہیں جو انسانوں کو سنائی نہیں دیتیں، ان آوازوں کی سماعت حضرت سلیمانؑ کے اختیار میں دی گئی تھی۔

[۱۲] ایک متقی حکمران کبھی بھی اپنی طاقت کے غرور میں مبتلا نہیں ہوتا، بلکہ ہر وقت اللہ کے احسان کو یاد کرتا ہے اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اگر کسی حکمران پر اللہ کی طرف سے کوئی غیر معمولی فضل و کرم ہو جائے تو ایسے وقت میں اسے اور زیادہ اللہ کے سامنے جھک جانا چاہیے۔ حضرت سلیمانؑ نے یہی کیا۔

[۱۳] حضرت سلیمانؑ کی فوج میں شامل پرندے بھی فوجی ڈسپلن کے تحت تھے۔ انھیں عسکری تنظیم کی پوری پوری پابندی کرنی پڑتی تھی اور کسی خلاف ورزی کی صورت میں فوجی ضوابط کے تحت سزا بھی بھگتنی پڑتی تھی۔

[۱۴] یعنی آپ اس ملک کے متعلق جو کچھ جانتے ہیں، میں ان سے کچھ زیادہ معلومات حاصل کر کے آیا ہوں۔

[۱۵] سبا سرزمین عرب کا جنوبی علاقہ ہے جہاں یمن اور حضرموت واقع ہیں۔ اس وقت یہ قوم مشرک تھی۔ اہل شرک کے ہاں سورج کی عبادت بہت معروف و مقبول ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے طلوع اور غروب ہوتے وقت نماز شروع کرنے کو ممنوع فرمایا۔

[۱۶] یہ قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب ہے کہ اگر کسی کی بات کے درمیان اس بات پر تبصرہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو قرآن مجید اس بات پر اسی وقت تبصرہ کر دیتا ہے۔ یہاں ہدہد کی زبانی ایک مشرک قوم کی بات ہو رہی تھی، چنانچہ قرآن مجید نے یہ ضروری سمجھا کہ اسی موقع پر شرک کی بھرپور تردید بھی کی جائے۔ اس اسلوب کو ادب کی زبان میں "جملہ معترضہ" کہتے ہیں۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ
اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا
كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ
مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ
يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ
اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ
فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

سلیمانؑ نے کہا: ''ہم دیکھیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو۔ میرا یہ خط لے کر جاؤ اور اسے ان لوگوں کے پاس ڈال دو، پھر الگ ہٹ کر دیکھو کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔''

(اس طرح جب یہ خط ملکہ سبا کے پاس پہنچا تو) اس نے کہا: ''اے درباروالو، میری طرف ایک بڑا اہم خط ڈالا گیا ہے۔ یہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم، تم لوگ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور اطاعت مان کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔''[17]

پھر ملکہ نے کہا: ''اے قوم کے سردارو، اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی معاملے کا فیصلہ تم لوگوں کے بغیر نہیں کرتی۔''

درباریوں نے جواب دیا: ''ہم طاقت ور اور اعلیٰ جنگی صلاحیت رکھنے والے لوگ ہیں۔ آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ آپ خود غور فرمالیجیے کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتی ہیں۔''

ملکہ نے کہا: ''بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اس کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور اس کے معززین کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں۔ یہ لوگ بھی یہی کریں گے۔ میں ان لوگوں کے پاس اپنا سفیر تحفوں کے ساتھ بھیجتی ہوں اور پھر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا جواب لاتے ہیں۔''[18]

جب وہ سفیر سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو سلیمانؑ نے کہا: ''کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ مجھے اللہ نے جو کچھ دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو دیا ہے۔ تمھارا ہدیہ تم ہی کو مبارک رہے[19]۔ اپنے بھیجنے والوں کی طرف واپس جاؤ۔ ہم ان پر ایسے لشکروں سے چڑھائی کریں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کرسکیں گے اور ہم انھیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے[20]۔'' ۲۷-۳۷

[۱۷] اس زمانے میں عوام ہمیشہ اپنے حکمرانوں کے مذہب کی پیروی کرتے تھے اور کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنی آزادانہ رائے سے اپنے مذہب کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے۔ چونکہ یہ قوم مشرک تھی، اس لیے ان کو دعوت حق سے روشناس کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ یا تو حکمران طبقہ اسلام قبول کرلے اور یا پھر وہاں حضرت سلیمانؑ کی حکومت قائم ہو جائے۔

[۱۸] اس جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا بہت مدبر اور فہیم خاتون تھی۔ وہ ہر معاملے میں مشورہ بھی کرتی تھی اور اسے لڑائیوں کا انجام بھی معلوم تھا۔ چنانچہ اس نے ایک درمیانی راستہ اختیار کیا۔

[۱۹] اس زمانے میں کسی ملک کو فتح کرنے کا سب سے بڑا مقصد وہاں سے مال و دولت لوٹنا ہوتا تھا۔ چنانچہ اگر کوئی ملک بغیر لڑائی کے کسی دوسرے بادشاہ کی اطاعت قبول کرلیتا اور اسے سالانہ ایک مقررہ خراج یعنی ٹیکس ادا کرنے پر تیار ہو جاتا تو پھر فوج کشی کی نوبت نہیں آتی تھی۔ ملکۂ سبا کی طرف سے حضرت سلیمانؑ کو یہی پیش کش کی گئی، لیکن چونکہ حضرت سلیمانؑ کا اصل مقصد دین حق کی اشاعت تھا، اس لیے انھوں نے یہ پیش کش مسترد کردی۔

[۲۰] اس موقع پر یقیناً سفیر کو حضرت سلیمانؑ کے لشکروں کا مشاہدہ کرنے کا موقع بھی دیا گیا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی سخت بات کہنے کی ضرورت یہ تھی کہ جنگ کے بغیر ہی دین حق کی دعوت کا راستہ کھل جائے۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا
اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا
اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۫ۖ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ
اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا
نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ
وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ

قَوْمٍ كَافِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ

مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ۭ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۱۸

(ملکہ نے فیصلہ کیا کہ وہ حضرت سلیمانؑ کی دعوت سننے کے لیے خود ان کے پاس جائے۔ چنانچہ جب وہ بیت المقدس کے قریب پہنچ گئی تو) سلیمانؑ نے کہا: ''اے درباروالو، تم میں سے کون ملکہ کا تخت میرے پاس لائے گا قبل اس کے کہ وہ لوگ فرماں بردارانہ میرے پاس حاضر ہوں؟ [۲۱] جنوں میں سے ایک زورآور جن نے کہا: ''میں اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اس مجلس سے اٹھیں۔ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں۔''

اسی اثنا میں ایک اور شخص جس کے پاس کتاب کا (ایک خصوصی) علم تھا، نے کہا: ''میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو لے آؤں گا۔'' [۲۲] پس جب سلیمانؑ نے اُس تخت کو اپنے سامنے موجود پایا تو اس نے کہا: ''یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ جو کوئی بھی شکر کرتا ہے تو اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے اور جو کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور کریم ہے۔'' [۲۳]

سلیمانؑ نے حکم دیا: ''ملکہ کے تخت کی شکل ذرا بدل دو، دیکھیں وہ پہچانتی ہے یا نہ پہچاننے والوں میں سے ہو جاتی ہے۔''

پھر جب ملکہ حاضر ہوئی تو اس سے سوال کیا گیا کہ کیا تمھارا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے جواب دیا: ''یہ تو گویا وہی ہے۔ ہم تو پہلے ہی جان چکے تھے (کہ حضرت سلیمانؑ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں) اور ہم فرماں برداروں میں سے تھے۔''

ملکہ کو (ایمان لانے سے جس چیز نے) روک رکھا تھا، وہ ان معبودوں کی عبادت تھی جنھیں وہ اللہ کے ماسوا پوجتی تھی کیونکہ وہ حق کا انکار کرنے والی قوم میں سے تھی۔ [۲۴]

ملکہ سے محل میں داخل ہونے کو کہا گیا۔ جب اس نے محل (کے فرش) کو دیکھا تو سمجھی کہ یہ پانی کا حوض ہے چنانچہ اس نے اپنے پائنچے اوپر اٹھا لیے۔ [۲۵] سلیمانؑ نے کہا: ''یہ شیشوں سے بنا ہوا محل ہے۔'' اِس پر ملکہ پکار اٹھی: ''اے میرے رب، میں (آج تک) اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی اور اب میں نے بھی سلیمانؑ کے ساتھ ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرلی۔'' [۲۶] ۳۸-۴۴

[۲۱] حضرت سلیمانؑ نے اپنے خط میں ملکہ اور اس کے سرداروں کے سامنے اسلام کا تعارف کرا دیا تھا اور ان سے اسلام قبول کرنے کا مطالبہ بھی کرلیا تھا۔ ملکہ کے کچھ اہل دربار توحید کو قبول نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن ملکہ کے ذہن میں اسلام کی حقانیت بیٹھ گئی تھی۔ جب ملکہ نے بیت المقدس کا دورہ کرنے کی

درخواست کی تو اس سے حضرت سلیمانؑ کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ ملکہ اسلام قبول کرنے کے بالکل قریب ہے اور اب کوئی ایسا کام اسے دکھانا چاہیے جس سے اسے یہ معلوم ہو جائے کہ پروردگار نے حضرت سلیمانؑ کو کتنی محیر العقول قوتوں سے نوازا ہے چنانچہ انھوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ ملکہ کے اس عظیم تخت کو اپنے دربار میں منگوالیں۔

[۲۲] حضرت سلیمانؑ کے دربار میں ایسے آدمی بھی موجود تھے جن کو کلمات واسماے الٰہی کا ایک ایسا علم عطا ہوا تھا جس کی مدد سے وہ بہت بڑے کارنامے کر سکتے تھے۔

[۲۳] قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ قوت وشوکت کے ہر مظاہرے کے وقت حضرت سلیمانؑ اپنے رب کے حضور عاجزی سے جھک جاتے تھے۔

[۲۴] ملکہ کے ذہن کی مکمل تبدیلی کے لیے اس کے تخت کا حضرت سلیمانؑ کے دربار میں مشاہدہ کافی تھا۔ چنانچہ اس نے اقرار کیا کہ میں تو پہلے سے ہی تقریباً قائل ہو چکی تھی۔ البتہ بت پرستی کے ذہن کو توحید کی طرف آتے آتے بہر حال کچھ وقت لگتا ہے۔ قرآن مجید کے ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ اور اس کے درباریوں کو اس سے پہلے اسلام کا تعارف پوری طرح کروادیا گیا تھا۔

[۲۵] یعنی وہ شیشوں سے بنا ہوا ایک ایسا محل تھا جس میں ملکہ کے ہوش وحواس گم ہو گئے اور وہ فرش کو پانی سمجھی۔

[۲۶] گویا حضرت سلیمانؑ کی ساری تگ ودو توحید کے پیغام کو عام کرنے کی تھی۔ اسی لیے جب ملکہ پوری طرح قائل ہو گئی تو اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

درج بالا قصے کے کئی پہلو ایسے ہیں جن میں معجزوں کا تذکرہ ہے۔ بعض اوقات ایک جدید تعلیم یافتہ شخص کو ایسی داستان پر غور کرتے ہوئے کچھ تردد ہوتا ہے۔ اس ضمن میں دو باتیں ذہن میں رہنی چاہییں۔ ایک یہ کہ اس دور میں دین کی حقانیت دکھانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایک بہت بڑے حکمران کو دنیوی شان وشوکت بھی دی جائے، جبکہ سیرت وکردار کے معاملے میں بھی وہ بہترین درجے پر ہو۔ دوسری یہ کہ پچھلے دو سو برس میں جتنی سائنسی ترقی ہوئی ہے، اگر اس کو اپنے سامنے رکھا جائے تو یہ ماننے میں کوئی مشکل نہیں ہونی چاہیے کہ پروردگار کسی انسان کو اپنی طرف سے کیا کیا طاقتیں بخش سکتا ہے۔ اس سرگزشت سے قرآن مجید نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ جب ایک ہوش مند مسلمان کو کوئی نعمت عطا ہو تو اس پر تکبر کرنے کے بجائے اسے عاجزی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے اور اسے ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِی الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا

مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ
وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا
كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ
وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع

ہم نے ثمود کی قوم طرف ان کے بھائی صالحؑ کو اس پیغام کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا کہ لوگو، اللہ کی بندگی کرو۔ اِس پر وہ دو فریق بن کر آپس میں جھگڑنے لگے[27]۔ صالح نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو، تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی مچائے ہوئے ہو۔ تم لوگ اللہ سے مغفرت کیوں طلب نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے؟''

انھوں نے کہا: ''ہم تو تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو ایک نحوست سمجھتے ہیں۔'' صالحؑ نے جواب دیا: ''تمھارا نصیب تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم آزمائے جا رہے ہو[28]۔''

اس شہر میں نو خاندان تھے جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور کوئی اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کیا کہ ہم صالحؑ اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے اور پھر ان کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں[29]۔

ان لوگوں نے تو یہ چال چلی اور ایک تدبیر ہم نے بھی کی جس کی انھیں کوئی خبر نہ تھی۔ اب دیکھ لو کہ ان کی چال کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے ان کو اور ان کی پوری قوم کو ہلاک کر دیا۔ یہ ہیں ان کے گھر جو ویران پڑے ہوئے ہیں، اس لیے کہ انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا۔ بے شک، اس واقعے کے اندر بڑا سبق ہے اُن لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔ اُس قوم کے ایمان اور نافرمانی سے پرہیز کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا[30]۔

لوطؑ کو بھی ہم نے (رسول بنا کر بھیجا۔) یاد کرو وہ وقت جب اس نے اپنی قوم سے کہا: ''کیا تم آنکھوں دیکھتے بدکاری کرتے ہو؟[31] کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو؟ یہ تو تم لوگ سخت جہالت کا کام کرتے ہو۔'' مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا: ''لوطؑ کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ بڑے نیک بنتے ہیں۔'' آخر کار ہم نے لوطؑ اور اس کے لوگوں کو نجات دی، سوائے اس کی بیوی کے جس کو ہم نے پیچھے رہ جانے والوں میں شمار کر رکھا تھا۔ ہم نے اُن لوگوں پر ایک بہت بُری برسات برسائی۔ یہ اُن لوگوں کے لیے کیا ہی بُری بارش تھی جن کو پہلے ہی آگاہ کیا جا چکا تھا۔ ۴۵-۵۸

[۲۷] ان میں ایک فریق حضرت صالحؑ پر ایمان لانے والوں کا تھا اور دوسرا فریق ان کے مخالفین پر مشتمل تھا۔

[۲۸] رسول کی بعثت کے زمانے میں اس کے مخاطبین پر طرح طرح کی آفتیں آتی ہیں۔ ان سے مخاطبین کو متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اگر انھوں نے رسول کی بات نہ مانی تو ان پر وہ فیصلہ کن عذاب آجائے گا جس کی خبر رسول دے رہا ہے۔ چنانچہ جب اس طرح کی آزمائشیں قوم ثمود پر آئیں تو انھوں نے اسے حضرت صالحؑ کی دعوت کی نحوست قرار دیا۔ اس پر حضرت صالحؑ نے ان کو اصل بات سمجھائی۔

[۲۹] یاد رہے کہ کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کے بالکل آخر میں ان کے خلاف ایسی ہی سازش کی۔ اس سے کئی برس پہلے قرآن مجید نے ان آیات کے ذریعے سے یہ بتا دیا کہ ایسی سازش حضرت صالحؑ کے خلاف بھی کی گئی تھی جسے اللہ نے ناکام بنا دیا۔ گویا ان آیات میں یہ پیشین گوئی ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے ایسی سازش کی تو اسے اللہ کی طرف سے یقیناً ناکام بنا دیا جائے گا۔

[۳۰] ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کے لیے یہ سبق تھا کہ اگر وہ اس دین کو قبول نہیں کریں گے تو انھیں اس دنیا میں سزا گھیر لے گی۔ ان آیات میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کا وعدہ سچ ثابت ہوا اور قرآن کی ساری پیشین گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوئیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول تھے۔

[۳۱] اس قوم کے اندر نہ صرف یہ کہ علی الاعلان بدکاریاں ہوتی تھیں، بلکہ اس پر بڑے فخر کا اظہار بھی کیا جاتا تھا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ ءٰۗاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

[پارہ نمبر 20]

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَاۗىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ

أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ
يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ءَ
اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ
وَالْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

(اے نبیؐ)، کہہ دو کہ سارا حمد و شکر اللہ کے لیے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلامتی و رحمت ہے جن کو اس نے منتخب فرمایا۔[۳۲] کیا اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جن کو یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں؟

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے وہ خوش منظر باغ اگائے جن کے درختوں کا اُگانا تمھارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی (ان کاموں میں اس کا شریک) ہے؟ (ایسا ہرگز نہیں ہے)، بلکہ یہی سیدھے راستے سے انحراف اختیار کرنے والے لوگ ہیں۔

وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھکانا بنایا، اس کے درمیان دریا جاری کیے، اس کے لیے اس نے پہاڑ بنائے اور جس نے دو سمندروں کے درمیان پردہ ڈال دیا؟[۳۳] کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی (ان کاموں میں اس کا شریک) ہے؟ (ایسا ہرگز نہیں ہے)، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

کون ہے جو محتاج کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے۔ کون اُس محتاج کے دکھ کو دور کرتا ہے اور زمین میں تمھیں اختیار بخشتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی (ان کاموں میں اس کا شریک) ہے؟ (ایسا ہرگز نہیں ہے۔) تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے؟ کون اپنی رحمت کی بارش سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی (ان کاموں میں اس کا شریک) ہے؟ بہت ہی بالا و برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

کون ہے جو تخلیق کا آغاز کرتا ہے اور پھر اس کو دوبارہ بناتا ہے؟[۳۴] کون تم کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ (ان کاموں میں اس کا) کوئی شریک ہے؟ کہو کہ تم اپنی دلیل لاؤ، اگر تم سچے ہو۔

(اے نبیؐ)، کہہ دو کہ اللہ کے سوا آسمان وزمین میں کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔[۳۵]

۵۹-۶۵

[۳۲] یہاں سے آگے توحید کے اثبات اور شرک کی نفی میں انتہائی پر اثر خطبہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس کے شروع میں اللہ کی حمد اور اللہ کے رسولوں کے لیے سلامتی ورحمت کا اعلان کیا گیا ہے، جن کے ذریعے سے ہمیں توحید کی دعوت پہنچی۔

[۳۳] یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جب دو دریا آپس میں ملتے ہیں تو ان دونوں کا پانی کئی میل تک ایک دوسرے سے علیحدہ رہتا ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ سمندروں میں میٹھے پانی کے ایسے دریا موجود ہیں جو میلہا میل تک سمندر کے کھارے پانی سے بالکل علیحدہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح سمندر کے یخ پانیوں میں گرم پانی کے دریا بہتے رہتے ہیں۔ ان سب کے ایک دوسرے سے علیحدہ رہنے اور اکٹھے کرنے کے سارے قوانین اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔

[۳۴] ہر جان دار کے کسی بھی خلیے (cell) میں اس کی تمام خصوصیات اس کے ڈی این اے (D.N.A) پر نقش ہوتی ہیں۔ نر و مادہ کے تخم تناسل کے آپس میں ملنے سے ایک انتہائی پیچیدہ اور خودکار طریقے سے تخلیق کا اعادہ ہوتا ہے۔

[۳۵] لامحدود علم صرف اللہ کا ہے۔ اس کے علاوہ سب کا علم محدود ہے۔ اسی لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ رسولوں کو بھی غیب کا صرف اتنا ہی علم اللہ کی طرف سے دیا جاتا ہے جو رسالت کی خدمت انجام دینے کے لیے ضروری ہو۔

ع ۵ ۸ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ قف بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا قف بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّا
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ
عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَ
كْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ

فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾

اے نبیؐ، آخرت کے بارے میں ان حق کے منکروں کا علم الجھا ہوا ہے، بلکہ یہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ یہ لوگ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ یہ منکرینِ حق کہتے ہیں: ''کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں (واقعی قبروں سے) نکالا جائے گا؟ اس کی دھمکیاں ہم کو بھی بہت دی گئی ہیں اور اس سے پہلے ہمارے آباواجداد کو بھی دی گئی ہیں۔ یہ تو محض اگلے وقتوں کے افسانے ہیں۔''

اے نبیؐ، (ان سے) کہو: ''زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔'' ان کے حال پر غم نہ کرو اور ان کی چالوں پر فکرمند مت ہو جاؤ۔

یہ منکرینِ حق پوچھتے ہیں: ''یہ دھمکی کب پوری ہوگی اگر تم سچے ہو؟'' (اے نبیؐ، ان سے) کہہ دو: ''بہت ممکن ہے کہ جس چیز کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو اس کا کوئی حصہ تمھارے پیچھے ہی لگا ہوا ہو۔''[۳۶] حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب تو لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے، لیکن ان میں سے بہت سے شکر گزار نہیں ہوتے۔ بلاشبہ تمھارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ یہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ آسمان و زمین میں کوئی ایسی مخفی چیز نہیں ہے جو ایک واضح رجسٹر میں درج نہ ہو۔

بے شک، یہ قرآن بنی اسرائیل پر بھی ان بہت سی چیزوں کو واضح کر رہا ہے جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ بے شک، تیرا رب اپنے حکم کے ذریعے سے اِن کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔[۳۷] وہ غالب ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ پس اے نبیؐ، اللہ پر بھروسا رکھو۔ یقیناً تم واضح حق پر ہو۔ ۶۶-۷۹

[۳۶] اس آیت کے نزول کے چند ہی سال بعد جنگ بدر کا معرکہ پیش آ گیا جس میں قریش کے تقریباً سارے مشرک سردار ہلاک کر دیے گئے۔ یوں پروردگار کی دھمکی کا ایک حصہ پورا ہو گیا۔

[۳۷] یعنی جس طرح یہ قرآن مشرکین کے غلط عقائد کی تصحیح کر رہا ہے، اسی طرح یہ قرآن اہل کتاب کو بھی اصل دین سمجھا رہا ہے اور جن چیزوں میں ان کے درمیان اختلاف تھا، اس کی حقیقت ان کو بتا رہا ہے۔ ان میں سے جو ایمان لے آئیں، ان کے لیے یہ قرآن ہدایت و رحمت ہے اور جو ایمان نہ لائیں، ان کا فیصلہ اللہ روزِ قیامت کر دے گا۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ

ضَلَالَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً
مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ
یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ
لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

اے نبیؐ، تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے، نہ بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہو، جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہیں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے پھیر کر راہ پر لانے والے بن سکتے ہو۔[۳۸] تم تو اپنی بات بس ان ہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لے آئیں۔ پس یہی لوگ فرماں بردار بنیں گے۔

جب ان (منکرینِ حق) پر بات پوری ہو جائے گی تو ہم ان کے لیے زمین سے کوئی جانور نکال کھڑا کریں گے جو ان کو بتائے گا کہ یہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔[۳۹]

(اُس دن کا خیال سب ہی کو کرنا چاہیے) جب ہم ہر امت میں سے اُن لوگوں کی ایک فوج اکٹھی کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔ پھر ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔ یہاں تک کہ جب یہ سب اکٹھے ہو جائیں گے تو (اللہ ان سے) پوچھے گا: ''کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا، حالانکہ تمھارا علم ان کا احاطہ نہیں کر سکتا تھا؟[۴۰] یا (تم اس کے علاوہ) کچھ اور کر رہے تھے؟ پھر ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر بات پوری ہو جائے گی، تب وہ کچھ نہ بول سکیں گے۔

کیا ان لوگوں نے (یہ) نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو (تاریک) بنایا تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن بنایا۔ بے شک، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لانا چاہیں۔ ۸۰-۸۶

[۳۸] یعنی جن لوگوں نے اپنے ضمیر کو مردہ کر لیا ہو، اپنے کان حق کی دعوت کی طرف سے بند کر لیے ہوں اور اپنی آنکھیں قرآن کی طرف سے بند کر لی ہوں، ان کی کوئی ذمہ داری رسول پر عائد نہیں ہوتی۔

[۳۹] یعنی جب رسول کے مخالفین پر اتمام حجت ہو جائے گا اور ان کے لیے سزا کا فیصلہ ہو جائے گا تو ان کو سزا دینے کے لیے اللہ کو کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑے گا۔ اگر اس وقت اللہ کسی جانور کو بھی حکم دے تو وہ جانور ہر منکرِ حق کو پہچان جائے گا۔

[۴۰] انسان کا علم اللہ کے وجود، وحی کی کیفیت اور آخرت کے تصور کا پورا احاطہ نہیں کرسکتا، لیکن اس کو آسمانی کتابوں کے ذریعے سے ان سب پر جو دلائل دیے گئے ہیں، وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل کافی ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ
دَاخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ
اِنَّهٗ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ
جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ
رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ
فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اے لوگو، اس دن کا خیال کرو جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین کی سب چیزیں گھبرا اٹھیں گی، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ (اس گھبراہٹ سے محفوظ رکھنا) چاہے گا۔ سب لوگ سر نیچے کیے ہوئے حاضر ہو جائیں گے۔ تم پہاڑوں کو دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ ٹکے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔ یہ اس اللہ کی کاری گری ہوگی جس نے ہر چیز کو محکم کیا۔ بے شک، اللہ تمھارے افعال سے باخبر ہے۔ (اُس دن) جو لوگ بھلائی لے کر حاضر ہوں گے تو ان کے لیے اس سے بہتر صلہ ہے اور ایسے لوگ اُس دن ہر گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو برائی لیے ہوئے آئیں گے تو ایسے سب لوگ اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ تم کو بدلے میں وہی مل رہا ہے جیسے عمل تم نے کیے تھے۔

(اے نبیؐ، ان سے کہو): ''مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی بندگی کروں جس نے اس کو محترم ٹھہرایا ہے۔[۴۱] وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداری کرنے والوں میں سے بنوں اور یہ قرآن لوگوں کو سناؤں۔ اب جو ہدایت کا راستہ اختیار کرے گا تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے اختیار کرے گا اور جو گمراہی اختیار کرے گا تو میں تو بس ایک آگاہ کر دینے والا

ہوں۔"

اے نبیؐ، کہہ دو: "ساری شکر و تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان جاؤ گے۔ جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو، اس سے تمھارا رب غافل نہیں ہے[۴۲]۔" ۸۷-۹۳

[۴۱] بیت اللہ اور خانۂ کعبہ شہر مکہ میں واقع ہیں۔ اس لیے یہ شہر تا قیامت مقدس و محترم رہے گا۔

[۴۲] یعنی وہ وقت بہت جلد آ جائے گا جب دشمنانِ اسلام کی ہلاکت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا غلبہ شروع ہو جائے گا۔ اس پیشین گوئی کے ساتھ اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ قصص

[۲۸]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۲۵ میں 'قصص' کا لفظ آیا ہے، اس لیے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ 'سورۂ نمل' کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورہ میں بھی وہی مضامین زیر بحث آئے ہیں جو پچھلی سورہ میں زیر بحث آئے تھے۔ اس سورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ بات سب پر واضح کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو بھی اسی طرح کامیابی ملے گی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی ملی تھی۔ بنی اسرائیل پر بھی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ان گوشوں سے بھی اس طرح واقف ہیں جن سے تم بھی اس تفصیل اور صحت کے ساتھ واقف نہیں ہو۔

اس سورہ میں فرعون کی طاغوتی سلطنت کے ایک آلۂ کار فرد قارون کا تذکرہ بھی آیا ہے جو بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا اور اپنی دولت کے نشے میں نہایت مغرور ہو گیا تھا۔ اس طرح اس سورہ میں کئی اصولی اور اخلاقی تربیت کی باتیں بھی زیر بحث آ گئی ہیں۔

اٰیاتھا ۸۸ | # سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ
وَيَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ
وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا
مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا
تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا
وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ
وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى
فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ
فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى
اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ط۔س۔مٓ۔یہ اس واضح کتابِ الٰہی کی آیات ہیں۔ہم موسیٰؑ وفرعون کی سرگزشت کا کچھ حصہ تمھیں ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں،ان لوگوں کی ہدایت کے لیے جو ایمان لانا چاہیں۔

بے شک،فرعون سرزمینِ (مصر) میں بہت سرکش ہوگیا تھا اور اس نے اس کے باشندوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا[۲]۔ اُن میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو اس نے دبا رکھا تھا،ان کے بیٹوں کو قتل کرتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا۔بے شک،وہ زمین میں فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ اُن لوگوں پر احسان کریں جو ملک میں دبا کر رکھے گئے تھے،انھیں لوگوں کا راہنما بنائیں،اُن کو وراثت بخشیں،اُن کو زمین میں اقتدار عطا کریں اور فرعون وہامان اور ان کی فوجوں کو اِن (دبا کر رکھے جانے والوں) کے ہاتھوں سے وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انھیں ڈر تھا[۳]۔

ہم نے موسیٰؑ کی ماں کو وحی کی:''اس بچے کو دودھ پلاؤ،پھر جب تمھیں اس کی جان کا خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دو۔کوئی اندیشہ اور غم نہ کرو۔ہم اسے تمھارے پاس واپس لے آئیں گے۔ہم اسے اپنے رسولوں میں شامل کرنے والے ہیں[۴]۔''

فرعون کے گھر والوں نے موسیٰؑ (کو دریا سے) نکال دیا تا کہ وہ ان کے لیے دشمن اور غم کا سبب بنے۔واقعی فرعون وہامان اور ان کے اہلِ لشکر سے بڑی غلطی ہوئی۔فرعون کی بیوی نے (اُس سے) کہا:''یہ بچہ میرے اور تمھارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔اس کو قتل نہ کرو۔کیا عجب کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں۔''اُس وقت ان کو انجام کی کوئی خبر نہ تھی[۵]۔

(اُدھر) موسیٰؑ کی ماں کا دل بالکل بے چین ہوگیا۔قریب تھا کہ وہ اس کا راز فاش کر دیتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھاتے تا کہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کرنے والی بنی رہے۔اس نے بچے کی بہن سے کہا:''تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ''۔چنانچہ وہ اس کو دور سے دیکھتی رہی اور اُن لوگوں کو اس کی خبر نہ ہونے پائی۔

ہم نے اس بچے کو پہلے ہی سے دودھ پلانے والیوں کے دودھ سے روک رکھا تھا[۶]۔ (یہ حالت دیکھ کر) اُس لڑکی نے (اُن سے) کہا: ''کیا میں آپ لوگوں کو ایک ایسے گھر کا پتا بتاؤں جو آپ لوگوں کی خاطر اس کی پرورش کریں گے اور بڑی خیر خواہی کے ساتھ اس کی دیکھ بھال کریں گے؟''اس طرح ہم موسیٰؑ کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں،وہ غم نہ کھائے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے اگرچہ بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔۱-۱۳

[۱] یہ علیحدہ علیحدہ حروف انسان کو اس حقیقت کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ زبان وبیان اور تحریر کی صلاحیت دے کر قدرت نے اس پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

[۲] ایک حکمران کا اصل کام یہ ہونا چاہیے کہ سب شہریوں کے لیے بلا امتیاز ایک ہی قانون اور نظام عدل ومساوات قائم کرے۔لیکن فرعون نے بنی

ئیل کوغلاموں کی حیثیت دے رکھی تھی اوراپنی قبطی قوم کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل سے غلاموں کی طرح کام لے سکتے ہیں۔اس آیت سے ہمیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں غلامی انسانیت کے مرتبے کے خلاف ہے۔اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ ایک مسلمان ریاست میں نوں اورغیر مسلموں کے درمیان بھی مساوات اور انصاف لازم ہے۔

[۳] حضرت یوسفؑ کے تقریباً ایک صدی بعد مصر میں انقلاب برپا ہوگیا اور ایسے لوگ برسراقتدار آئے جنھوں نے نہ صرف بنی اسرائیل کواپنا غلام بنالیا، ہ مسلسل اس کوشش میں رہے کہ بنی اسرائیل کے مردوں کی تعداد بھی گھٹ جائے تاکہ یہ لوگ ان کے اقتدار کے لیے خطرہ نہ بنیں۔ یہ پروردگار کا قانون ہ اگر دنیا میں کسی جگہ ظلم حد سے بڑھ جائے تو قدرت ایسے حالات پیدا کردیتی ہے جس میں ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا جاتا ہے۔چونکہ بنی اسرائیل خود آزادی ں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور فرعون کا ظلم ان کی اس ڈیوٹی میں بھی مزاحم ہو رہا تھا کہ وہ دنیا بھر میں اسلام کی دعوت دیں گے، چنانچہ اللہ نے یہ لیا کہ ان کی دینی ذمہ داریوں کے لیے انھیں آسانی بہم پہنچائی جائے، انھیں آزاد ملک دیا جائے جہاں ان کا اپنا اقتدار ہو اور ظالموں کوان کے ہاتھ سے ی جائے۔

[۴] یہ اس وقت کا ذکر ہے جب بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل عام میں حکمران بڑی سرگرمی دکھا رہے تھے۔اسی زمانے میں جب حضرت موسیٰ علیہ م کی پیدائش ہوئی تو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ وحی کی گئی کہ جب اسے خطرہ محسوس ہو تو بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں دے۔

[۵] دریائے نیل اسرائیلیوں کی بستی کے پاس سے گزرتا ہوا فرعون کے محل کی طرف جاتا تھا۔وہاں دریا کی موجوں نے صندوق کو کنارے پر ڈال دیا اور ن کے گھر کے لوگوں کی نظر اس پر پڑ گئی۔جب دیکھا گیا کہ صندوق میں تین ماہ کا ایک بچہ پڑا ہوا ہے تو ملکہ نے جو نہایت نیک دل خاتون تھی، کہا کہ اس و قتل کرنے کے بجائے ہمارے بیٹے کی حیثیت سے پالا جائے۔

[۶] جب بچے کو دودھ پلانے کے لیے دایہ بلائی گئی تو اس نے دودھ پینے سے انکار کردیا۔اس کے بعد کئی دایائیں بلائی گئیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ م نے کسی کی چھاتی کو منہ نہ لگایا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى
ن غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ
يْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ
بِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ

عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿١٧﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ
يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ
يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِن تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ
أَن تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٩﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ
بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿٢٠﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾ ع

جب موسیٰؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کی نشو ونما مکمل ہوگئی تو ہم نے اس کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا کیا[7]۔ بہترین طریقے سے کام انجام دینے والوں کو ہم اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔

ایک دن وہ شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوا، جبکہ شہر والے غفلت میں تھے[8]۔ وہاں اس نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے ہم قوم نے موسیٰؑ کو دشمن قوم کے فرد کے خلاف مدد کے لیے پکارا۔ موسیٰؑ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کردیا[9]۔ اِس پر موسیٰؑ نے کہا: ''یہ تو ایک شیطانی عمل ہے۔ بے شک، شیطان ایک کھلا ہوا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔'' پھر موسیٰؑ نے دعا کی: ''اے میرے رب، میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، میری مغفرت فرما دے[10]۔'' چنانچہ اللہ نے اسے بخش دیا۔ بے شک، اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے[11]۔ موسیٰؑ نے کہا: ''اے رب، تو نے مجھ پر فضل فرمایا، اس لیے میں عہد کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا[12]۔''

پھر دوسرے دن وہ صبح سویرے ڈرتا اور ٹوہ لیتا ہوا شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہی شخص جس نے کل اسے مدد کے لیے پکارا تھا، آج پھر اس کو مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ موسیٰؑ نے اس سے کہا: ''تم تو ایک کھلے ہوئے شریر آدمی ہو[13]۔'' پھر جب موسیٰؑ نے ارادہ کیا کہ اُس آدمی کو پکڑے جو اِن دونوں کا دشمن تھا[14] تو وہ اسرائیلی بول اٹھا: ''اے موسیٰؑ، کیا تم آج مجھے اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو، جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کیا؟ تم تو اس ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتے ہو اور اصلاح کرنے والوں میں سے نہیں بننا چاہتے[15]۔''

شہر کے دوسرے سرے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور بولا:[16] "اے موسیٰؑ، سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ یہاں سے نکل جاؤ، میں تمھارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔" چنانچہ موسیٰؑ وہاں سے ڈرتا اور ٹوہ لیتا ہوا نکل کھڑا ہوا اور اس نے دعا کی: "اے میرے رب، مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے۔"[17] ۱۴-۲۱

[۷] اپنے والدین کے گھر میں پرورش پانے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام دینی تعلیمات سے بھی پوری واقفیت حاصل ہوگئی اور انھوں نے یہ بھی جان لیا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ دوسری طرف بادشاہ کے ہاں شہزادے کی حیثیت سے پرورش پانے کے باعث سارے دنیوی علوم بھی انھوں نے سیکھ لیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکثر اسرائیلیوں کی بستی میں جاتے اور حکمرانوں کی سختی کا مشاہدہ کرتے۔ وہ مسلسل اس کوشش میں رہتے کہ بنی اسرائیل پر ظلم کا مداوا کیا جائے۔ انھی کی کوششوں سے فرعون نے اسرائیلیوں کے لیے ہفتے میں ایک دن کی چھٹی مقرر کی۔ اس کی دلیل انھوں نے فرعون کو یہ دی کہ مسلسل کام کرنے کی وجہ سے یہ لوگ کمزور ہو جائیں گے اور حکومت کے کام کا نقصان ہوگا، چنانچہ یہ حکومت کے مفاد میں ہے کہ بنی اسرائیل کو ہفتے میں ایک دن آرام کرنے دیا جائے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی ایسے کام انجام دیے جس کی وجہ سے ان کی شہرت پورے ملک میں ہوگئی اور وہ بنی اسرائیل کی آنکھوں کا تارا بھی بن گئے۔

[۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے وقت میں اسرائیلیوں کی بستی میں جاتے تھے جب عام لوگ آرام کر رہے ہوتے تھے تاکہ وہ حکمرانوں کی نظر میں کھٹکنے نہ لگیں۔

[۹] معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قبطی شخص اسرائیلی کو مار رہا تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی کو بچانے کی خاطر قبطی کو گھونسا مارا۔ ظاہر ہے کہ یہ گھونسا صرف اس لیے تھا کہ قبطی مار پیٹ سے باز آجائے، لیکن اتفاقاً یہ گھونسا ایسا بے ڈھب پڑا کہ قبطی وہیں ہلاک ہوگیا۔ گویا بالکل بے ارادہ یہ حادثہ پیش آگیا۔

[۱۰] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاملہ کی تحقیق کیے بغیر قبطی کو گھونسا مارا تھا۔ اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے 'شیطانی کام' سے تعبیر کیا اور اللہ سے مغفرت کی دعا مانگی۔

[۱۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے اسی وقت ایک ایسا اشارہ کر دیا گیا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ ان کا قصور معاف کر دیا گیا ہے۔

[۱۲] یعنی آیندہ میں بلا تحقیق کسی کی حمایت نہیں کروں گا، بلکہ صرف اسی کی حمایت کروں گا جس کا مظلوم ہونا ثابت ہو جائے۔

[۱۳] اس فقرے کا مطلب یہ تھا کہ صرف ہم قوم ہونا اس کے لیے کافی نہیں کہ میں تمھاری حمایت کروں۔ اگر قصور تمھارا ہے تو میں تم جیسے شریر آدمی کی حمایت نہیں کروں گا۔

[۱۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے صرف گفتگو کے ذریعے سے فریقین کے جھگڑے کو نمٹانے کی کوشش کی، لیکن اسی اثنا میں قبطی نے اسرائیلی پر حملہ کر دیا جس پر آپ نے اس کو پکڑ کر علیحدہ کرنا چاہا۔ یہاں قبطی کو دشمن کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ بھی ظالم حکمران طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔

[۱۵] یہ اسرائیلی واقعۃً بڑا شریر تھا۔ اس نے غلط فہمی میں یہ سمجھا کہ آج موسیٰ علیہ السلام مجھے گھونسا مار کر قتل کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ نہ صرف یہ کہ اس نے کل والے قتل کا راز فاش کر دیا، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ اگر تم شدت پسند قوم پرستوں کی طرح ہر معاملے میں میری حمایت نہیں کرو گے تو گویا تم بھی جباروں یعنی قبطیوں کے ساتھی ہو۔

[۱۶] یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک اسرائیلی ہی کی زبان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کے قتل کا راز فاش ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ خیر خواہ خود مصر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی تفصیل سورۂ مومن میں آئے گی۔ اسی لیے اس نے یہ کہنا ضروری سمجھا کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ لگتا ہے کہ دربار میں بھی کئی لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف بن چکے تھے۔

[۱۷] قبطیوں کا شاہی خاندان یعنی اہل فرعون تو ظالم تھے ہی، وہ اسرائیلی بھی بڑا ظالم تھا، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو دفعہ اپنے جھگڑے میں الجھایا اور پھر ان کا راز بھی فاش کر دیا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ
عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۟ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى
يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ
خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَاۗءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاۗءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ
فَلَمَّا جَاۗءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ڣ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ
اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ
عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ
اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ
عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

ع ۲

(مصر سے نکل کر) جب موسیٰؑ نے مدین کا رخ کیا تو اس نے دعا کی: "امید ہے کہ میرا رب میری رہنمائی سیدھی راہ کی طرف

فرمائے گا۔'' جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے ان سے پوچھا: ''تمھیں کیا پریشانی ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ہم اس وقت تک اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور ہٹا نہ لیں۔ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں[18]۔'' تو اس نے دونوں کی خاطر پانی پلایا، پھر ایک سایے کی جگہ میں جا بیٹھا اور دعا کی: ''پروردگار، جو خیر بھی اس وقت تو میرے لیے اتارے، میں اس کا حاجت مند ہوں[19]۔''

کچھ دیر بعد ان دونوں عورتوں میں سے ایک حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی[20] اور کہنے لگی: ''میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے لیے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے، اس کا صلہ آپ کو دیں۔'' چنانچہ جب موسیٰ اس کے پاس آئے اور اسے اپنا سارا قصہ سنایا تو اس نے کہا: ''اب اندیشہ نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو[21]۔''

ان (دونوں عورتوں) میں سے ایک نے (اپنے باپ سے) کہا: ''ابا جان، اس شخص کو نوکر رکھ لیجیے، کیونکہ آپ کے لیے بہترین ملازم وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔''

اس کے باپ نے (موسیٰ سے) کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمھارے ساتھ اس شرط پر کر دوں کہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو، اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمھاری مرضی ہے[22]۔ میں تم پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا۔ ان شاء اللہ تم مجھے ایک بھلا آدمی پاؤ گے۔'' موسیٰ نے جواب دیا: ''یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر دوں، اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو۔ جو قول و قرار اس وقت ہم کر رہے ہیں، اس پر اللہ گواہ ہے[23]۔'' ۲۲-۲۸

[۱۸] مدین کا شہر اس زمانے میں فرعون کی سلطنت سے باہر تھا، اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے نکلتے ہی مدین کا رخ کیا۔ یہ وہی شہر ہے جس پر حضرت شعیبؑ کے وقت میں اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ چنانچہ مفسرین کی اکثریت نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں حضرت شعیبؑ کے پاس پہنچے تھے۔ لیکن تفسیر ابن کثیر میں اس سے اختلاف کیا گیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ ان لڑکیوں کے باپ حضرت شعیبؑ ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت شعیبؑ کا دور اس سے کئی صدیاں پہلے گزر چکا تھا۔ اگر یہ حضرت شعیبؑ ہوتے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنا تعارف بطور پیغمبر کراتے اور وہ مکالمہ نہ ہوتا جو آگے مذکور ہے۔ قرآن مجید کی دوسری جگہوں کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے جوانی میں ہی دعوت کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد جب ان کی قوم پر عذاب آیا تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے نکل گئے۔ اس کے برعکس یہ آیت ہمیں بتا رہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرنے والے صاحب ایک بوڑھے شخص تھے۔ چنانچہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہر مدین میں ایک بھلے آدمی سے ملاقات ہوئی۔

[۱۹] سائے کی جگہ میں بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ میں ایک مسافر ہوں جس کا کوئی ٹھکانا یہاں نہیں ہے۔

[۲۰] جب کوئی خاتون کسی اجنبی کے پاس آتی ہے تو یقیناً اسے حیا کے وہی تقاضے پورے کرنے چاہئیں جو سورۂ نور میں بتائے گئے ہیں۔ تاہم مردوں اور خواتین کے آپس میں گفتگو اور تبادلۂ خیال پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے۔

[۲۱] کچھ تاریخی روایات کے مطابق یہ نیک شخص پہلے فرعون کے دربار سے تعلق رکھتا تھا اور اس کو اسرائیلیوں پر ظلم و ستم سے باز رکھنے کی کوشش کرتا تھا، چنانچہ اسے فرعون کی مخالفت مول لینی پڑی اور اسے سرزمین مصر چھوڑنی پڑی۔

[۲۲] یعنی نکاح تو ابھی ہو جائے گا، لیکن اس کے بعد تمھیں چند برس میرے پاس رہنا ہوگا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس دوران میں ان کی دوسری بیٹیوں کی شادیاں ہو جائیں۔

[۲۳] یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نبوت سے پہلے تربیت کا ایک اور مرحلہ تھا تا کہ اس دوران میں ان کا خاندان بن جائے اور ان کا علم اور فہم مزید پختہ ہو جائے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ
الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ
فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾
اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ
مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ
اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ
يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ڔ بِاٰيٰتِنَآ ڔ اَنْتُمَا
وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا
سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ

معانقہ عندالمتاخرین

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

جب موسیٰ نے اپنے وعدے کی مدت پوری کر دی تو وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ مصر روانہ ہوا۔[۲۴] (راستے میں) کوہ طور کی جانب سے اس کو ایک آگ نظر آئی۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: ''مجھے آگ نظر آئی ہے۔ تم لوگ ٹھہرو تاکہ میں وہاں سے کوئی خبر یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تاکہ تم لوگ اسے تاپ سکو۔''[۲۵]

جب وہ وہاں پہنچا تو وادی کے داہنے کنارے پر، اس مبارک خطے میں ایک خاص درخت سے اس کو آواز آئی:[۲۶] ''اے موسیٰؑ میں اللہ، سارے جہان کا رب ہوں۔ تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔'' (عصا ڈالنے کے بعد) جوں ہی موسیٰؑ نے دیکھا کہ وہ لاٹھی سانپ کی طرح حرکت کر رہی ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔[۲۷] (ارشاد ہوا): ''اے موسیٰؑ، پلٹ آؤ اور خوف نہ کرو۔ تم بالکل محفوظ ہو۔ تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال دو، وہ بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا نکلے گا۔ سکیڑ لو اپنا بازو جس طرح خوف سے بازو سکیڑ لیتے ہیں۔[۲۸] یہ تیرے رب کی جانب سے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے دو روشن نشانیاں ہیں۔ بے شک، وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔''

موسیٰؑ نے کہا: ''اے رب، میں تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں، ڈرتا ہوں کہ وہ بھی مجھے قتل کر دیں گے۔[۲۹] میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ زبان آور ہے، اس کو بھی میرے ساتھ مددگار کی حیثیت سے بھیج تاکہ وہ میری تائید کرے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے۔'' ارشاد ہوا: ''ہم تمھارے بھائی کو بھی تمھارے لیے قوتِ بازو بنائیں گے اور تم دونوں کو وہ خاص دبدبہ عطا کریں گے کہ فرعون اور اس کے ساتھی تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ (جاؤ)۔ یقیناً تم اور تمھاری پیروی کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔''

پھر جب موسیٰؑ اُن لوگوں کے پاس ہماری نہایت واضح نشانیاں لے کر پہنچا تو انھوں نے کہا: ''یہ تو محض ایک بناوٹی جادو ہے۔ ایسی باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی نہیں سنیں۔'' موسیٰؑ نے جواب دیا: ''میرا رب اُس شخص کے حال سے خوب واقف ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے۔ (وہی اللہ بہتر جانتا ہے کہ) آخری انجام کس کا اچھا ہوگا۔ ظالم لوگ ہرگز فلاح پانے والے نہیں بنیں گے۔'' ۲۹-۳۷

[۲۴] اس وقت وہ فرعون مر چکا تھا جس کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر چھوڑنا پڑا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ اب وہاں حالات بدل چکے ہوں گے اور اس واقعے کو لوگ فراموش کر چکے ہوں گے چنانچہ مجھے اپنے اسرائیلی بھائیوں کی مدد کے لیے دوبارہ مصر جانا چاہیے۔

[۲۵] یہ سخت سردی کی ایک ایسی رات کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام صحرائے سینا کو پار کرتے ہوئے راستہ بھول چکے تھے۔

[۲۶] اس جگہ کو اس تفصیل سے بتانے کا قرآن مجید کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پورے ہوش و حواس کے ساتھ ایک خاص جگہ سے واضح آواز سنائی دی جس میں کسی شک کا کوئی وہم نہیں ہوسکتا تھا۔

[۲۷] پیغمبروں کو نبوت کے ابتدائی مشاہدات بالکل اچانک پیش آتے ہیں۔ ان کے ذہن میں پہلے سے نہ ان کا کوئی تصور ہوتا ہے، نہ ارمان اور نہ کوشش، اس وجہ سے شروع شروع میں وہ ان سے گھبرا جاتے ہیں۔ پھر اللہ ان کو بتدریج ان نشانیوں سے مانوس کر دیتا ہے۔

[۲۸] اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈالنے کا طریقہ بتایا گیا۔

[۲۹] یعنی اگر میں خاموشی کے ساتھ وہاں رہنا شروع کردوں تو شاید میرا نوٹس نہیں لیا جائے گا، لیکن اگر میں فرعون کے دربار میں اپنے پورے تعارف کے ساتھ جاؤں گا تو وہ میرے خلاف پرانا مقدمہ اٹھا کر مجھے قتل کر سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ قتل خطا تھا، لیکن ان لوگوں کو بہانہ تو مل جائے گا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَآ أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي ج فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل
لِّي صَرْحًا لَّعَلِّيْ أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ج فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ج وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ﴿۴۱﴾ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي
هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ج وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿۴۲﴾ ع وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِن بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا ع
الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ
قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۴۴﴾ وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ج وَمَا
كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ
نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّآ أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۶﴾

فرعون نے کہا: "اے درباروالو، میں تو اپنے سوا تمھارے لیے کسی اور معبود سے واقف نہیں۔ اے ہامان، مٹی کی عمارت بنوا کر اس پر آگ

دہکادواور میرے لیے ایک اونچا محل بنواؤ تاکہ میں موسیٰؑ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں، میں تواس کوایک جھوٹا آدمی خیال کرتا ہوں[30]"۔

فرعون اوراس کی فوجوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا[31] اورانھوں نے گمان کیا کہ ان کو کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔ آخرکار ہم نے اس کواوراس کی فوجوں کو پکڑااور سمندر میں پھینک دیا۔ پس دیکھ لو کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا! ہم نے ان کو دنیا میں جہنم کی طرف دعوت دینے والے سردار بنایا اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہ ہوگی۔ اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت (یعنی رحمت سے دوری) لگادی ہے[32] اور قیامت کے دن وہ خوار ہونے والوں میں سے ہوں گے۔

اگلی نسلوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی، لوگوں کے لیے بصیرت بخشنے والی اور ہدایت و رحمت بنا کر تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اے نبیؐ، تم اُس وقت اُس پہاڑ کے مغربی گوشے میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰؑ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اور تم ان لوگوں میں بھی شامل نہ تھے جو وہاں موجود تھے۔ لیکن درمیان میں ہم نے بہت سی قومیں اٹھائیں اوران پر ایک زمانہ گزر گیا ہے۔ تم مدین والوں میں بھی ہماری آیات کے سناتے وقت مقیم نہ تھے، لیکن ہم تم کو ایک رسول بنانے والے تھے (اس لیے ہم نے اس سرگزشت سے تم کو باخبر کیا)۔ تم اُس وقت کوہ طور کے دامن میں بھی موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰؑ کو پکارا تھا۔ لیکن (یہ معلومات) تمھارے رب کی رحمت ہیں تاکہ تم ایک ایسی قوم کو متنبہ کردو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں[33]۔ ۳۸-۴۶

[۳۰] اہل فرعون کے مذہب میں سب سے بڑا دیوتا سورج تھا اور فرعون دنیا میں اس کا نمائندہ تھا۔ اسی لیے اس نے ایک ان دیکھے اللہ کے وجود سے انکار کیا اور مذاق اڑانے کے لیے یہ بات کہی۔ نینوا اور مصر وغیرہ میں تعمیر کا یہ طریقہ معروف رہا ہے کہ مٹی کا مکان بنا کر اس پر خوب آگ دہکاتے جس سے وہ عمارت نہایت مضبوط ہو جاتی۔

[۳۱] آسمان وزمین میں تکبر کا حق صرف پروردگار کا ہے۔ انسان کو کسی حالت میں بھی تکبر نہیں کرنا چاہیے اور کسی دوسرے کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھنا چاہیے۔

[۳۲] یعنی جب تک یہ دنیا قائم ہے، اس وقت تک یہ منکرین حق عذاب برزخ میں مبتلا رہیں گے۔

[۳۳] قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ سرگزشت صحیح تفصیل اور صحت وصداقت کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس کے مقابلے میں تورات کا بیان بہت بے ربط ہے اور توحید کی دعوت کے ان تمام ضروری اجزا سے بھی خالی ہے جو اس سرگزشت کی اصل روح ہیں۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے بتایا گیا ہے۔ اللہ نے یہ سارا اہتمام اس لیے فرمایا کہ سرزمین عرب کے رہنے والوں کو دین اپنی صحیح شکل میں پہنچ سکے اور پھر وہ ساری دنیا میں اس دین کی دعوت کو عام کریں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ
وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ
يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا
يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ ع ۸/۸
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ النصف
يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا
اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا
تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى
مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اے نبیؐ، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اِن منکرینِ حق پر ان کے اعمال کے سبب سے کوئی آفت آئی تو یہ کہیں گے: ”اے ہمارے رب، تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان والون میں سے بنتے۔“

مگر جب ہمارے ہاں سے ان کے پاس حق آ گیا تو یہ لوگ کہتے ہیں: ”جس طرح کے معجزے موسیٰؑ کو دیے گئے تھے، اس طرح کی چیز اس رسول کو کیوں نہیں ملی؟“ کیا اِس طرح کے منکرینِ حق نے اُس چیز کا انکار نہیں کیا جو اس سے پہلے موسیٰؑ کو دی گئی تھی۔ (اُس

وقت تو) منکرینِ حق نے کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم موسیٰؑ وہارونؑ کے بالکل منکر ہیں۔[34]

(اے نبیؐ، ان منکرینِ حق سے) کہو: ''اللہ کی طرف سے کوئی اور کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو۔ میں اُس کی پیروی اختیار کرلوں گا، اگر تم سچے ہو۔[35]'' اگر یہ (منکرینِ حق) تمھارا یہ چیلنج قبول نہ کریں تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے والے ہیں۔ بھلا اس شخص سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟ اللہ ایسے ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا۔[36]

ہم نے انسانوں کے لیے کلام کے تسلسل کو قائم رکھا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے الکتاب عطا کی تھی، وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں[37] اور جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: ''ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک، یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم تو پہلے سے ہی مسلم ہیں۔'' یہ وہ لوگ ہیں جن کو دگنا اجر ملے گا،[38] اس لیے کہ وہ ثابت قدم رہے، وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انھیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اسے نظرانداز کردیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمھارے اعمال تمھارے لیے۔ پس ہمارا سلام لو، ہم جاہلوں سے الجھنا پسند نہیں کرتے۔[39]''

اے نبیؐ، تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ ہی جس کو چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنا چاہتے ہیں۔

یہ منکرینِ حق کہتے ہیں: ''اگر ہم تمھارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو ہم اپنے ملک سے اُچک لیے جائیں گے۔[40]''

(ان کی یہ دلیل بالکل غلط ہے) کیا (یہ واقعہ نہیں ہے کہ) ہم نے ایک پُرامن حرم کو ان کے لیے رہنے کی جگہ بنادیا جس کی طرف خاص ہمارے فضل سے ہر طرح کی پیداوار کھنچی چلی آرہی ہے۔ لیکن ان کے بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔[41] ۴۷-۵۷

[۳۴] یعنی یہ معجزے تو بالکل شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے دیے گئے تھے کہ فرعون ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس کے باوجود فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔

[۳۵] یعنی اگر میری اس دعوت میں تم کو کوئی ٹیڑھ یا کمزوری نظر آتی ہے تو تم اس سے کوئی بہتر دعوت پیش کرو۔

[۳۶] ان منکرین حق کے اس دعوت کو قبول نہ کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق چلنا چاہتے ہیں اور ان پر کوئی پابندی نہیں لگانا چاہتے۔

[۳۷] یہاں مراد وہ صالحین اہل کتاب ہیں کہ جب انھوں نے قرآن کو سنا تو فوراً ان کے دل اور ضمیر نے یہ گواہی دی کہ یہ قرآن پچھلی کتابوں کا تسلسل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے آخری رسول ہیں۔

[۳۸] ان کو دگنا اجر اس لیے ملے گا کہ یہ لوگ پہلے بھی سیدھے راستے پر تھے اور اب جب آخری رسول آ گیا تو وہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

[۳۹] یہاں اچھے اہل کتاب کی چار صفات اس مقصد سے بیان کی گئی ہیں کہ ہر صاحب ایمان کو چاہیے کہ ان پر عمل کرے۔ ان میں سب سے پہلی چیز صبر و ثابت قدمی ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اگر دوسرے ان سے برائی کریں تو یہ اس کے جواب میں ان سے بھلائی کرتے ہیں اور اگر خود ان سے گناہ سرزد ہو جائے تو زیادہ نیکیاں کر کے اس گناہ کو دھو ڈالتے ہیں۔ تیسری چیز یہ کہ وہ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں اور کمزور بندوں پر خرچ کرتے ہیں۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ اگر دین کی دعوت دینے کے درمیان مخاطب ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب پر اتر آئے تو یہ لوگ اس وقت مخالفین سے الجھنے کے بجائے ان سے وقتی طور پر کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں اور بحث کو سمیٹ لیتے ہیں۔

[۴۰] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر سرداران قریش کا ایک بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر ہم اس دعوت کو قبول کر لیں تو پھر دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ہماری بڑائی اور برتری ختم ہو جائے گی، کیونکہ یہ دین تو مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ پھر دوسرے لوگ ہمیں زندہ ہی نہ رہنے دیں۔

[۴۱] یعنی جس طرح اللہ نے آج تک تم پر اپنا فضل و کرم کیا ہے، اگر تم اسلام قبول کر لو تو یہ فضل و کرم جاری رہے گا۔

اس سے دین کا یہ اصول ہمارے سامنے آتا ہے کہ دنیا ہو یا آخرت، پروردگار کسی شخص کو صرف اسی وقت سزا دیتا ہے جب اس کو حق اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہوتا ہے اور وہ جان بوجھ کر اس سے انکار کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ
الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي
الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ
وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾
قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا

نَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ

انُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ

هُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

کتنی ہی ایسی بستیاں ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر ناشکری کرنے والے بن گئے تھے۔ (سو دیکھ لو)، یہ ہیں ان
ں بستیاں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے۔ بالآخر ہم ہی سب چیزوں کے وارث بن گئے۔ اے نبیؐ، تیرا رب بستیوں کو ہلاک
رنے والا نہیں بنتا جب تک ان کے مرکز میں کوئی رسول نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے۔ ہم بستیوں کو ہلاک کرنے
لے نہیں بنتے، مگر صرف اسی وقت جب ان کے باشندے اپنے اوپر ظلم ڈھانے والے بن جاتے ہیں۔

اے لوگو، تمھیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ تو محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے۔ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے
تر اور پائدار ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ کیا وہ شخص جس سے ہم نے ایک اچھا وعدہ کیا ہے اور وہ اسے پانے والا ہے،
ھی اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف دنیا کی زندگی کا ساز و سامان دیا ہو اور پھر وہ قیامت کے روز سزا کے لیے حاضر کیا
نے والا ہو؟

اے لوگو، اس دن کا خیال رکھو جس دن اللہ ان (مشرکین) کو پکارے گا اور پوچھے گا: ''کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک گمان کرتے
ے؟'' یہ بات جن پر پوری آئے گی[42]، وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب، بے شک یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔ ہم نے
ں اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے۔ ہم تیرے حضور ان سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہماری بندگی نہیں
تے تھے[43]۔'' پھر ان مشرکین سے کہا جائے گا: ''اب اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بلاؤ۔'' یہ انھیں پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی
ب نہ دیں گے۔ اس طرح یہ لوگ عذاب سے دوچار ہو جائیں گے۔ کاش، یہ لوگ ہدایت اختیار کرنے والے بنتے۔

اے لوگو، اس دن کا دھیان رکھو جس دن اللہ ان منکرینِ حق کو پکارے گا اور پوچھے گا: ''تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟'' اُس
ت ان کو کوئی جواب نہ سوجھے گا اور نہ ہی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اس کا جواب معلوم کر سکیں گے۔ ہاں، جس نے (آج)
کر لی، ایمان لے آیا اور عملِ صالح کیا تو توقع ہے کہ وہ کامیابی پانے والوں میں سے ہوگا۔ ۵۸-۶۷

[۴۲] یعنی وہ بزرگ ہستیاں جن کی عبادت اس دنیا میں لوگ کرتے ہیں۔

[۴۳] اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دراصل ہماری عبادت کی آڑ میں اپنی خواہش نفس کی پوجا کر رہے تھے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ
مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ
وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِ
يَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اے انسان، تیرا رب ہی پیدا کرتا ہے، (جو کچھ چاہتا ہے) اور منتخب کرتا ہے، جسے چاہتا ہے۔ ان (منتخب کی ہوئی مخلوقات) کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔[۴۴] اللہ پاک و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ تیرا رب جانتا ہے جو کچھ لوگ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہی ایک اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کے لیے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ فیصلے کا اختیار اسی کے پاس ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جانے والے ہو۔

(اے نبیؐ، ان سے) کہو کہ بتاؤ، اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے، قیامت تک رات ہی کو مسلط کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمھارے پاس روشنی لے آئے؟ کیا تم لوگ سنتے نہیں؟ (ان سے مزید) پوچھو کہ تم لوگ بتاؤ، اگر اللہ تم پر دن ہی کو قیامت تک ہمیشہ کے لیے مسلط کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمھارے لیے رات کو لے آئے، جس میں تم سکون پاتے ہو؟ کیا تم لوگ (اللہ کی یہ نشانیاں) نہیں دیکھتے؟ اسی اللہ نے اپنی رحمت سے تمھارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ تم (رات میں) سکون حاصل کرو اور

(دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ (یہ ساری نشانیاں اس لیے ہیں) تا کہ تم شکر گزار بنو۔[۴۵]

(اُس دن کا خیال کرو) جس دن اللہ ان مشرکین کو پکارے گا اور پوچھے گا: ''کہاں ہیں وہ سب جن کو تم میرا شریک خیال کرتے تھے؟'' اُس وقت ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو نکال لائیں گے اور لوگوں سے کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو۔ اُس وقت انھیں معلوم ہو جائے گا کہ حق اللہ کی طرف ہے اور جو کچھ وہ جھوٹ گھڑتے رہے تھے، وہ سب ہوا ہو جائیں گے۔ ۶۸-۷۵

[۴۴] یعنی اگر اللہ نے فرشتوں کو کسی اہم کام کے لیے منتخب کر لیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انھیں کائنات میں کوئی اختیار حاصل ہو گیا ہے۔

[۴۵] زمین وآسمان کی ہر چیز توحید کی نشانی ہے اور اگر انسان غور وفکر کرے تو وہ ایک موحد اور پرہیز گار بندہ بن جائے گا۔ یہاں قرآن مجید نے رزق حلال اور اس کے لیے دوڑ دھوپ کو 'اللہ کا فضل' قرار دیا ہے۔ گویا دیانت داری کے ساتھ رزق حلال کی ہر کوشش کار ثواب ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ
اُولِى الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا
تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ
مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ
قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ
وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾ وَاَصْبَحَ
الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ
مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا

يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۸۳﴾ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ جَآءَ
بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِىۡ فَرَضَ عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ
لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰى وَمَنۡ هُوَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ
يُّلۡقٰۤى اِلَيۡكَ الۡكِتٰبُ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ ظَهِيۡرًا لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ
بَعۡدَ اِذۡ اُنۡزِلَتۡ اِلَيۡكَ وَادۡعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۟ كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ لَهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۸﴾

قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہو گیا۔[۴۶] ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے جن کی کنجیاں طاقت ور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے ہی اٹھا سکتی تھی۔[۴۷] (ایک دفعہ) جب اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا: ''اِترا او مت، اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ نے تجھے جو مال دیا ہے، اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو۔ دنیا میں سے اپنے حصے کو (جو تمھیں اللہ کی راہ میں دینا ہے) نہ بھولو۔ جس طرح اللہ نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے، اسی طرح تم بھی (دوسروں کے ساتھ) احسان کرو۔ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

قارون نے جواب دیا: ''مجھے یہ سب کچھ اپنے ذاتی علم کی بدولت ملا ہے۔''[۴۸] کیا اس نے یہ نہیں جانا تھا کہ اللہ اس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے؟ (ان مجرموں کا جرم اتنا واضح ہوگا کہ) ایسے مجرموں سے تو ان کے جرائم کے بارے میں سوال بھی نہیں کیا جائے گا۔

(ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے پوری شان وشوکت کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ صرف اسی دنیا کی زندگی کے طالب تھے، وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے: ''کاش، ہمیں بھی وہی کچھ حاصل ہوتا جو قارون کو حاصل ہے۔ یہ تو بڑا نصیبے والا ہے۔''[۴۹] مگر جن لوگوں کو علم عطا ہوا تھا، انھوں نے کہا: ''افسوس تمھارے حال پر۔ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے لیے اللہ کا اجر اِس سے کہیں بہتر ہے۔'' دانائی کی یہ دولت صرف صبر کرنے والوں ہی کو عطا ہوتی ہے۔[۵۰]

آخر کار ہم نے قارون کو اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا۔[51] پھر اس کے حامیوں کا ایسا کوئی گروہ موجود نہ تھا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کر سکتا اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا۔ چنانچہ وہ لوگ جو کل اُس جیسی دولت کی تمنا کر رہے تھے، پکار اٹھے: ''یقیناً اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے، رزق کو کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے)، اندازے سے دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ یقیناً، منکرینِ حق فلاح نہیں پائیں گے۔''[52]

اے انسانو، وہ آخرت کا گھر تو ہم انھی لوگوں کے لیے مخصوص کریں گے جو زمین میں غرور اور فساد کے چاہنے والے نہیں ہیں۔ آخرت کی کامیابی پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔ جو کوئی نیکی کما کر لائے گا تو اُس کے لیے اس سے بہتر اجر ہے اور جو بدی کما کر لائے گا تو برائیاں کرنے والوں کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے انھوں نے عمل کیے۔

اے نبیؐ، بے شک جس اللہ نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ تمھیں ایک بہترین انجام تک پہنچا کر رہے گا۔[53] اعلان کر دو: ''میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اللہ کی ہدایت لے کر آیا ہے اور کون کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔''

اے نبیؐ، تم ہرگز اس بات کے امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے۔ یہ تو محض تیرے رب کی رحمت ہے[54]، پس تم حق کے منکروں کے حمایتی نہ بنو۔ یہ منکرینِ حق تم کو اللہ کی آیات سنانے سے روکنے نہ پائیں، جبکہ وہ تمھاری طرف نازل کی جا چکی ہوں۔ اپنے رب کی طرف دعوت دو اور ہرگز مشرکین میں شامل نہ ہو۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔[55] اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ فیصلہ اسی کے اختیار میں ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔[56] ۷۶-۸۸

[۴۶] قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا اور فرعون کے دربار میں اہم عہدہ رکھتا تھا۔ چونکہ اس کا تعلق بھی بنی اسرائیل کے مذہبی خاندان یعنی بنی لاوی سے تھا، اس لیے اس نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ہمارے خاندان کے سب آدمی یکساں مقدس ہیں اور صرف موسیٰ علیہ السلام و ہارون ہی کو یہ حق نہیں کہ وہ پوری قوم کی پیشوائی کریں۔ اپنے مذہبی رتبے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے بڑی مال و دولت جمع کر لی تھی۔ گویا اس کی حیثیت وہی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابولہب کی تھی۔

[۴۷] اس زمانے کے بڑے سرمایہ دار عام طور پر زمین دوز خزانے بناتے اور ان کو محفوظ کرنے کے لیے ان کے دروازوں میں بڑے بڑے آہنی کنڈے لگا کر ان میں بہت بھاری لوہے کے اڑنگے، جو خاص اسی غرض کے لیے تیار کیے جاتے، پھنساتے۔ یہی طریقہ اس زمانے میں قلعوں کے آہنی دروازوں کو بند کرنے کے لیے بھی اختیار کیا جاتا۔ جب بھی ان کو ہٹانے یا اٹھانے کی ضرورت پیش آتی تو اس کے لیے بہت سے آدمیوں کی ضرورت ہوتی۔

[۴۸] اس دنیا میں ہر متکبر اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ میرا سارا مال میری تدبیر، مہارت اور قابلیت کی وجہ سے مجھے ملا ہے اور اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا فرد اپنی دولت میں اللہ کے بندوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتا۔

[۴۹] کسی چیز کے صرف ظاہری پہلو پر توجہ دینے والے، صرف دولت ہی کو سب کچھ سمجھنے والے اور جلد باز لوگ ایسی شان و شوکت سے بہت جلد مرعوب

ہو جاتے ہیں۔

[۵۰] اس دنیا میں مال و دولت کے معاملے میں صبر کا رویہ اختیار کرنے والوں ہی کو اطمینان قلب میسر آتا ہے۔ اصل دانائی کے مرتبے پر یہی لوگ فائز ہوتے ہیں۔

[۵۱] تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون اور اس کے ساتھیوں کے زمین میں دھنسائے جانے کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لعنت اور بددعا کے نتیجے میں پیش آیا۔

[۵۲] کمزور ذہن کے لوگ جب کسی کو بااقتدار یا دولت مند دیکھتے ہیں تو اس پر حد درجہ رشک کرنے لگتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ یہ اقتدار اور دولت عارضی و فانی ہے۔ البتہ جب کوئی حکمران یا سرمایہ دار نیچے گر جاتا ہے تو اس عملی مظاہرے کے نتیجے میں تب ان لوگوں کو صحیح بات سمجھ میں آتی ہے۔

[۵۳] اس آیت کے ذریعے سے مکی دور میں ہی قرآن مجید نے دنیا و آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی ایسی پیشین گوئی کر دی جو مکمل طور پر پوری ہوئی۔

[۵۴] ایک پیغمبر ہمیشہ اس بات سے بالکل بے خبر ہوتا ہے کہ اسے نبی یا رسول بنایا جانے والا ہے۔ اس کا خیال یا ارادہ یا خواہش کبھی ان کے دل میں نہیں آئی ہوتی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کب پیغمبری مل جائے۔ درحقیقت یہ بھی پیغمبر کی حقانیت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ اس منصب کے ملنے سے پہلے اس نے ان مسائل پر کبھی بات نہیں کی ہوتی اور پھر اچانک ایک دن اس کی زبان سے ایسی باتیں نکلتی ہیں جو ہدایت کے معاملے میں حرف آخر ہوتی ہیں۔ اس کے بالکل برعکس عام لوگوں کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کسی علم یا فن کے بارے میں کئی برس تک محنت اور کوشش کریں تو تب ان کو اس میں کسی حد تک مہارت حاصل ہوتی ہے۔

[۵۵] یہ قرآن مجید کا وہی اسٹائل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے باقی لوگوں کو ہدایت کی بات سنائی جاتی ہے۔

[۵۶] اس مبارک سورہ کا اختتام توحید کے اس واضح اعلان پر کیا گیا ہے۔

سورۂ عنکبوت

[۲۹]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۴۱ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ کی آیات نمبر ۵۶ تا ۶۰ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ سورہ ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس سورہ کا آغاز ان لوگوں کو مخاطب کر کے ہوا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے جرم میں ستائے جا رہے تھے۔ ان میں خصوصی طور پر نوجوان اور غلام شامل تھے۔ اس صورت حال نے کمزور ارادے کے لوگوں کے اندر قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت سے متعلق کئی سوالات پیدا کر دیے تھے جن کا برسر موقع جواب دینا ضروری تھا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس سورہ کے نزول کے کچھ ہی عرصہ بعد مسلمانوں میں سے چند افراد کو حبشہ ہجرت کرنی پڑے گی، چنانچہ اہل کتاب سے بحث مباحثے کا طریقہ ان کو پیشگی طور پر سمجھا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سورہ میں توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق مضامین کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

اس سورہ میں زیر بحث مضامین ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے ہمیں ان اصولوں کا پتا چلتا ہے جن پر ہمیں اس دنیا میں عمل پیرا ہونا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے کس طرح مسلمانوں کو مستقبل کے ہر معاملے سے متعلق پیشگی طور پر سمجھا دیا تھا۔

ایاتہا ۶۹ — سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتہا ۷

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ
سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾ وَمَنْ جَاهَدَ
فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ
لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے اور جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

الف۔لام۔میم۔کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ: ''ہم ایمان لے آئے۔'' اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں[1]۔ اللہ کو لازماً یہ معلوم کرنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون[2]۔

کیا وہ لوگ جو برائیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں، یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے قابو سے باہر نکل جائیں گے؟ بڑا ہی غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

جو کوئی بھی اللہ سے ملنے کی توقع رکھتا ہے، وہ اطمینان رکھے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آ کر رہے گا[3]۔ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جو شخص بھی ہماری راہ میں جدوجہد کر رہا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لیے کر رہا ہے[4]۔ اللہ یقیناً دنیا جہان والوں سے بے نیاز

ہے۔ جولوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو ہم ان کی برائیاں اُن سے دور کر دیں گے اور انھیں ان کے عمل کا بہترین بدلہ دیں گے۔

ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے، لیکن اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرالو جس کے بارے میں تمھیں کوئی علم نہیں، تو ان کی بات مت مانو[۵]۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمھیں آگاہ کروں گا کہ تم نے کیا عمل کیے ہیں۔ جولوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے اچھے عمل کیے تو ایسے لوگوں کو ہم صالحین کے گروہ میں داخل کریں گے۔ ۱-۹

[۱] پروردگار کے طریقے کے مطابق دنیوی کامیابی رسول کے ساتھیوں کا مقدر ہوتی ہے، لیکن اس کامیابی سے پہلے لازماً ان پر بہت سی آزمایشیں آتی ہیں تاکہ کھرے اور کھوٹے الگ الگ ہو جائیں۔ اس دنیا میں عام اہل ایمان پر بھی کئی آزمایشیں آتی ہیں۔ ان آزمایشوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کون صبر اور شکر سے کام لینے والا اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے والا ہے۔

[۲] اللہ کو تو یقیناً سب کی نیتیں معلوم ہیں، لیکن انصاف کے تقاضوں کے تحت یہ ضروری ہے کہ لوگوں پر ان کی نیتیں ان کے اعمال کے حوالے سے ثابت کی جائیں۔

[۳] یعنی جولوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر ظلم کر رہے ہیں، ان کو متنبہ ہونا چاہیے کہ ان کو اس دنیا میں بھی پکڑ لیا جائے گا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مظلوم ساتھیوں کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ ان کا دنیوی غلبہ قریب ہی ہے۔

[۴] یہ اصولی بات ہر مومن کو یاد رکھنی چاہیے کہ اس نے اس دین کو اس لیے قبول کیا ہے کہ یہی سچا دین ہے اور اگر وہ اس کے لیے جدو جہد کر رہا ہے تو دراصل یہ اس کے اپنے فائدے کی بات ہے، کیونکہ اس طرح اس کو جنت کی ابدی نعمتیں عطا کی جائیں گی۔

[۵] زمانۂ رسالت میں نوجوانوں کی ایک تعداد نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے والدین ان سے کہتے تھے کہ اگر تم ہمارے فرماں بردار ہو تو تمھیں اپنے آبائی دین کی جانب پلٹنا پڑے گا۔ چنانچہ قرآن مجید نے یہ بات واضح کر دی کہ والدین سے بہترین سلوک ضروری ہے، لیکن ان کی کوئی غلط بات نہیں ماننی چاہیے۔ یہی اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا

هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٢﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ
وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا ع
خَمْسِينَ عَامًا ۖ فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً
لِلْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّمَا
تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ
رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ
مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٨﴾

اے نبیؐ، لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، لیکن جب اللہ کی راہ میں انھیں تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لوگوں کے پہنچائے ہوئے دکھ کو اللہ کی سزا کے مانند قرار دے بیٹھتے ہیں[6]۔ اب اگر تیرے رب کی طرف سے کوئی مدد ظاہر ہوگی تو یہ لوگ کہیں گے: ''ہم تو تمھارے ساتھ تھے۔'' کیا دنیا والوں کے دلوں کا حال اللہ کو معلوم نہیں ہے؟ یقیناً اللہ سچے اہلِ ایمان کو علیحدہ کرے گا اور منافقین کو علیحدہ کرے گا[7]۔

حق کے منکر، ایمان والوں سے کہتے ہیں: ''تم ہمارے طریقے پر چلتے رہو، تمھارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھالیں گے[8]۔'' حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں بن سکیں گے۔ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ البتہ یہ لوگ (روزِ قیامت) اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے بہت سے بوجھ بھی[9]۔ قیامت کے دن یقیناً ان سے اِن جھوٹی باتوں کی پوچھ گچھ ہوگی۔

ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ وہ ان کے درمیان پچاس کم ایک ہزار برس تک رہا[10]۔ اُن لوگوں کو اس حال میں طوفان نے آگھیرا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ پس ہم نے نوحؑ اور اس کشتی والوں کو بچالیا اور اس واقعہ کو دنیا والوں کے لیے ایک عظیم نشانی بنا دیا[11]۔

ابراہیمؑ کو بھی (ہم نے رسول بنا کر بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: ''اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو۔ اگر تم جاننا چاہو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی پوجا کر رہے ہو وہ تو محض بت ہیں اور (اس طرح تم اللہ پر) بہتان لگا رہے ہو۔ اللہ

کے سواتم جن چیزوں کی بھی پرستش کرتے ہو وہ تمھیں رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتیں، اس لیے اللہ ہی سے رزق مانگو، اسی کی بندگی کرو اور اسی کے شکر گزار رہو۔ اسی کی طرف تمھیں لوٹایا جائے گا۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو یاد رکھو کہ تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔ رسول پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔'' ۱۰-۱۸

[۶] یہاں قرآن مجید نے رسول کی قوم پر آنے والے اللہ کے عذاب اور عام دنیوی آزمایشوں کے درمیان فرق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ رسول کی نافرمان قوم پر اللہ کا عذاب با قاعدہ وارننگ اور وقت کے تعین کے ساتھ یوں آتا ہے کہ ہر نافرمان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے اور اہل ایمان کو غلبہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس عام دنیوی آزمایشیں وقتی نوعیت کی ہوتی ہیں جو آتی ہیں اور گزر جاتی ہیں۔

جب اہل ایمان دعوت حق کا کام کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس راستے میں بھی سختیاں ناگزیر ہیں، لیکن ایک مومن ان سب تکلیفوں کے لیے ذہنی طور پر پوری طرح تیار ہوتا ہے اور ان تکلیفوں کے صلے میں جنت کا امیدوار ہوتا ہے۔

[۷] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور میں بھی کمزور ایمان والے کچھ لوگ موجود تھے۔ ان آیات میں انھی کو مخاطب کر کے منافقت کی روش سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور ان کو اشارتاً یہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ کی مدد جلد آ کر رہے گی۔

[۸] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ دشمنان اسلام ایسے بھی تھے جو مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے آبائی دین پر چلتے رہو اور اگر کوئی روز آخرت ہوا تو تمھارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھا لیں گے۔

[۹] اس دنیا میں جو بھی برائی کا پھیلانے والا بنتا ہے، اس کے فریب میں آ کر جتنے لوگ برائی کرتے ہیں، اس کا گناہ بھی اس پہلے شخص کے اعمال نامے میں ڈالا جاتا ہے اور برائی کرنے والے کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

[۱۰] حضرت نوحؑ کی عمر کا ذکر صرف اسی سورہ میں آیا ہے۔ اس وضاحت کی اصل غرض یہ ہے کہ مومنین کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان سے پہلے پیغمبروں اور ان کے ساتھیوں کو کتنی طویل مدت تک آزمایشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ تورات کے بیان کے مطابق طوفان کے وقت حضرت نوحؑ کی عمر چھ سو برس تھی اور طوفان کے بعد وہ مزید ساڑھے تین سو برس زندہ رہے۔ تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں عمروں کی اوسط آج کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ حضرت نوحؑ کے والد کی عمر سات سو ستہتر برس، جب کہ ان کے دادا کی عمر نو سو انہتر برس مذکور ہے۔ اس دور کی کوئی دوسری تاریخی کتاب ہمارے پاس موجود نہیں ہے تاہم اگر یہ بات ذہن میں رہے کہ اس عہد میں، جبکہ یہ زمین آباد ہو رہی تھی، اگر عمروں کی اوسط زیادہ رہی ہے تو یہ حکمت الٰہی اور فطرت انسانی کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

[۱۱] غالباً اس زمانے میں آبادی بہت محدود تھی اور اس کا بھی زیادہ تر حصہ قوم نوحؑ پر مشتمل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر قوم کے تاریخی قصوں میں ایک بڑے طوفان کا ذکر ضرور ملتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ

فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗىِٕكَ ع
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ق وقف لازم
فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

(ابراہیمؑ نے مزید کہا): ''کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کو دہراتا ہے؟ بے شک، یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے تخلیق کا آغاز کیا۔ پھر اللہ دوبارہ بھی زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جس کو چاہے گا (اپنے قانون کے مطابق) عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا (اپنے قانون کے مطابق) رحم فرمائے گا۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ تم نہ زمین میں اللہ کے قابو سے باہر نکل سکو گے اور نہ آسمان میں۔ اللہ سے بچانے والا کوئی سرپرست اور مددگار تمھارے لیے نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس سے ملاقات کا انکار کیا ہے، یہی لوگ میری رحمت سے محروم ہو گئے اور انھی کے لیے ایک دردناک سزا ہے۔''[12]

پھر ابراہیمؑ کی قوم کا جواب اِس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا: ''اس کو قتل کر دو یا جلا ڈالو۔'' آخر کار اللہ نے اسے آگ سے بچا لیا۔ یقیناً اس (سرگزشت) میں ایمان لانے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔[13] ابراہیمؑ نے (ان سے) کہا: ''تم نے اللہ کے سوا جو بت بنائے ہیں، ان کی اور تمھاری دوستی بس اسی دنیا کی زندگی تک ہے۔ پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا۔ (اُس وقت) آگ تمھارا ٹھکانا ہو گی اور تمھارا کوئی مددگار نہ ہو گا۔'' اُس وقت لوطؑ حضرت

ابراہیمؑ پر ایمان لے آئے[14] اور ابراہیمؑ نے کہا: ''میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔'' ہم نے اس کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ (جیسی اولاد) عنایت فرمائی اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری کیا۔ ہم نے اس کا صلہ اُس کو دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہوگا۔ ۱۹-۲۷

[۱۲] حضرت ابراہیمؑ کی اس تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمانیات اور عقائد کے اعتبار سے اسلام کے اصول ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔

[۱۳] یہ سرگزشت ہمیں بتاتی ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے سچے رسول تھے، اس لیے اللہ نے ان کے لیے آگ ٹھنڈی کردی اور ان کی ہجرت کے بعد آلِ نمرود کو سزا دی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی مخالفین کی تمام سازشیں ناکام ہوگئیں اور اسلام کو فتح نصیب ہوگئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے سچے رسول تھے۔

[۱۴] یعنی ایک وقت وہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کی ہم نوائی کرنے والے ان کے بھتیجے حضرت لوطؑ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس کے برعکس آج اربوں افراد حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا
ع ۸ ۱۵ بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَلَمَّا جَآءَتْ
رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا
لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ
رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ
كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾
وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

لوطؑ کو بھی ہم نے رسول بنایا، جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا: ''تم لوگ ایک کھلی ہوئی بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو۔ تم سے پہلے دنیا میں کسی قوم نے بھی اس کا ارتکاب نہیں کیا۔ کیا تم مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو اور (اس طرح فطرت کی) راہ مارتے ہو؟ اور اپنی

مجلسوں میں علی الاعلان بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو؟[15]'' پھر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ بولے: ''اگر تم سچے ہو تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب لے آؤ۔''

لوطؑ نے دعا کی: ''اے میرے رب، اس مفسد قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما۔'' چنانچہ جب ہمارے پیغام لے جانے والے ابراہیمؑ کے پاس (بیٹوں کی) بشارت لے کر پہنچے تو انھوں نے (ابراہیمؑ سے) کہا: ''ہم لوطؑ کی اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس کے باشندے سخت ظالم ہو چکے ہیں۔'' ابراہیمؑ نے کہا: ''وہاں تو لوطؑ بھی موجود ہے۔'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم خوب جانتے ہیں کہ وہاں کون کون ہے۔ ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو بچالیں گے، سوائے اس کی بیوی کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔[16]''

جب ہمارے پیغام لے جانے والے فرشتے لوطؑ کے پاس پہنچے تو ان کی آمد پر وہ سخت پریشان اور دل تنگ ہوا۔ انھوں نے کہا: ''تم یہ اندیشہ یا غم نہ کرو۔ ہم تمھیں اور تمھارے متعلقین کو بچالیں گے، سوائے تمھاری بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ ہم اس بستی والوں پر، ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے آسمان سے ایک آفت اتارنے والے ہیں۔'' ہم نے اس بستی کی ایک واضح نشانی باقی رکھی، ان لوگوں کے لیے جو سوچنا سمجھنا چاہیں۔[17] ۲۸-۳۵

[۱۵] یہ دنیا کی واحد قوم تھی جس میں یہ برائی ایک بہت بڑی قدر اور فخر کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ آج تک دنیا میں اس نوعیت کی کوئی اور قوم وجود میں نہیں آئی۔

[۱۶] حضرت لوطؑ کی بیوی کی ہمدردیاں اپنی قوم کے ساتھ تھیں۔ چونکہ اللہ کے ہاں رشتہ داریاں اور برادریاں کام نہیں آتیں اس لیے اس کو بھی سزا دی گئی۔

[۱۷] اس کھلی نشانی سے مراد بحیرۂ مردار ہے۔ اس سمندر کا جنوبی حصہ ایک ہول ناک زلزلے کی وجہ سے زمین میں دھنس جانے کی بدولت وجود میں آیا۔ اسی دھنسے ہوئے حصے میں قوم لوط کا مرکزی شہر سدوم واقع تھا۔ یہاں پانی کے نیچے ڈوبی ہوئی بستیوں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَيَّنَ
لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾
وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

مدین والوں کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔اس نے دعوت دی: ”اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو، آخرت کے دن کے منتظر رہو اور زمین میں مفسد بن کر زیادتیاں کرنے والے مت بنو۔“ مگر انھوں نے شعیبؑ کو جھٹلا دیا۔ بالآخر ایک سخت زلزلے نے انھیں آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

عاد و ثمود کو بھی ہم نے ہلاک کر ڈالا۔اُن مقامات کے نشان تم پر واضح ہیں (جہاں وہ رہتے تھے)[18]۔ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے خوش نما بنا دیا تھا اور اس طرح ان کو صحیح راستے سے روک دیا، حالانکہ وہ بڑے ہی ہوشیار لوگ تھے[19]۔

قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہم نے ہلاک کر دیا[20]۔موسیٰ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا، مگر انھوں نے اُس سر زمین میں تکبر کیا، حالانکہ وہ ہمارے قابو سے باہر نکل جانے والے نہیں بن سکتے تھے۔

پس ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑا۔ان میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا کا طوفان بھیجا، بعض کو ایک زبردست دھماکے نے آ پکڑا، کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ہم نے غرق کر ڈالا۔اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بن گئے تھے[21]۔ ۳۶-۴۰

[۱۸] قوم عاد سرزمین عرب کے جنوبی حصے میں رہتی تھی اور قوم ثمود حجاز کے شمالی حصے میں رہتی تھی۔ان بستیوں کے آثار آج بھی موجود ہیں۔اس کتاب کے آخر میں دیے گئے نقشے میں اِن مقامات کی وضاحت کی گئی ہے۔

[۱۹] یعنی ویسے تو یہ لوگ بڑے چالاک اور ہوشیار تھے، لیکن انھوں نے اس ہوشیاری کو صرف دنیا کے لیے استعمال کیا اور ان کی آنکھیں اللہ، روزِ آخرت اور دوسرے انسانوں کے حقوق کی پاس داری کی طرف سے بالکل بند ہوگئیں۔اس کا نتیجہ ان کی تباہی کی شکل میں نکلا۔

[۲۰] قارون اگرچہ اسرائیلی تھا، لیکن راہِ حق سے منحرف ہوگیا تھا۔ہامان فرعون کا وزیراعظم تھا۔گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق سے منحرف سب لوگوں تک دعوت پہنچائی۔

[۲۱] یعنی جس قوم نے بھی اپنے رسول کی دعوت کو جھٹلایا، اس پر اس دنیا میں بھی سزا نازل ہوئی۔ بالکل اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر مخالف پر اس دنیا میں بھی سزا نازل ہوئی۔

اس دنیا میں سب سے بڑا ظلم رسول کی موجودگی میں اس کی دعوت کو جھٹلانا ہے۔ایسے لوگوں کو اللہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی سزا دیتا ہے۔شرک اور دوسرے انسانوں کے حقوق کی پاس داری نہ کرنا بھی بہت بڑا ظلم ہے۔جب انسان اپنے اوپر خود ظلم کرتا ہے، تب اللہ اسے سزا دیتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَّاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ

لَـبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

[پارہ نمبر 21]

اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ

اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ

مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ

يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ

بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں، ان کی مثال مکڑی جیسی ہے۔ جس نے ایک گھر بنایا اور بے شک، تمام گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ مشرکین اس حقیقت کو جانتے![22] بے شک اللہ، اچھی طرح جانتا ہے اُن چیزوں کو جن کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں۔ اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے غور وفکر کے لیے بیان کرتے ہیں، لیکن ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں۔[23]

اللہ نے آسمان وزمین کو مقصدِ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ بے شک، اس کائنات کے اندر ایمان والوں کے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔
اے نبیؐ، تلاوت کرو اس کتاب کی جو تم پر وحی کی جارہی ہے اور نماز کا اہتمام کرو۔ بے شک، نماز بے حیائی اور منکر سے روکتی ہے۔[۲۴]
اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اے ایمان والو، اہل کتاب سے عمدہ طریقے سے بحث کرو، سوائے اُن لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔ (اہلِ کتاب سے) کہو: ''ہم ایمان لائے ہیں اُس کتاب پر جو ہم پر نازل ہوئی اور اُس (کتاب) پر بھی جو تمھاری طرف اتاری گئی۔ ہمارا اور تمھارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کی فرماں برداری کرتے ہیں۔''[۲۵]

اے نبیؐ، ہم نے اسی طرح تمھاری طرف یہ کتاب نازل کی ہے، اس لیے وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے کتاب عطا فرمائی تھی، وہ اِس کتاب پر بھی ایمان لائیں گے اور اُن میں سے بعض اس پر ایمان لا بھی رہے ہیں۔[۲۶] ہماری آیات کا انکار تو صرف حق کے منکر ہی کرتے ہیں۔ تم اس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اس کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ جھٹلانے والے ضرور اعتراض کرتے۔[۲۷] بلکہ یہ تو دراصل روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے۔[۲۸] ہماری آیات کا انکار صرف وہی لوگ کررہے ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔ ۴۱-۴۹

[۲۲] یعنی جو لوگ اپنے شرک کی وجہ سے فرضی دیوی، دیوتاؤں پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں، اس وقت وہ اس سہارے کو قلعے کی دیوار سمجھ رہے ہیں، حالانکہ اس کی حقیقت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں ہے۔

[۲۳] اہل علم وہی ہیں جو ہر بات پر بغیر جذباتیت، نفسانی خواہشات اور تعصب کے مکمل معلومات کی روشنی میں غور وفکر کرتے ہیں۔

[۲۴] یعنی اگر نماز کو پورے غور وفکر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ ایک ناصح کی طرح انسان کو بے حیائی اور منکر سے روکتی ہے۔ منکر کا مطلب ہے ہر وہ چیز جو متفق علیہ طور پر انسان کے لیے نقصان دہ ہو۔

[۲۵] عمدہ طریقے سے بحث کا مطلب یہ ہے کہ ان کو قائل کرنے کے لیے، نہ کہ مناظرہ بازی میں شکست دینے کے لیے ان سے بحث کی جائے۔ اگر تجربے سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ ان میں سے کچھ لوگ محض مناظرہ بازی کرنا چاہتے ہیں تو ایسے لوگ ظالم ہیں اور ان کو نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے۔ بحث کا آغاز ہمیشہ متفق علیہ چیزوں سے ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اہل کتاب سے کہیں کہ ہم تورات، زبور اور انجیل کو اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابیں مانتے ہیں اور ہم اسی اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کی عبادت تم بھی کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد صالح اہل کتاب کے دل اسلام کی دعوت کے لیے کھل جائیں گے اور ان کو اسلام کی تعلیمات سمجھانا آسان ہوجائے گا۔

[۲۶] ان آیات کے زمانۂ نزول کے وقت اچھے اہل کتاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا شروع کردیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے سارے غیر متعصب اور صالح اہل کتاب ایمان لے آئے۔

[۴۷] حضور صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ انسانیت کی پوری تاریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد شخصیت ہیں جنھوں نے ناخواندہ ہونے کے باوجود دنیا کو ایک ایسی کتاب دی جو ہدایت کے موضوع پر حرف آخر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کے لیے صرف یہی ایک نشانی بھی کافی ہے۔

[۴۸] یعنی جن لوگوں کو آسمانی کتابوں کا علم عطا ہوا ہے، ان لوگوں کے دلوں کے لیے اس قرآن کی ہر آیت ایک کھلی ہوئی نشانی ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾ أَوَلَمْ
يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ ع قُلْ
كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللّٰهِ
أُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ
بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ
يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۵﴾ يَا عِبَادِيَ
الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۵۷﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۵۸﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۵۹﴾ وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا
اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۰﴾

اے نبیؐ، یہ منکرینِ حق کہتے ہیں: ''اس شخص پر اس کے رب کی جانب سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں؟'' تم کہہ دو: ''نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔ میں تو صرف کھول کھول کر خبردار کرنے والا ہوں۔'' کیا اِن لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر قرآن نازل کیا ہے جو انھیں پڑھ کر سنایا جارہا ہے؟ بے شک، اس قرآن کے اندر رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتا

چاہیں۔ تم کہہ دو: ''میرے اور تمھارے درمیان اللہ گواہی کے لیے کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ جو لوگ باطل ۲۹
پر ایمان لے آئے اور جنھوں نے اللہ کا انکار کیا وہی لوگ اصل نقصان میں پڑنے والے ہیں۔''

اے نبیؐ، یہ حق کا انکار کرنے والے تم سے وہ عذاب جلد لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر اس کے لیے ایک مدت مقرر نہ کی گئی ہوتی تو
ان پر وہ عذاب آ چکا ہوتا۔ وہ ان کے اوپر اچانک آ جائے گا اس حال میں کہ ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔ ۳۰ یہ لوگ تم سے اس عذاب کے
لیے جلدی مچائے ہوئے ہیں، حالانکہ جہنم ان منکرین حق کو گھیرے میں لے چکی ہے۔ (ایک دن آئے گا) جس دن عذاب انھیں اوپر
سے بھی ڈھانک لے گا اور ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی۔ (اُس وقت ان سے) کہا جائے گا کہ اب اُن بُرے کاموں کا مزہ چکھو جو تم
نے کیے تھے۔

اے میرے بندو، جو ایمان لائے ہو، بے شک میری زمین بہت وسیع ہے، پس تم میری ہی بندگی بجا لاؤ۔ ۳۱ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا
ہے اور پھر تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے، ہم ان کو جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں
گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی عمدہ صلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے، ان لوگوں کے لیے
جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر ہر حال میں بھروسا کیا۔ کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ اُن کو بھی رزق دیتا
ہے اور تمھارا رازق بھی وہی ہے۔ ۳۲ وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ ۵۰-۶۰

[۲۹] اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسی نشانی نازل کی جائے گی جو تا قیامت زندہ و پائندہ رہے گی۔ وہ نشانی قرآن مجید کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اللہ کا یہ بھی فیصلہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پر بحیثیت مجموعی عذاب نازل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اسی قوم سے امت مسلمہ کی ابتدا ہوگی۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرک مخالفین کو ہلاک کر دیا جائے گا اور آپؐ کے اہل کتاب مخالفین کو سرزمین عرب میں زیر دست بنا دیا جائے گا۔

[۳۰] مثلاً جنگ بدر میں دشمنوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس جنگ میں ان کے بڑے بڑے سردار موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ اس کے بعد بتدریج اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر مخالف کو فنا کر دیا گیا۔

[۳۱] اس آیت کے ذریعے سے مسلمانوں سے کہا گیا کہ اگر کسی سرزمین میں ان کے لیے اسلام پر عمل کرنا مشکل ہو رہا ہو اور ظلم و جبر کے ذریعے سے انھیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہو تو وہ کسی ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں مذہبی اعتبار سے ان پر ظلم نہ ہو اور انھیں رہنے کی اجازت مل جائے۔ جب مکہ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم بہت بڑھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی کہ کچھ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس وقت حبشہ میں ایک مسیحی بادشاہ نجاشی کی حکومت تھی۔ نجاشی ایک رحم دل حکمران تھا اور مذہبی جبر پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ نجاشی نے بعد میں اسلام بھی قبول کر لیا تھا اگرچہ اس نے اس کو خفیہ رکھا تھا۔ اسی لیے نجاشی کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی۔

[۳۲] یعنی اگر ایسی ہجرت میں تمھیں رزق کی تنگی کا سامنا کرنا پڑ جائے یا تمھیں اندیشہ ہو کہ تمھارے رزق کا کیا بندوبست ہوگا تو اس کی فکر مت کرو۔ جس طرح اللہ بے شمار دوسرے جان داروں کو رزق دیتا ہے، اسی طرح تمھارے رزق کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾
اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع
وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا
فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ وقف لازم
اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ
بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

اے نبیؐ، اگر تم ان منکرینِ حق سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے تمھاری خدمت میں لگا رکھا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر یہ لوگ کہاں سے دھوکا کھا رہے ہیں؟ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو زندہ کیا، تو یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو کہ سارا شکر اور حمد اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن ان میں بہت سے عقل سے کام نہیں لیتے۔

(آخرت کی فکر کے بغیر) یہ دنیا کی زندگی تو محض ایک کھیل اور دل کا بہلاوا ہے۔ اصل زندگی کا گھر تو دارِ آخرت ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔

جب یہ مشرکین کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اپنی اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی سے دعا مانگتے ہیں۔ پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو پھر یہ لوگ اس کے شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور اس طرح ہم نے انھیں جو نعمت بخشی ہے، اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ چلیں، یہ لوگ (اس دنیا کا) چند دن اور لطف اٹھالیں۔ عنقریب انھیں حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ ۳۳

اے نبیؐ، کیا یہ (مکے کے مشرکین) نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک پُر امن حرم بنا دیا ہے، حالانکہ ان کے گرد و پیش سے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں؟ ۳۴ کیا پھر بھی یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے، جبکہ وہ اس کے سامنے آچکا ہو! کیا ایسے منکرینِ حق کا ٹھکانا جہنم نہیں ہوگا؟

جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کر رہے ہیں، ہم ان پر اپنی راہیں ضرور کھولیں گے۔ بے شک، اللہ نیک کام کرنے والوں ہی کے ساتھ ہے۔ ۳۵ ۶۱-۶۹

[۳۳] مشرکین میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہوتا ہے کہ جب ان پر سخت وقت آتا ہے تو باقی خداؤں کو چھوڑ کر صرف اللہ سے دعا کرتے ہیں اور جب ان پر آسانی آجاتی ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ ان آیات میں اسی گروہ کا ذکر ہے۔

[۳۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے قریش کے لوگ اس سرزمین بے آئین میں کئی صدیوں سے بیت اللہ کی وجہ سے نہایت امن اور خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ گویا وہ ایک پر امن کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ دوسروں سے بڑھ کر ان پر یہ لازم تھا کہ وہ توحید کے علم بردار بنتے۔

[۳۵] اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے والوں سے اللہ کا یہ وعدہ دنیا، دین اور آخرت، تینوں سے متعلق ہے۔ اللہ پر سچا ایمان ایک انسان کو اس دنیا میں دلی اطمینان سے مالا مال کرتا ہے، قرآن مجید کو سیکھ کر وہ دین کی حقیقتیں جان لیتا ہے اور جب وہ اس دین پر عمل کرتا ہے تو اس کی آخرت بہترین بن جاتی ہے۔ اس طرح ایسے شخص کے لیے اللہ اپنی تمام راہیں کھول دیتا ہے۔ اسی آیت کے ساتھ اس مبارک سورہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سورۂ روم

[۳۰]

نام

اس سورہ کی دوسری آیت میں یہ لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضامین

اس سورہ کی ابتدا میں اس تاریخی واقعے کا ذکر کیا گیا ہے کہ قریب کی سرزمین یعنی اردن، شام اور فلسطین میں رومی مغلوب ہو گئے۔ ان علاقوں پر ایرانی سلطنت کا حملہ ۶۱۵ء میں مکمل ہوا۔ گویا یہ سورہ اسی سال نازل ہوئی۔ یہ وہی سال ہے جس میں ہجرت حبشہ واقع ہوئی۔

اس زمانے میں سرزمین عرب کے قریب دو بہت بڑی سلطنتیں موجود تھیں۔ ان میں سے ایک کو رومی سلطنت کہا جاتا تھا اور اس کا دارالحکومت قسطنطنیہ تھا۔ اس کے حکمران کو قیصر کہا جاتا تھا۔ یہ سلطنت مذہباً عیسائی تھی۔ سرزمین عرب کے قریبی علاقوں اردن، شام اور فلسطین پر اسی سلطنت کا قبضہ تھا۔

سرزمین عرب سے مشرق کی جانب ایران کی سلطنت واقع تھی۔ اس سلطنت کے حکمرانوں کو پرویز کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے آٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قیصر روم کے خلاف بغاوت ہوئی اور فوکاس نامی ایک شخص سلطنت پر قابض ہو گیا جس نے قیصر اور اس کے پورے خاندان کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ سے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو روم پر حملہ آور ہونے کے لیے ایک اخلاقی بہانہ مل گیا۔ دراصل قیصر روم پرویز کا محسن تھا، کیونکہ اسی کی مدد سے پرویز کو ایران کی سلطنت ملی تھی۔ چنانچہ پرویز اسے اپنا باپ کہتا تھا۔ پرویز نے ۶۰۳ء میں سلطنت روم کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور چند سال کے اندر بہت سے علاقے فتح کر ڈالے۔ اسی اثنا میں رومی سلطنت کے افریقی گورنر نے اپنے بیٹے ہرقل کو ایک طاقت ور بیڑے کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیا۔ اس نے آکر فوکاس کے پورے خاندان کو تہ تیغ کر ڈالا۔ یہ ۶۱۰ء کا واقعہ ہے۔ یہ وہی سال ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے۔

خسرو پرویز نے جس بات کو بنیاد بنا کر جنگ شروع کی تھی، وہ فوکاس کے قتل کے بعد ختم ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے پھر بھی جنگ جاری رکھی اور اب اس نے

اس جنگ کو مجوسیت یعنی آتش پرستی کے مذہب اور مسیحیت کے درمیان جنگ کا رنگ دے دیا۔ اس جنگ میں پرویز کو مسلسل فتح حاصل ہو رہی تھی، حتیٰ کہ ۶۱۵ء میں شام، اردن اور فلسطین پر اس کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ یہ وہی سال تھا جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ہجرت کر کے حبشہ کی عیسائی سلطنت میں پناہ لینی پڑی، جو سلطنت روم کی حلیف تھی۔ اس وقت سلطنت روم پر ایران کے غلبے کے واقعات ہر زبان پر تھے اور مکے کے مشرکین انتہائی خوش تھے کہ جس طرح ایران کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور وحی اور رسالت کے ماننے والے عیسائیوں کو شکست ہو رہی ہے، اسی طرح سرزمین عرب کے بت پرست بھی اس دین توحید کو مٹا دیں گے۔

ان حالات میں یہ سورہ نازل ہوئی اور اس کی پہلی چھ آیات میں یہ پیشین گوئی کی گئی کہ اگر چہ قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں، لیکن چند سال کے اندر اندر وہ دوبارہ غالب آجائیں گے اور یہ وہ وقت ہو گا جب اللہ کی دی ہوئی فتح سے اہل ایمان خوش ہو رہے ہوں گے۔ گویا ان آیات میں دو پیشین گوئیاں ہیں: ایک یہ کہ رومیوں کو دس برس کے اندر اندر غلبہ نصیب ہو گا اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کو بھی اسی زمانے میں فتح حاصل ہو گی۔ بظاہر دور دور تک ایسے کوئی آثار موجود نہ تھے کہ یہ پیشین گوئیاں آئندہ چند سال کے اندر پوری ہو جائیں گی، لیکن قرآن مجید نے ایسا کہہ دیا۔

۶۲۲ء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ اس سال تک ایرانی مسلسل فتح حاصل کرتے رہے۔ بالآخر ۶۲۳ء میں ہرقل نے اپنا جوابی حملہ شروع کر دیا اور دوسرے سال یعنی ۶۲۴ء میں اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے سارے مقبوضات واپس لے لیے، بلکہ آذربائیجان پر بھی قبضہ کر کے ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدے کو ڈھا دیا۔ یہ وہی سال تھا جس میں مسلمانوں کو جنگ بدر میں مشرکین کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح نصیب ہو گئی۔ اس طرح سورۂ روم میں کی گئی دونوں پیشین گوئیاں دس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے پوری ہو گئیں۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو کفار مکہ نے ان کا خوب مذاق اڑایا۔ صحابۂ کرامؓ کو قرآن مجید پر اتنا زیادہ اعتماد تھا کہ ایک مخالف اسلام ابی بن خلف نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ شرط لگائی کہ اگر تین برس کے اندر رومی غالب آ گئے تو میں تمھیں دس اونٹ دوں گا، ورنہ تم مجھے دس اونٹ دو گے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ قرآن میں 'فی بضع سنین' کے الفاظ آئے ہیں جن کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے، اس لیے شرط کو دس سال کے اندر لے جاؤ اور اونٹوں کی تعداد بڑھا کر ایک سو کر دو۔ جب قرآن کی پیشین گوئی پوری ہو گئی تو ابی بن خلف کے وارث شرط کے اونٹ ابوبکر صدیقؓ کے پاس لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ انھیں صدقہ کر دیا جائے۔ اگر چہ یہ جوئے کا مال نہیں تھا، اس لیے کہ قرآن مجید کی پیشین گوئی کو تو ہر حال میں پورا ہونا تھا، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے اس مال کے صدقہ کرنے کی ہدایت کر دی کہ کوئی شبہ نہ رہے۔

درج بالا معاملے سے مضمون کے شروع ہونے کے بعد پوری سورہ میں توحید، رسالت اور آخرت پر دلائل دیے گئے ہیں اور آخر میں مثال کے انداز میں لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وحی اللہ کی رحمت کی بارش کی مانند ہے جس سے سرزمین عرب کی مردہ زمین دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔

ایاتہا ٦٠ | # سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ | ركوعاتہا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿٣﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ
الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ کے لیے ہے۔

ا۔ل۔م۔رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے ہیں، لیکن اپنی اس مغلوبیت کے بعد عنقریب چند سالوں کے اندر اندر وہ غالب آجائیں گے[١]۔جو پہلے ہوا وہ بھی اللہ کے حکم سے ہوا، اور جو بعد میں ہوگا، وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوگا[٢]۔یہ وہ دن ہوگا، جبکہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منا رہے ہوں گے[٣]۔اللہ جس کی چاہتا ہے (اپنے قانون کے مطابق) مدد کرتا ہے۔وہ زبردست اور رحیم ہے۔یہ اللہ کا حتمی وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرتا، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے[٤]۔ایسے لوگ اس دنیا کے صرف ظاہری پہلو کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل ہی بے خبر ہیں[٥]۔ا-٧

[ا] روم اور ایران کی اس لڑائی میں مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کے ساتھ تھیں اور کفارِ مکہ کی ہمدردیاں ایران کے ساتھ تھیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ایرانی اس لڑائی کو اپنے آتش پرستی کے مذہب کو پھیلانے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔اس کے برعکس مسیحی اپنے عقائد کی بنا پر مسلمانوں کے قریب تھے۔قرآن مجید نے یہاں 'بِضع' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق نو سے زیادہ کی تعداد کے لیے نہیں ہوتا۔گویا قرآن مجید نے بالکل واضح پیشین گوئی کر دی کہ نو سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں سے اپنی شکست کا بدلہ لے لیں گے۔قرآن مجید نے یہ بات اس طرح کہی کہ یہ پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل بھی ہوگی۔

[٢] اللہ اپنی حکمت اور منصوبے کے تحت اس دنیا میں مختلف سلطنتوں اور اقوام کو کامیابی نصیب کرتا ہے اور کچھ دوسری قوموں کو شکست دلواتا ہے۔اس فتح وشکست کی اصل بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ دنیا کے اندر انسان کی آزمائش کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہونے پائے اور انسانیت کی بقا کے لیے جتنی صفات ضروری ہیں

،وہ فنا نہ ہونے پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرک اور الحاد کی علم بردار طاقتوں کو قدرت کبھی بھی فیصلہ کن فتح نہیں دیتی۔ اسی طرح قدرت اس دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرتی رہتی ہے۔ کبھی دو ظالم قوتیں آپس میں لڑ جاتی ہیں اور کبھی کوئی ظالم قوت اپنے اندرونی نظام کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہے۔ جو اقوام انصاف، دیانت داری، میرٹ اور محنت کے اصولوں پر عمل کریں، ان کی کامیابی کا امکان اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح جو مملکتیں آپس کے مشورے، منصوبہ بندی، صبر اور حکمت کا مظاہرہ کریں اور سائنس و ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کریں، ان مملکتوں کو قدرت کی طرف سے کامیابی ملتی ہے۔ ظلم، بددیانتی، بدنظمی، لاقانونیت اور اندرونی خلفشار بھی کسی قوم کے لیے زہر قاتل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں ایک عام آدمی کی زندگی بہت مشکل بنا دیتی ہیں چنانچہ ایسی اقوام کو قدرت باعزت اور باوقار مقام نہیں دیتی۔

[۳] ایرانیوں پر رومیوں کی فتح اور جنگ بدر میں مشرکین پر اہل ایمان کی فتح کا زمانہ ایک ہی تھا، اس لیے مسلمانوں کو دوہری خوشی حاصل ہوئی۔ گویا ان دونوں فتوحات کی پیشین گوئی قرآن مجید نے نو برس پہلے اس وقت کر دی تھی جب اس کے بارے میں انسانی اعتبار سے تصور بھی محال تھا۔ یقیناً یہ پیشین گوئی رسالت محمدی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

[۴] یعنی قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی بالکل قطعی اور اٹل ہے اور اسے لازماً پورا ہونا ہے۔

[۵] اللہ کے قانون عدل کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے اندر تبدیلیوں کا سلسلہ جاری رہے۔ صرف ظاہری پہلوؤں پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ
ع اَسَاۗءُوا السُّوْۗاٰۗى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَاۗئِهِمْ شُفَعٰۗؤُا وَكَانُوْا
بِشُرَكَاۗئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰۗىِٕكَ فِی

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

کیا لوگوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو ایک مقصد و حکمت اور ایک مقرر مدت ہی کے لیے پیدا کیا ہے، مگر لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں[6]۔

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انھیں اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ لوگ اِن سے قوت میں زیادہ تھے اور زمین کو زرخیز بنانے اور آباد کرنے میں وہ اِن سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، لیکن یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے بن گئے۔ آخرکار جن لوگوں نے غلط راستہ اختیار کیا، ان کا انجام برا ہوا، اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑاتے رہے[7]۔

اے لوگو، اللہ ہی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے، وہی اس کا اعادہ کرے گا اور پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ جس دن وہ قیامت برپا ہوگی، اُس دن مجرم بالکل مایوس ہو جائیں گے، ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ان کے لیے سفارش کرنے والا نہیں بنے گا اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔

جس دن وہ ساعت (یعنی قیامت) برپا ہوگی، اُس دن سب انسان الگ الگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہ ایک شان دار باغ میں مسرور ہوں گے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، وہ سزا میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔

پس تسبیح کرو اللہ کی جس وقت تم شام کرتے ہو اور جس وقت تم صبح کرتے ہو۔ آسمان و زمین میں اسی کی حمد ہو رہی ہے۔ عشا اور اُس وقت بھی جب تم ظہر کرتے ہو، (اللہ کی تسبیح کرو)۔ ۸-۱۸

[۶] اگر انسان اپنے وجود، اپنے احساسات اور اپنی زندگی پر غور کرے تو اسے اپنے سوالات کا جواب توحید و آخرت کے عقیدے کے بغیر اور کہیں نہیں ملتا۔ اسی طرح زمین و آسمان کی ساری حقیقتیں اسے توحید و آخرت کی طرف لے جا رہی ہیں۔ یہ دونوں عقائد صرف رسولوں ہی کے ذریعے سے واضح ہوتے ہیں۔

[۷] توحید و آخرت کا عقیدہ کائنات کی ہر چیز پر غور و فکر کرنے سے پختہ ہوتا ہے۔ اسی طرح رسالت کے عقیدے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رسول اور اس کے ساتھی ہمیشہ کامیاب ہوئے ہیں اور رسول کے منکرین پر اللہ کی طرف سے اسی دنیا میں سزا نافذ کی گئی۔ ان میں بہت سی نافرمان اقوام کے حالات و واقعات اور کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔

[۸] اللہ کی حمد و تسبیح ایک شخص کی اپنی زندگی کی تربیت اور اسے راہ راست پر رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس تسبیح کی سب سے اہم شکل پانچ وقت کی نماز ہے جسے دین نے لازم کیا ہے۔ 'جس وقت تم صبح کرتے ہو اور جس وقت تم شام کرتے ہو' سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ دنیا کے جن علاقوں، مثلاً قطبین میں دن رات کا الٹ پھیر باقی دنیا سے مختلف ہوتا ہے، وہاں کے لوگ اپنے روزمرہ دن کے حساب سے جس طرح باقی کام سرانجام دیتے ہیں، اسی طرح نماز بھی پڑھ لیں۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۱۹﴾
وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ
أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾
وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ ﴿۲۲﴾
وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ
آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ط ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ ط
إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿۲۵﴾ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۷﴾

وہی اللہ زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے۔ وہی اللہ زمین کو اس کے خشک ہو جانے کے بعد نئے سرے سے شاداب کرتا ہے۔ اِسی طرح تم لوگ بھی (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے۔

اس اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تم دیکھتے دیکھتے بشر بن کر (روئے زمین پر) پھیل جاتے ہو۔ یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھاری ہی جنس سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اسی اللہ نے تمھارے درمیان محبت اور ہمدردی ڈال دی[۹]۔ بے شک، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

اسی اللہ کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی پیدائش، تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا اختلاف بھی ہے۔ یقیناً اس کے اندر نشانیاں ہیں ان کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔

اسی اللہ کی نشانیوں میں سے تمھارا رات اور دن کو سونا اور اس کے فضل (یعنی رزق) کا تلاش کرنا ہے[10]۔ بے شک، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان کے لیے جو سننے اور سمجھنے والے ہیں۔

اسی اللہ کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ وہ تمھیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے جو خوف بھی پیدا کرتی ہے اور امید بھی۔ (وہی اللہ) آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اسی اللہ کی نشانیوں میں سے یہ چیز بھی ہے کہ آسمان وزمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر (روزِ قیامت) جب وہ تم کو زمین سے نکلنے کے لیے ایک ہی بار پکارے گا تو تم فوراً نکل پڑو گے۔ آسمان وزمین کی سب چیزیں اسی کے بندے ہیں، سب کے سب اسی کے فرمان کے تابع ہیں، وہی ہے جو تخلیق کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا۔ یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔ آسمان وزمین میں اسی کی صفات سب سے برتر ہیں اور زبردست اور حکیم وہی ہے۔ ۱۹-۲۷

[۹] اللہ نے مرد وزن کی شکل میں انسانیت کو جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی غرض وغایت قرآن نے یہ بیان کی ہے کہ اس سے تم کو سکون ملتا ہے اور یہ تمھارے لیے ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی کا باعث بنتی ہے۔

[۱۰] گویا رزق حلال کی تلاش لازم ہے اور اگر انسان اس کو محنت، دیانت داری اور اللہ کی یاد کے ساتھ انجام دے تو یہ کارِ ثواب ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ
فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ
حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا

دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۳۲﴾ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ
ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ
تَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً
فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿۳۶﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۷﴾ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ
السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ
فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۹﴾

اللہ تمھارے لیے خود تمھارے اندر سے ایک مثال بیان کرتا ہے۔ کیا ہم نے تم کو رزق و فضل بخشا ہے، اس میں تمھارے مملوکوں میں سے بھی کچھ تمھارے ساتھ اس طرح شریک ہیں کہ تم اور وہ اس میں برابر کے حقوق رکھنے والے بن گئے ہو اور جس طرح تم اپنوں کا لحاظ کرتے ہو، اسی طرح ان کا بھی لحاظ کرتے ہو؟[11] اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ مگر ظلم (یعنی شرک) کرنے والوں نے بغیر کسی دلیل کے اپنی بدعات کی پیروی کر رکھی ہے۔ بھلا جس شخص کو اللہ نے (اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کر دیا ہے، اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کا تو کوئی مددگار نہیں بن سکتا۔

پس اے ایمان والے، تم یکسو ہو کر اپنا رخ توحید کو پوری طرح اختیار کرنے والے دین کی طرف کر دو۔[12] اس دینِ فطرت کی پیروی کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔[13] اسی اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اسی سے ڈرو اور نماز کا اہتمام رکھو۔ تم لوگ مشرکین میں سے نہ بنو، ان مشرکین میں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ہر گروہ اسی چیز میں مگن ہے جو اس کے اپنے پاس ہے۔[14]

(لوگوں کا حال یہ ہے کہ) جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب سے دعا کرتے ہیں، اسی کی طرف متوجہ ہو کر۔ اور پھر جب اللہ ان کو اپنی رحمت سے کامیاب کر دیتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ اس طرح جو کچھ ہم نے

ان کو عطا کیا ہے، اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ (ایسے لوگوں کے متعلق اللہ فرماتا ہے کہ چلو چند روز) اور مزے کر لو، عنقریب تمھیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ — کیا ہم نے ان مشرکین پر کوئی ایسی دلیل اتاری ہے جو اس شرک کی صداقت پر گواہی دیتی ہو جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں؟

جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترانے لگتے ہیں، اور اگر ان کے اپنے کرتوتوں کے سبب سے ان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ فوراً مایوس ہونے لگتے ہیں۔ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ اللہ ہی رزق کو کشادہ کرتا ہے، جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے، جس کے لیے چاہتا ہے۔ یقیناً اس میں اہلِ ایمان کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں[۱۵]۔

اے ایمان والو، رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو ان کا حق دو۔ یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں[۱۶]۔ جو سودی قرض تم اس لیے دیتے ہو کہ وہ دوسروں کے مال کے اندر پروان چڑھے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ البتہ جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو تو اِس کے دینے والے اللہ کے ہاں اپنے مال کو بڑھانے والے ہیں[۱۷]۔ ۲۸-۳۹

[۱۱] اس دنیا میں انسان حقوق و فرائض کی تقسیم کو اچھی طرح جانتا ہے۔ مثلاً کسی تجارتی ادارے میں مالک کے حقوق کچھ اور ہوتے ہیں اور ملازم کے کچھ اور۔ اسی طرح ایک شخص اپنے رشتہ داروں کا خیال کسی اور طرح رکھتا ہے اور اپنے ملازمین کا کسی اور طرح۔ جب ایک انسان اپنے لحاظ سے ان سب چیزوں کو جانتا ہے تو پھر وہ اللہ کا حق کیوں نہیں پہچانتا اور اس کے ساتھ دوسروں کو کیوں شریک ٹھہراتا ہے۔

[۱۲] 'حـــنیف' کے معنی ہیں یکسو ہو جانا یعنی توحید کو پوری طرح اختیار کر لینا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ گویا اس لفظ کے استعمال میں اس حنیفیت کے لیے ایک یاد دہانی ہے جس کی مثال حضرت ابراہیمؑ نے قائم فرمائی۔

[۱۳] اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے کہ یہ کائنات کے تمام حقائق سے ہم آہنگ ہے اور یہ انسان کے ضمیر اور اس کی ضروریات کے عین مطابق ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی ضمیر، عقلِ عام، سائنس اور دین کے درمیان کوئی تضاد ممکن نہیں، اس لیے کہ یہ سب فطرت کا حصہ ہیں۔

[۱۴] مشرکین کے ہر گروہ کے اپنے اپنے خدا ہوتے ہیں جن کو وہ پوجتے ہیں اور اس طرح اپنے اوہام کی پیروی کرتے ہیں۔ جس طرح مسلمانوں کو مشرکین کے شرک سے بچنا چاہیے، اسی طرح مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ فرقہ بندی سے بچیں۔ فرقہ بندی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب لوگ قرآن و سنت اور اس کی روشنی میں صحیح احادیث ہی کو دین قرار دیں۔ اگر ان کی تشریح و تعبیر میں آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس کے بارے میں مکالمہ اور سنجیدہ علمی بحث جاری رکھی جائے، لیکن ایک دوسرے پر گمراہی اور کفر کے فتوے نہ لگائے جائیں۔ فرقہ بندی سے بچنے کا عملی طریقہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں سے اپنی نماز کسی صورت میں بھی علیحدہ نہ کی جائے اور ہر مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔

[۱۵] کسی نعمت کے حاصل ہو جانے سے کسی صاحبِ ایمان کو غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح کسی بھی تکلیف پر اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

ایک مومن کی زندگی صبر اور شکر کی زندگی ہونی چاہیے۔

[١٦] معاشرے کے اندر رشتہ داروں، کمزور طبقات اور مسافروں کے ساتھ مدد کرنے کو یہاں ان کا حق قرار دیا گیا ہے۔ گویا جو شخص وسائل کے ہوتے ہوئے یہ مدد نہیں کرتا، وہ دراصل امانت میں خیانت کرتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ آیات مکی دور میں نازل ہوئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذمہ داری ہر حالت میں انسان پر عائد ہوتی ہے اور اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی نہیں ہے۔

[١٧] سود پر قرض دینا ایک اخلاقی برائی ہے، اس لیے اس سے اجتناب بہت ضروری ہے۔ ان آیات میں اشارہ واضح طور پر تجارتی سود کی طرف ہے۔ گویا جس طرح ذاتی ضروریات کے لیے سود پر قرض دینا غلط ہے، اسی طرح تجارت کے لیے بھی سود دینا غلط ہے۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو اپنی کسی مجبوری سے قرض لیتا ہے، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا وہ شخص واقعۃً مجبور تھا یا نہیں۔ یہاں بھی یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ مکی دور کی آیات ہیں۔ گویا ہر صاحب ایمان کو ہر حالت میں سود سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ
ع ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿٤٠﴾ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی
النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ ط كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِیْنَ ﴿٤٢﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ
یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ
یَمْهَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿٤٥﴾ وَمِنْ
اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ
الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ط وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿٤٧﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی
السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ج فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ

اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰى اٰثٰرِ

رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

اے انسانو، اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا، پھر وہ تمھیں موت دیتا ہے اور پھر وہی تم کو زندہ کرے گا۔ کیا تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام کر سکتا ہو؟ اللہ پاک ہے اور بہت بالا و برتر ہے، اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

خشکی اور تری، ہر جگہ لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں فساد برپا ہو گیا ہے تاکہ اللہ ان کے بعض غلط کاموں کا مزہ ان کو چکھائے۔ ممکن ہے کہ پھر یہ لوگ باز آجائیں۔[18]

اے نبیؐ، ان لوگوں سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو پہلے ہو گزرے ہیں۔ اُن میں بہت سے مشرک ہی تھے۔

پس اے نبیؐ، اپنا رخ فطرت کے مطابق اس دین کی طرف سیدھا رکھو،[19] قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ایک ایسا دن آجائے جس سے پھر واپسی نہیں ہوگی۔ اُس دن لوگ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں گے۔ جس نے حق کا انکار کیا، اُس کی آفت اُسی پر ہوگی۔ اور جن لوگوں نے نیک عمل کیے، وہ بے شک اپنے لیے (کامیابی کی) زمین ہموار کر رہے ہیں تاکہ اللہ اہلِ ایمان اور عملِ صالح کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے۔ اللہ حق کا انکار کرنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔

اسی اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے خوش خبری دینے والی بنا کر، تاکہ وہ تم کو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے نوازے تاکہ اس ہوا کے ذریعے سے کشتیاں اُس کے حکم سے چلیں تاکہ تم اس کے فضل (یعنی حلال رزق) کو تلاش کرو اور اللہ کے شکر گزار بنو۔

اے نبیؐ، ہم نے تم سے پہلے بھی رسولوں کو ان کی اقوام کی طرف بھیجا جو ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جنھوں نے (رسولوں کی مخالفت کا) جرم کیا۔ اہلِ ایمان کی مدد ہم پر لازم تھی۔[20]

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے، پھر ان کو تہ بہ تہ کرتا ہے اور پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔ اپنے بندوں میں سے جن پر اللہ چاہتا

ہے، اس بارش کو برسا دیتا ہے جس سے وہ خوش وخرم ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس بارش کے نزول سے قبل وہ بالکل مایوس ہو رہے تھے۔ پس اللہ کی رحمت کے آثار کو دیکھو کہ وہ مُردہ پڑی ہوئی زمین کو کس طرح زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک، وہی اللہ مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۴۰-۵۰

[۱۸] یہ دنیا جب بھی ظلم، بے انصافی، بد دیانتی اور خیانت سے بھر جاتی ہے تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اس فساد کی اجازت کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ قوموں کو ان کی اجتماعی غلطیوں اور خامیوں کی سزا اسی دنیا میں مل جائے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ان حالات سے سبق حاصل کر کے کچھ لوگ صحیح راستے کی طرف پلٹ آتے ہیں۔

[۱۹] 'قیم' کا مطلب ہے سیدھا، واضح اور فطری۔ یعنی اسلام بالکل واضح، عقل سلیم اور فطرت کے عین مطابق ہے۔

[۲۰] یہاں اللہ کے اسی قانون کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت اللہ رسول کے براہ راست ساتھیوں کو کامیابی عطا فرماتا ہے اور دشمنان رسول کو سزا دیتا ہے۔

وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ﴿٥١﴾ فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٥٣﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿٥٤﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿٥٥﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٧﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾

اگر ہم ان لوگوں پر ایک ایسی ہوا بھیج دیں (جس کے اثر سے) وہ اپنی کھیتی کو زرد پائیں تو اس کے بعد وہ حق کا انکار کرنے والے بن کر رہ جائیں گے۔[21] اے نبیؐ، تم نہ تو مُردوں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو اور نہ بہروں کو سنا سکتے ہو، جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جا رہے ہوں۔ تم اندھوں کو بھی ان کی گمراہی سے نکال کر سیدھے راستے پر نہیں لا سکتے۔ تم تو صرف انھی کو سنا سکتے ہو جو (اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھ کر بے تعصبی سے سوچ بچار کے بعد) ہماری آیات پر ایمان لانے والے اور اطاعت کرنے والے ہوں۔[22]

اے لوگو، اللہ ہی ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد تمھیں قوت بخشی، پھر قوت کے بعد دوبارہ ناتواں اور بوڑھا کر دیا۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

جس دن قیامت (کی وہ ساعت) برپا ہو گی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ تو اس دنیا میں ایک لمحے بھر سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح ان کی عقلیں اوندھی ہو جاتی رہی ہیں۔ جن لوگوں کو علم و ایمان عطا ہوا ہوگا، وہ ان سے کہیں گے کہ اللہ کے رجسٹر کی رو سے تو تم روزِ قیامت تک پڑے رہے ہو۔ سو یہ وہی حشر کا دن ہے، لیکن تم جانتے نہیں تھے۔ پس اُس دن اِن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا۔

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں۔ اے نبیؐ، تم خواہ کوئی بھی نشانی لے آؤ، یہ حق کا انکار کرنے والے یہی کہیں گے کہ تم باطل پر ہو۔ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو جاننا نہیں چاہتے۔[23] پس تم صبر کرو۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔[24] یہ یقین نہ رکھنے والے تم کو بے وزن نہ بنانے پائیں[25]۔ ۵۱-۶۰

[۲۱] انسان کا حال یہ ہے کہ وہ جلد باز، متلون مزاج اور ردِ عمل میں مبتلا ہونے والا بن جاتا ہے۔ یہ تمام خامیاں قبولِ حق کے راستے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اس کے برعکس صحیح رویہ صبر اور شکر کا ہے۔

[۲۲] یہاں بہروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے کانوں کو سچائی کی آواز کے لیے بند کر رکھا ہو، اندھوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے حق کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اور مردوں سے مراد وہ عقل کے مردے ہیں، جنھوں نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ عقلِ سلیم کے بجائے نفسانی خواہشات اور تعصب کے راستے پر چلتے رہیں گے۔

[۲۳] جب ایک شخص یہ مستقل فیصلہ کر لیتا ہے کہ وہ حق کی دعوت کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کرے گا تو اللہ کی طرف سے اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے اور اس سے قبولِ حق کی صلاحیت چھین لی جاتی ہے۔ ایسا شخص پھر محض دوسروں کی آزمائش کے لیے زندہ رہتا ہے۔

[۲۴] یعنی تم صبر کے ساتھ اپنا کام کیے جاؤ۔ جس طرح اللہ نے اپنے سابقہ رسولوں کے ساتھیوں کو اس دنیا میں غلبہ دیا ہے، اسی طرح تمھارے مخالفین

نیست و نابود ہو جائیں گے اور اس سرزمین عرب پر تمھارے ساتھیوں کا غلبہ ہو جائے گا۔

[۲۵] یعنی تم اپنے موقف اور اپنی دعوت پر مضبوطی سے جمے رہو اور کسی حال میں بھی مایوسی تمھارے قریب نہ پھٹکنے پائے۔

اس آیت کے ساتھ اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ لقمان

[۳۱]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر گیارہ میں یہ لفظ آیا ہے، چنانچہ اس مناسبت سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سے سابقہ سورہ، سورۂ روم میں اسلام کو دین فطرت قرار دیا گیا تھا۔ اس سورہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ذہن وفکر اور عقل سلیم سے کام لینے والا ہر انسان انھی تعلیمات کو اختیار کرتا ہے جن کی ہدایت اس دین نے دی ہے۔ مثلاً سرزمین عرب کے ایک بہت دانا انسان، لقمان نے بھی یہی تعلیمات بیان کی ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے، بلکہ وہی بات کہہ رہے ہیں جو انسان کی فطرت، عقل، علم، حکمت اور دانائی کی بات ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس سورہ میں توحید، رسالت، آخرت اور اخلاقیات کے موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں۔

آیاتہا ۳۴ | سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۴

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَعْدَ اللّٰهِ
حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ
بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ
ع اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد وحساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ا۔ل۔م۔ یہ حکمت سے بھری ہوئی کتاب کی آیات ہیں۔ (یہ) ہدایت ورحمت بن کر نازل ہوئی ہیں، ان نیکوکار لوگوں کے لیے جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

انسانوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو فضولیات کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے لوگوں کو بغیر کسی علم کے اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ جب ایسے کسی فرد کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ بڑے غرور کے ساتھ اس طرح رُخ پھیر لیتا ہے گویا اس نے کچھ سنا ہی نہیں، گویا اس کے کانوں میں بہرا پن

ہے۔ اچھا، اسے ایک دردناک عذاب کی خبر سنادو۔ البتہ جولوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نعمت کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ وہ غالب اور حکیم ہے۔

اُس (اللہ) نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ایسے ستونوں کے جو تم کو نظر آئیں۔[۲] اُس نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ تمھارے سمیت لڑھک نہ جائے۔[۳] (ہم نے) ہر طرح کے جانور زمین میں پھیلا دیے، ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور زمین میں ہر طرح کی عمدہ چیزیں اگا دیں۔ یہ ساری چیزیں تو اللہ کی تخلیق ہیں۔ (اے نبیؐ، ان سے پوچھو): ''اب ذرا مجھے دکھاؤ کہ ان دوسروں نے کیا پیدا کیا ہے؟'' اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ۱-۱۱

[۱] 'لھو الحدیث' سے مراد ہے ہر ایسی بات جو آدمی کو اپنے اندر مشغول کر کے دوسری چیز سے غافل کر دے۔ گویا کسی دنیوی تفریح میں ایسا الجھ جانا کہ اس کی وجہ سے انسان اپنے اوپر اللہ اور بندوں کے حقوق کو فراموش کر دے۔

کسی بھی دنیوی تفریح میں بذاتِ خود کوئی برائی نہیں ہے، لیکن آدمی ان میں یوں مشغول ہو جائے کہ اس سے اپنے فرائض میں کوتاہی ہونے لگے تو ایسی تفریح اس کے لیے گناہ بن جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص لوگوں کی راہِ حق کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے، لوگوں کو اس طرح کے کھیل تماشوں میں یوں مصروف کرتا ہے کہ ان کو ان تفریحات کا نشہ چڑھ جائے تو ایسا انسان بہت بڑا مجرم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کئی دشمنانِ اسلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کی خاطر قصہ گوئی اور گانے بجانے کی محفلیں برپا کرتے۔

چنانچہ ہر انسان کو چاہیے کہ وہ تفریح کو صرف تفریح کی جگہ پر رکھے اور اس کی وجہ سے زندگی کا اصل مقصد اور اپنی ذمہ داری کبھی فراموش نہ کرے۔

[۲] کائنات میں یہ بے حد و حساب عظیم الشان تارے اور سیارے اپنے اپنے مقام، مدار اور کہکشاؤں میں غیر مرئی سہاروں کے قائم کیے گئے ہیں۔ قانونِ کشش (Law of Gravity) کی وجہ سے کائنات کے اندر ارب ہا ارب راستے، رکاوٹیں اور ستون بن گئے ہیں جن کو عبور کرنا ان تاروں کے لیے ناممکن ہے۔

[۳] بظاہر یہ بے مصرف پہاڑ بھی اس کرۂ ارض کے لیے عظیم الشان خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بارش، ہواؤں کے انتظام، دریا، سمندر اور زمین کے مختلف حصوں کو کہیں بہت ٹھوس شکل میں رکھنے، کہیں کسی خاص کھیتی باڑی کے لائق بنانے، زمین کو اپنی موجودہ حالت میں رکھنے اور اس کی گیسوں کو فضا میں اڑنے سے روکنے کے لیے پہاڑوں کا ایک اہم کردار ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿١٢﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ وَوَصَّيْنَا

الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ

النصف الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا

مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ

تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ

ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ ع ۸

ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی تھی تا کہ وہ اللہ کا شکر گزار رہے[۴]۔ جو کوئی بھی شکر کرتا ہے تو اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے۔ اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے اور ساری اچھی صفات اسی کے لیے ہیں۔

یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا: ''اے میرے بیٹے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ بے شک، شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے[۵]۔''

[۶]ہم نے انسان کو اپنے والدین (کا حق پہچاننے) کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا۔ (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرے شکر گزار رہو اور اپنے والدین کے بھی شکر گزار رہو۔ میری ہی طرف بالآخر تجھے لوٹنا ہے۔ لیکن اگر تیرے والدین تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ (عبادت میں) کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ، جس کے لیے تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو ان کی بات ہرگز نہ مانو۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہو، مگر پیروی اُس شخص کے راستے کی کرو جو میری طرف متوجہ ہے۔ پھر میری ہی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ اُس وقت میں تمھیں آگاہ کروں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔

لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''کوئی عمل اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا، خواہ وہ کسی گھاٹی میں ہو یا آسمان

وز مین میں کہیں بھی ہو، اللہ اس کو حاضر کر دے گا۔ بے شک، اللہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔ اے میرے بیٹے، نماز کا اہتمام رکھو، نیکی کی تلقین کرو، بدی سے منع کرو اور جو مصیبت بھی تمھیں پہنچے اس پر صبر کرو۔ بے شک، یہ باتیں مضبوط ارادے والے کاموں میں سے ہیں[۸]۔ لوگوں سے بے رخی نہ کرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، اس لیے کہ اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔ بے شک، سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے[۹]۔ ۱۲-۱۹

[۴] لقمان یمن کے رہنے والے تھے اور اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ یمن میں ان کو اور ان کی قوم کو بڑی شان و شوکت حاصل تھی۔ سرزمین عرب میں وہ ایک بڑے دانا اور صاحب حکمت شخص کی حیثیت سے مشہور تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سو برس پہلے ہو گزرے تھے۔ یہاں قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ دانائی کا سب سے پہلا اور بڑا اظہار یہ ہے کہ انسان توحید کو مانے اور اللہ کا شکر گزار رہے۔ لقمان بھی ایسے ہی ایک فرد تھے۔

[۵] لقمان نے یہ نصیحتیں اپنے بیٹے کو اپنی قوم کی سرداری کی ذمہ داری سونپتے وقت کی تھیں۔ ان میں سب سے پہلی نصیحت توحید کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان اپنی زندگی توحید کی روشنی میں گزارے تو اس کا عقل و ضمیر عموماً اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

[۶] قرآن مجید کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ جہاں کوئی بات زیر بحث آجاتی ہے تو اس سے متعلق دوسرے پہلوؤں پر بھی قرآن روشنی ڈال لیتا ہے۔ چونکہ یہاں والدین اور اولاد کا تعلق زیر بحث آگیا ہے، اس لیے قرآن نے یہ ضروری سمجھا کہ اس رشتے سے متعلق کچھ اہم باتیں بھی لوگوں کو سمجھا دی جائیں۔

[۷] والدین کے ساتھ نیک سلوک اور ان کی ہر خدمت اولاد پر لازم ہے تاہم ان کی کوئی ایسی بات نہیں ماننی چاہیے جو دین اور عقل و فہم کے مسلمات کے خلاف ہو۔

[۸] قوم کا رہنما اور سردار دراصل اپنے لوگوں کے لیے ایک ماڈل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے نماز کا اہتمام کرنا، نیکی کی تلقین کرنا اور دوسروں کو برائی سے روکنا بہت ضروری ہے۔ جب حکمرانوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنی طاقت کی وجہ سے وہ اس پر صبر کے بجائے ردعمل کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حکمران ہوتے ہوئے بھی صبر کا رویہ اختیار کرنا بہت بڑا کام ہے۔

[۹] ایک حکمران کے لیے لوگوں سے غافل ہو کر اپنے عیش و عشرت میں مگن ہو جانا بہت بڑا جرم ہے۔ اسی طرح کسی حکمران کے لیے اپنی چال ڈھال، رہنے سہنے اور اپنے رویے میں غرور اختیار کرنا بھی بہت غلط ہے۔ اسی غرور اور بڑائی کا ایک اظہار یہ ہے کہ حکمران اپنے ملازمین پر چیخ چیخ کر حکم چلاتے ہیں۔ چنانچہ لقمان نے اپنے بیٹے کو غرور و تکبر کے ہر اظہار سے منع کیا۔ نہ صرف یہ، بلکہ لقمان نے اس رویے کو انسانیت کے خلاف قرار دیا اور مثال یہ دی کہ اگر آواز ہی کا مقابلہ کرنا ہے تو گدھے سے زیادہ بھاری آواز تو ایک انسان نہیں نکال سکتا حالانکہ وہی آواز سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ یوں تو لقمان کی ان نصیحتوں پر ہر انسان کو عمل پیرا ہونا چاہیے، لیکن قائدین، امرا، سربراہوں، سرداروں اور حاکموں کے لیے یہ نصیحتیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ

قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ
وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا
يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ
نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِى
الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اے انسانو، کیا تم لوگ غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمان و زمین کی سب چیزوں کو تمھاری خدمت میں لگا رکھا ہے اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں؟ اس کے باوجود انسانوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی دلیل، ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں[10]۔ جب اُن کو دعوت دی جاتی ہے کہ اُس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کرتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اُس صورت میں بھی (یہ انھی کی پیروی کریں گے)، جبکہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو۔

جو شخص بھی اپنا رُخ فرماں بردارانہ اللہ کی طرف کرے گا اور وہ بہترین طریقے سے نیک کام کرنے والا ہو تو اس نے بے شک، بھروسے کے قابل رسی تھام لی[11]۔ سارے معاملات کا آخری فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اے نبیؐ، جس نے حق کا انکار کیا تو اس کا یہ کفر تمھارے لیے غم کا باعث نہ ہو۔ ہماری ہی طرف اِن سب کی واپسی ہے، پھر ہم انھیں بتا دیں گے کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ اللہ تو دلوں کے چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے۔ ہم انھیں تھوڑے دنوں کے لیے (دنیا میں) مزے کرنے کا موقع دے رہے ہیں، پھر ہم ان کو ایک سخت سزا کی طرف دھکیل دیں گے۔

اے نبیؐ، اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ تم کہہ دو کہ ساری حمد و شکر اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن ان میں بہت سے اس بات کو نہیں جانتے[12]۔ آسمان و زمین میں سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ بے شک، اللہ بے نیاز ہے اور ساری اچھی صفات اسی کے لیے ہیں۔

اگر زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں اور زمین کے سمندر کے ساتھ ایسے سات مزید سمندر روشنائی بن جائیں، تب بھی اللہ کی نشانیاں لکھنے سے ختم نہ ہوں گی۔ بے شک، اللہ غالب اور حکمت والا ہے[۱۳]۔ ۲۰-۲۷

[۱۰] انسانی زندگی کے رویے اور رخ کا انحصار توحید کے ماننے یا نہ ماننے پر ہے۔ گویا یہ زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں بھرپور غور وفکر سے کام لیا جائے اور وحی و آسمانی ہدایت کے ذریعے سے جو کچھ ہمیں بتایا گیا ہے، اس پر پوری طرح غور وفکر کیا جائے۔

[۱۱] اس دنیا کی زندگی تو بہر حال ختم ہونے والی ہے۔ اس لیے صرف وہی انسان اپنے عقیدہ وعمل پر پورے اعتماد کے ساتھ قائم رہتا ہے جو توحید کو مانے اور دین فطرت کے مطابق زندگی بسر کرے۔

[۱۲] یعنی جب سب چیزوں کا خالق اور پروردگار وہی ہے تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی کرنی چاہیے۔ لیکن شرکیہ عقائد کے لوگ اس نتیجے کو نہیں جانتے۔

[۱۳] یہ پوری کائنات اور اس کی ارب ہا ارب مخلوقات میں سے ہر چیز اتنی پیچیدہ ہے کہ انسان کی عقل اس کے متعلق سوچ کر ماؤف ہو جاتی ہے۔ ان سب حقائق کو تحریر کرنے کے لیے جو ساز وسامان چاہیے، وہ انسان کے تصور سے بھی بالکل ماورا ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ الَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِي إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى وَّأَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ ع ۱۲
تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ آيَاتِهِ ط إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُورٍ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ج فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ
مُّقْتَصِدٌ ط وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿۳۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي
وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وقفة وَلَا
يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ ﴿۳۳﴾ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ج وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ج وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ط وَمَا
تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۱۳

تم سارے انسانوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ زندہ کرنا تو اللہ کے لیے ایسا ہی ہے، جیسا ایک شخص کا (پیدا کرنا اور زندہ کر دینا)۔ بے شک، اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں؟ اُس نے سورج اور چاند کو تمھاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ وقت تک گردش کر رہا ہے۔ اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے اور اسے چھوڑ کر جن دوسری چیزوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ سب باطل ہیں۔ بے شک، اللہ ہی برتر اور عظیم ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کشتی اللہ کے فضل سے سمندر میں چلتی ہے تا کہ وہ تم کو اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ بے شک، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔ جب سمندر میں موجیں خیمے کی طرح لوگوں کو ڈھانک لیتی ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں، خالص اسی کی اطاعت کا وعدہ کرتے ہوئے، پھر جب وہ انھیں بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے کچھ راہ راست پر رہتے ہیں (اور کچھ بے راہ ہو جاتے ہیں)۔ ہماری آیات کا انکار تو بس وہی لوگ کرتے ہیں جو بالکل بدعہد اور ناشکرگزار ہوتے ہیں۔

اے لوگو، اپنے رب (کی پکڑ) سے بچو اور اس دن سے ڈرو جب کوئی باپ اپنی اولاد کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ کے کچھ کام آئے گی۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، پس یہ دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈالنے پائے اور اللہ کے بارے میں فریب کار تمھیں دھوکا نہ دینے پائے۔[۱۴]

قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔[۱۵] کوئی متنفس یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا اور نہ کسی نفس کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آنی ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے[۱۶]۔ ۲۸-۳۴

[۱۴] یہاں فریب کار سے مراد شیطان بھی ہے، انسان کا اپنا نفس بھی اور آخرت کے تصور کے بغیر دنیا کی زندگی بھی۔

[۱۵] یہاں ذہن میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ موجودہ زمانے میں تو الٹراساؤنڈ کے ذریعے سے بھی رحم کے اندر بچے کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس پوری کائنات میں اس کی ارب ہا ارب مخلوقات میں سے کن ماؤں کے پیٹ میں کیا کچھ پرورش پا رہا ہے، ان کی خصوصیات وصفات کیا ہیں اور ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس آیت کا تعلق کسی محدود دائرے میں انسان کی محدود معلومات سے نہیں ہے۔

[۱۶] اس کائنات کے اندر زمین کی کیا حیثیت ہے، اس کاروبارِ ہستی کو کب لپیٹ لینا ہے اور انسان کی آزمایش کا وقت کب ختم کرنا ہے، یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق خالصتاً الٰہی علم سے ہے۔ انسان کو اس کھوج میں نہیں پڑنا چاہیے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا اصل کام یہ ہے کہ اس بڑے دن کے لیے تیاری کرے۔

ان آیات کے ساتھ اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ سجدہ

[۳۲]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۱۵ میں یہ لفظ آیا ہے، چنانچہ اس مناسبت سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضمون

اس سورہ میں بھی وہی مضامین زیر بحث ہیں جو پچھلی سورہ میں آئے ہیں۔ گویا یہ سورہ، پچھلی سورہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورہ کا مضمون بھی توحید، رسالت اور آخرت ہے۔

ركوعاتها ٣

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ

اٰياتها ٣٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ ج بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ط مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ط اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ يُدَبِّرُ
الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ عَالِمُ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶﴾ الَّذِيْ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ
جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَقَالُوْا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ط بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ
ع رَبِّهِمْ كَافِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَوْ تَرٰٓى
اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ
شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾
فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ج اِنَّا نَسِيْنَاكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

ا۔ل۔م۔ اِس کتاب کا نزول بلاشبہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

اے نبیؐ، کیا یہ (منکرینِ حق) کہتے ہیں کہ اِس شخص نے اسے اپنی طرف سے خود گھڑ لیا ہے؟ (نہیں)، بلکہ یہی حق ہے تیرے رب کی جانب سے تا کہ تم اُس قوم کو متنبہ کردو جس کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تا کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں۔[۱]

اے لوگو، اللہ ہی نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ ادوار میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا[۲]۔ اس کے سوا تمھارا کوئی کارساز نہیں ہے اور نہ اس کے مقابل میں کوئی سفارشی۔ (پھر) کیا تم لوگ ہوش میں نہ آؤ گے؟ وہی اللہ آسمان سے زمین تک سارے معاملات کا انتظام کرتا ہے اور پھر اس انتظام کی تفصیلی رپورٹ اُس کے حضور جاتی ہے، ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمھارے شمار سے ایک ہزار سال کے برابر ہے[۳]۔ وہی اللہ ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، غالب اور رحیم ہے۔ اُس نے جو چیز بھی بنائی، خوب ہی بنائی۔ اُس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی، پھر اس کی نسل حقیر پانی کے ایک خلاصے سے چلائی، پھر اس کی نوک پلک سنواری اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ تمھیں کان، آنکھیں اور دل دیے ـــــ تم لوگ کم ہی شکرگزار ہوتے ہو۔

(اے نبیؐ، یہ منکرین حق) کہتے ہیں: ”جب ہم مٹی میں مل کر خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے؟“ اصل بات یہ ہے کہ یہ (روزِ قیامت) اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ (ان سے) کہہ دو: ”(موت کا) وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، تمھاری جان قبض کرلے گا اور پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“ اگر تم اُس وقت کو دیکھ پاتے جب یہ مجرم اپنے رب کے حضور سر جھکائے (اعتراف کریں گے): ”اے ہمارے رب، ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب ہمیں واپس بھیج دے تا کہ ہم نیک عمل کریں۔ اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔“ (جواب میں ارشاد ہوگا): ”اگر ہم چاہتے تو (پہلے ہی) ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے۔ لیکن میری وہ بات پوری ہوگئی جو میں نے کہی تھی کہ میں جہنم کو (ظالم) جنوں اور انسانوں، سب سے بھر دوں گا[۴]۔ پس اب چکھو مزہ اس بات کا کہ تم نے اِس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا۔ اب ہم نے بھی تم کو نظر انداز کر دیا۔ اب تم اپنے کیے کے نتیجے میں ہمیشگی کا عذاب جھیلو۔ ۱-۱۴

[۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت خاص سرزمین عرب کے مشرکین کی جانب تھی، جن کے ہاں حضرت اسماعیلؑ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا تھا۔ یہاں اسی کا بیان ہے۔

[۲] عرش پر متمکن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کو تخلیق کر کے اللہ ایک طرف نہیں بیٹھ گیا، بلکہ وہ کرسی حکومت پر جلوہ فرما ہو کر ساری کائنات کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔

[۳] یعنی نہ صرف یہ کہ وہ پوری کائنات کی تدبیر فرما رہا ہے، بلکہ کارکنان قضا و قدر باقاعدہ اس کے حضور رپورٹ بھی پیش کرتے ہیں۔ البتہ اللہ کے ہاں زمانے کا تصور اس دنیا میں ہمارے تصور سے بہت مختلف ہے اور اسی کے حساب سے اس کے پروگرام اور منصوبے بنتے ہیں۔ اس وجہ سے نہ تو ہر شخص ان کے

نتائج سے آگاہ ہوسکتا ہے اور نہ ان کی حکمتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ بندوں کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ جلد بازی نہ کریں، بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کریں۔ سورۂ معارج میں اللہ کے ہاں دن کی مثال ہمارے دنیوی دنوں کے حساب سے پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے۔ چونکہ مختلف سیاروں اور ستاروں کے مدار الگ الگ ہیں، اس لیے ان کے انتظام کے لیے دن کی مقدار بھی الگ الگ ہے۔ گویا اس سے انسان کو اللہ کے ہاں کے ایک دن کی وسعت کا تصور دینا مقصود ہے۔ اس کی پوری تفصیل امور متشابہات میں سے ہے۔

[۴] یہ بات اللہ نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾ السجدة
تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ
نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا
يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ
الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

ہماری آیات پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب انھیں یہ (آیات سنا کر) نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں، اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۵۔ ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں۶ اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ (رزق) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۷۔ چنانچہ کسی انسان کو یہ خبر نہیں ہے کہ ان لوگوں کے لیے ان کے اعمال کے بدلے میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک پوشیدہ ہے۔

کیا (ایسا ہوسکتا ہے کہ) جو شخص مومن ہو، وہ ایک نافرمان شخص کے مانند ہو جائے؟ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، ان کے لیے راحت کے باغات ہیں، ان کے اعمال کے صلے میں ضیافت کے طور پر۔ رہے وہ جنھوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب کبھی وہ اس میں سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو اسی میں واپس دھکیل دیے جائیں گے اور

ان سے کہا جائے گا کہ اب چکھو اسی دوزخ کے عذاب کا مزہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

اُس بڑے عذاب سے پہلے ہم (اسی دنیا میں بھی) انھیں سزا چکھائیں گے تاکہ یہ باز آجائیں[8]۔ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جائے اور وہ پھر بھی ان سے منہ پھیر لے؟ ایسے مجرموں سے ہم ضرور انتقام لیں گے۔ ۱۵-۲۲

[۵] غرور و تکبر اتنی بری چیز ہے کہ قرآن مجید نے بار بار اس سے منع فرمایا ہے۔

[۶] یعنی جب نماز کا وقت آجائے تو وہ اپنے آرام دہ بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں۔

[۷] اللہ کے دین کی خدمت اور اللہ کے مجبور بندوں کی مال کے ذریعے سے مدد بھی ایک ایسا فرض ہے جس سے انسان کو کسی بھی لمحے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

[۸] یہاں اسی سزا کا بیان ہے جو رسول کی مخاطب قوم کو اس دنیا میں بھی لازماً ملتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾
وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ
يَمْشُوْنَ فِيْ مَسَاكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ
الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ
كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ
عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اے نبیؐ، ہم نے موسیٰؑ کو بھی کتاب عطا کی تھی تو تم اُس روزِ قیامت کی ملاقات کے بارے میں کسی شک میں نہ رہو[9]۔ اُس (کتاب) کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا، ہم نے ان میں ایسے قائدین اٹھائے جو ہمارے حکم سے ان کی رہنمائی کرتے تھے جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین رکھنے والے بنے[10]۔ بے شک، تیرا رب ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے رہے ہیں۔

اے نبیؐ، کیا ان (مشرکین) کو یہ حقیقت ہدایت دینے والی نہ بنی کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر چھوڑا جن کی بستیوں میں آج یہ چلتے پھرتے ہیں؟ بے شک، اس کے اندر بڑی نشانیاں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سنتے سمجھتے نہیں؟ کیا ان لوگوں نے دھیان نہیں کیا کہ ہم پانی سے بھرے بادلوں کو خشک زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں اور پھر اُسی زمین سے کھیتی اگاتے ہیں جس سے ان کے جانوروں کو بھی چارہ ملتا ہے اور یہ خود بھی (اس میں سے کھاتے ہیں)؟ تو کیا ان لوگوں کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا؟ یہ لوگ (تم سے) پوچھتے ہیں: ''وہ فیصلے کا دن کب آئے گا اگر تم سچے ہو؟'' (ان سے) کہو: ''فیصلے کے دن ایمان لانا ان لوگوں کے لیے کچھ بھی نفع کا باعث نہ ہوگا جنھوں نے انکارِ حق کیا ہوگا اور پھر ان کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی[11]۔'' اچھا، انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور انتظار کرو، یہ لوگ بھی منتظر ہی ہیں[12]۔ ۲۳-۳۰

[۹] یہ قرآن مجید کا وہی خوب صورت اسلوب ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے دراصل باقی سب لوگوں کو بات سنانی مقصود ہوتی ہے۔

[۱۰] اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی صاحب کتاب قوم بلحاظ مجموعی صبر کے راستے پر گامزن ہو، جلد بازی اور فوری ردِ عمل کا مظاہرہ نہ کرے، اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کی جدوجہد مسلسل جاری رکھے اور دین پر پختہ یقین رکھے تو اللہ کی طرف سے اس پر یہ انعام ہوتا ہے کہ اس قوم کو اچھے قائدین ملتے رہتے ہیں جو قوم کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں۔

[۱۱] یہاں فیصلے کے دن کے لیے 'یوم الفتح' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا اس سے مراد وہ دن ہے جب رسول کے ساتھیوں کو اپنے مخالفین پر فیصلہ کن فتح مل جاتی ہے۔

[۱۲] یعنی اگر کوئی اس دن کے انتظار میں ایمان نہ لانا چاہے تو نہ لائے۔ بہر حال حق اس کے سامنے واضح کر دیا گیا ہے اور اسے یہ بتا دیا گیا ہے کہ رسول کے دشمنوں کا دنیا اور آخرت میں کیا انجام ہوگا۔

ان آیات کے ساتھ اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورۂ احزاب

[۳۳]

نام

اس سورہ کی آیت نمبر ۲۰ میں یہ لفظ آیا ہے، جس کی وجہ سے اس سورہ کو یہ نام دیا گیا۔

زمانۂ نزول اور مضامین

یہ سورہ قرآن مجید کے چوتھے گروپ کی آخری سورہ ہے۔ اس سورہ میں جن تاریخی واقعات کو زیر بحث لایا گیا ہے، وہ پانچ ہجری میں پیش آئے تھے۔ گویا یہ سورہ اسی زمانے میں نازل ہوئی۔

اس چوتھے گروپ کا اہم ترین موضوع قرآن مجید اور رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے اس سورہ میں چند باتوں کو خصوصی طور پر نمایاں کر دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ بحیثیت آخری رسول، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کون کون سے امور سرانجام دینے ہیں، اس امت مسلمہ کے ساتھ آپ کے تعلق کی اصل نوعیت کیا ہے اور امت پر آپ کے کیا حقوق ہیں۔ اس کے ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ؓ کا بھی امت کے اندر ایک خصوصی درجہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے تعلق کی ایک مخصوص نوعیت ہے۔

اس سورہ میں رسول کی خصوصی حیثیت کو بھی بیان کر دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کی ذمہ داریوں کے حوالے سے اس کے لیے بعض قوانین میں سختی کی جاتی ہے اور بعض قوانین کو نرم بھی بنایا جاتا ہے۔ اس سورہ میں غزوۂ احزاب، غزوۂ بنی قریظہ اور حضرت زینب ؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے معاملے پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں میں ہمارے لیے بڑی روشنی ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگزشت کا ایک اہم حصہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے جس سے ہمارے ایمان میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور دین پر عمل کرنے کے ضمن میں ہمارا عزم مزید پختہ ہو جاتا ہے۔

اس سورہ کی کئی آیات کی تفسیر میں اہل علم کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے جس کی تفصیل میں جانا یہاں ممکن نہیں ہے۔ تاہم اس راقم کی کوشش ہے کہ ان کو مختصراً بیان کر دیا جائے۔ تفصیل کے طالبوں کے لیے اصل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا۔

رکوعاتہا ۹ — # سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ — آیاتہا ۷۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا
يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾
مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ
اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْهُمْ
لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵﴾ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى
بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾ وَاِذْ
اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۷﴾ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد و حساب مہربان ہے، جس کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اے نبیؐ، اللہ سے ڈرو اور ان منکرینِ حق اور منافقین کی باتوں پر کان نہ دھرو۔ بے شک، علیم و حکیم تو اللہ ہی کی ذات ہے۔ پیروی کرو اس چیز کی جو تم پر تمھارے رب کی جانب سے وحی کی جا رہی ہے۔ تم لوگوں کے اعمال سے اللہ پوری طرح باخبر ہے۔ اللہ پر بھروسا رکھو، اس لیے کہ بھروسے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

(اے اہلِ ایمان)، اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔[2] تم لوگ اپنی جن بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہو، ان کو (اللہ نے) تمھاری مائیں نہیں بنایا۔[3] اسی طرح تمھارے منہ بولے بیٹوں کو (اللہ نے) تمھارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا۔ یہ سب تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں، مگر اللہ وہی بات کہتا ہے جو حقیقت ہے اور وہی صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ اگر تمھیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے شریکِ قبیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔[4] اور اس باب میں تم سے جو غلطی ہوئی اس کے بارے میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے، البتہ جس بات کا تم دل سے عزم کر لو (اس پر مواخذہ ہوگا)۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

بلاشبہ نبیؐ اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہیں اور نبیؐ کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں۔[5] اسی طرح رحمی رشتے رکھنے والے عام مومنین و مہاجرین کی نسبت ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تم کوئی اچھا سلوک کرنا چاہو۔[6] یہ حکم کتابِ الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔

اے نبیؐ، یاد رکھو اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے اور تم سے بھی۔ (یہی عہد ہم) نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم سے (لے چکے ہیں)۔ ان سب سے ہم نے نہایت پختہ عہد لیا تھا تاکہ سچے لوگوں سے اللہ ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے۔ منکرینِ حق کے لیے اللہ نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۱-۸

[۱] آگے اللہ تعالیٰ کو کچھ ایسے احکام دینے تھے جن پر دشمنانِ اسلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان کھڑا کر دیتے، اس لیے سورہ کے بالکل شروع میں ہی اس ممکنہ پروپیگنڈے کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ دلائی گئی اور بتایا گیا کہ اس کے باوجود آپ کو اللہ کے حکم کی پوری پوری پیروی کرنی ہے۔

[۲] یعنی جس طرح اللہ نے انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے، اسی طرح اللہ نے انسان کو متضاد قوانین نہیں دیے اور اگر لوگ کسی جگہ متضاد قوانین پر عمل کر رہے ہیں تو اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ان کی اصلاح کر دے گا۔

[۳] سرزمین عرب میں طلاق کی ایک خاص قسم کو 'ظہار' کہا جاتا تھا۔ یہ طلاق کی سب سے سخت قسم شمار کی جاتی تھی جس کے بعد وہ بیوی اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی۔ ظہار کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا کہ اب تم میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو گئی ہو۔ قرآن مجید نے اس بات کو لغو اور جھوٹ قرار دیا۔ اس اصلاحی قانون سے قرآن نے ان لوگوں کی گھریلو زندگی کو درہم برہم ہونے سے بچانے کی راہ کھول لی جو غصے میں آ کر نتائج کی پروا کیے بغیر، اس طرح کے سخت الفاظ اپنے منہ سے نکال دیا کرتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل سورۂ مجادلہ میں آئے گی۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا

ہے کہ دین کو اصل دل چسپی اس بات سے ہے کہ خاندان سلامت رہیں، نہ کہ فضول، جذباتی اور غصے والی باتوں پر ٹوٹتے رہیں۔

[۴] خاندانی زندگی کی اصلاح کے لیے یہ بھی بہت اہم قانون ہے کہ اگر کسی کو منہ بولی اولاد بنانا ہو تو یہ کام پوری دیانت داری کے ساتھ کیا جائے اور شجرۂ نسب کو کبھی نہ بگاڑا جائے۔ اگر اس کے باپ کے بارے میں کوئی علم نہ ہو تو اس کے حقوق اور ذمہ داریاں خاندان یا قبیلے کے ایک فرد کی حیثیت سے یقیناً ہوں گی، لیکن اس کو نسبی بیٹے کی حیثیت حاصل نہ ہوگی۔

[۵] یہاں امت مسلمہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوزیشن کی وضاحت کی گئی۔ وہ پوزیشن یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق خود اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔ گویا اس پوری کائنات میں ہمارے لیے اللہ کے بعد سب سے زیادہ اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ ہمارے خاندان اور ہماری اپنی جان کی باری اس کے بعد آتی ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے ازواج مطہراتؓ سب مسلمانوں کے لیے ماؤں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امہاتؓ المومنین اس امت کے اندر ایک ایسی خصوصی حیثیت رکھتی ہیں جس کی اہمیت ہر صاحب ایمان کے ذہن وشعور میں ہر وقت زندہ رہنی چاہیے۔

[٦] درج بالا رشتے کے بعد ایک مسلمان کے لیے اہم ترین رشتہ وہ ہے جو میاں بیوی کے تعلق سے وجود میں آیا ہے۔ وراثت کا حق اسی رشتے کے اندر ہے۔ البتہ ہر کسی کو دوسروں کے ساتھ نیکی اور مدد کرنی چاہیے۔

[۷] آیت نمبر ۱، ۲ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ آپ اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی کو بلا کم وکاست بیان کریں گے اور اس پر پورا پورا عمل کریں گے۔ اب یہاں یہ بات کہی جارہی ہے کہ یہی عہد باقی تمام پیغمبروں سے بھی لیا گیا تھا۔ اس میثاق کے معاملے میں اللہ نے کوئی نرمی نہیں برتی اور اسی عہد کے مطابق سب سے پہلے پیغمبروں سے ان کی راست بازی کے متعلق سوال کیا جائے گا اور پھر پیغمبروں کے ذریعے سے جن لوگوں کو دین کا پیغام ملا، ان سے بھی ان کی راست بازی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ
تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٩﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا
شَدِيْدًا ﴿١١﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذْ
قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ
بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ

عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا

قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اے اہلِ ایمان، یادرکھو اللہ کے اُس احسان کو جو اس نے تم پر اُس وقت کیا جب (غزوۂ احزاب میں) تم پر فوجیں چڑھ آئیں تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں[8]۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اُس وقت کر رہے تھے۔ یاد کرو جب دشمن تم پر چڑھ آیا، اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی[9]۔ اُس وقت (خوف کے مارے تمھاری) آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اُس وقت اہلِ ایمان ایک بڑے امتحان میں ڈالے گئے اور بالکل ہلا دیے گئے۔

یاد کرو وہ وقت، جبکہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی، صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ تو محض فریب نکلے۔ اُس وقت ان میں سے ایک گروہ نے کہا: ''اے یثرب کے لوگو، اب تمھارے لیے ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو۔'' اُن میں سے ایک گروہ نبیؐ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں۔ حالانکہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں تھے، دراصل یہ لوگ (محاذِ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے[10]۔ اگر (شہر کے) اطراف سے ان پر حملہ ہو جاتا اور اُس وقت انھیں اِس فتنے میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی تو یہ اس میں جا پڑتے اور اِس میں بہت ہی کم تاخیر کرتے[11]۔ حالانکہ اس سے پہلے ان لوگوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ اللہ سے کیے ہوئے عہد کے بارے میں تو لازماً سوال کیا جائے گا۔

اے نبیؐ، (ان منافقین سے) کہو: ''اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمھارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہیں ہوگا اور اس کے بعد تمھیں زندگی کے مزے لوٹنے کا تھوڑا سا ہی موقع مل سکے گا۔'' (ان سے) پوچھو: ''کون ہے جو تم کو اللہ سے بچا سکتا ہے، اگر اللہ تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے؟ اور (کون اللہ کی رحمت کو روک سکتا ہے) اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے؟'' یہ لوگ اپنے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی کارساز یا مددگار نہیں پا سکیں گے۔ ۹-۱۷

[۸] غزوۂ احزاب شوال ۵ ہجری میں واقع ہوا۔ اس جنگ میں عالم عرب کے سارے دشمنان اسلام اکٹھے ہو کر مدینے پر حملہ آور ہوئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو آپ نے سب مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ دشمن کے لشکر کی تعداد دس بارہ ہزار تھی اور ان کے پاس اسلحہ بھی بڑی تعداد میں تھا۔ اس کے مقابلے میں مدینہ کے اندر جنگ کے قابل مسلمانوں کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی اور مسلمانوں کے پاس دشمن کے مقابلے میں اسلحہ بھی کم تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ مدینہ کا دفاع کیا جائے اور دشمن کو حملہ نہ کرنے دیا جائے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے شہر کی شمالی اور مغربی سمت میں ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی گئی۔ یہی وہ دو اطراف تھے جن سے مدینے پر حملہ ہو سکتا تھا۔ مدینہ کے جنوب میں باغات اس کثرت سے تھے کہ اس جانب سے کوئی حملہ ممکن نہ تھا۔ اسی طرح مشرق میں لاوے کی چٹانیں تھیں جن کو پار کر کے فوج کشی ممکن نہیں تھی۔ عرب کے لوگ اس طریق دفاع سے بالکل نا آشنا تھے، چنانچہ جب دشمنوں کا لشکر مدینہ پہنچا تو انھیں ایک طویل محاصرے کے لیے تیار ہونا پڑا۔ موسم سخت سرد تھا اور دشمن اس کے لیے تیار ہو کر نہیں آیا تھا۔ غزوۂ احزاب کی اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ اہل ایمان کو دنیوی تدبیر کو کتنی زیادہ اہمیت دینی چاہیے۔ اس وقت مسلمان یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ اگر اللہ چاہے گا تو ہمیں فتح دے دے گا ورنہ ہم لوگ شہید ہو کر سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن اس کے بجائے اہل ایمان کے سامنے اصل مسئلہ امت مسلمہ کی حفاظت کا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک ایسی تدبیر سوچی کہ سرے سے جنگ کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ دشمنوں کی طرف سے مدینے کا محاصرہ تقریباً ایک ماہ جاری رہا، لیکن اس دوران میں اکا دکا واقعات کے سوا براہ راست جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ پھر دشمن کے محاذ میں پھوٹ بھی پڑ گئی اور ایک رات ایک سخت طوفانی ہوا نے ان کے خیمے اور شامیانے سب اکھاڑ کر پھینک دیے، جس سے ان کے حوصلے بالکل ہی پست ہو گئے اور راتوں رات سب اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ درج بالا آیات میں قرآن مجید نے اللہ کے اس احسان کی طرف اہل ایمان کی توجہ دلائی ہے۔

[۹] اس جنگ میں ہر سمت سے مخالفین کی فوجوں نے مدینے کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ دشمنوں کی کچھ افواج نے مشرق کی طرف سے مدینے کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور قریش کے لشکر مغرب کی سمت سے آئے تھے۔

[۱۰] اس سخت وقت میں مدینے کے اندر موجود منافقین نے بھی اہل ایمان کے حوصلے پست کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ انھوں نے پروپیگنڈا کیا کہ ہمیں تو قیصر و کسریٰ کی سلطنت پر قبضہ کرنے کا خواب دکھایا جا رہا تھا اور یہاں حال یہ ہے کہ ان سے مدینے کی حفاظت بھی نہیں ہو رہی۔ اسی طرح کچھ منافقین نے کہا کہ اب ہمیں اپنے آبائی دین پر واپس چلے جانا چاہیے۔ کچھ منافقین محاذ جنگ سے بھاگنے کے لیے یہ بہانہ بناتے تھے کہ ہمارے اپنے گھر کو خطرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت سارے اہل مدینہ کی حفاظت کے ذمہ دار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ایسے عالم میں اس بہانہ بازی کا مطلب محاذ جنگ سے فرار کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

[۱۱] یعنی اگر دشمن حملہ کر دیتا اور انھیں مسلمانوں سے غداری کر کے اپنے ساتھ آ ملنے کی دعوت دے دیتا تو بعید نہیں تھا کہ یہ لوگ دشمن کے ساتھ مل جاتے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا

ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ
ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي
ع ۲ ۱۲ ۱۸ الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا
هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾
لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا
رَحِيمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ
قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿٢٥﴾ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ
فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿٢٦﴾ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَئُوهَا ۚ
ع ۳ ۱۹ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٧﴾

(اے اہلِ مدینہ)، اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جنگ کے کام میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ۔ یہ (منافقین) جنگ میں تھوڑا سا ہی حصہ لیتے ہیں اور یہ تمھارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔ (اِس جنگ میں) جب خطرے کا وقت آجاتا تو اس طرح آنکھیں پھرا پھرا کر تمھاری طرف دیکھتے تھے جیسے کسی مرنے والے پر غشی کی حالت طاری ہو رہی ہو اور پھر جب خطرہ گزر جاتا تو یہ لوگ مال کی طمع میں تم سے بڑی خوشامد کی باتیں کرتے۔ یہ لوگ (ہرگز) ایمان نہیں لائے، اسی لیے اللہ نے اُن کے سارے اعمال ضائع کر دیے۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ یہ لوگ گمان کر رہے ہیں کہ (حملہ آور) گروہ ابھی گئے نہیں ہیں اور اگر (دشمن کے) لشکر تم پر پھر حملہ آور ہو جائیں تو ان کی تمنا یہ ہوگی کہ (اُس موقع پر) وہ

دیہاتیوں کے ساتھ کہیں صحرا میں جا بیٹھیں اور وہاں سے تمھاری خبریں معلوم کرتے رہیں۔ اگر (اُس وقت) یہ تمھارے ساتھ ہوتے تو جنگ میں برائے نام ہی حصہ لیتے۔[۱۲]

(اے ایمان والو، درحقیقت) تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ تھا، اُن کے لیے جو اللہ کی (ملاقات) اور روزِ آخرت کے امیدوار ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔[۱۳] جب اہلِ ایمان نے (حملہ آور) لشکروں کو دیکھا تو وہ بولے: ''یہ تو وہی چیز پیش آئی جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول نے بالکل سچ کہا۔''[۱۴] (جنگِ احزاب کے) اس واقعے نے اِن سچے مسلمانوں کے ایمان اور اطاعت میں مزید اضافہ کیا۔

اہلِ ایمان میں وہ جان باز بھی موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر کے دکھایا۔ ان میں سے بعض تو اپنا عہد پورا کر چکے ہیں اور کچھ (وقت آنے کے) منتظر ہیں۔ انھوں نے (اپنے رویے میں) کوئی تبدیلی نہیں کی تا کہ اللہ صادقین کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقین کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے۔ بے شک، اللہ غفور و رحیم ہے۔

اللہ نے منکرینِ حق کو پسپا کر دیا۔ وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنا غم و غصہ اپنے ساتھ لیے یوں ہی واپس ہو گئے اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی جنگ کے لیے کافی ہو گیا۔ اللہ قوی اور غالب ہے۔ پھر اللہ نے اُن اہلِ کتاب کو جنھوں نے حق کے منکروں کی مدد کی، اُن کے قلعوں سے اتار دیا اور اُن کے دلوں کو ایسا مرعوب کر دیا کہ (آج اُن میں سے) ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو۔ اللہ نے اُن کی زمین، گھروں اور مالوں کا وارث تم لوگوں کو بنا دیا۔[۱۵] اس کے علاوہ کچھ اور بھی زمین ہے جس پر تمھارے پاؤں ابھی نہیں پہنچے (اور وہ بھی تمھیں عطا کی جائے گی)۔[۱۶] اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۸-۲۷

[۱۲] جنگِ احزاب کے موقع پر بھی منافقین نے اپنی روایتی پالیسی سے کام لیا۔ اگرچہ اس پالیسی کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ان لوگوں نے اپنی طرف سے مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کی پوری پوری کوشش کی۔

[۱۳] اس جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے والوں میں خود بھی شامل تھے، بھوک اور سردی کی تکلیفیں بھی آپ نے ایسے ہی اٹھائیں جیسے دوسرے مسلمانوں نے اٹھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل محاذِ جنگ پر موجود رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے دوسروں سے مختلف کوئی انتظام نہ کیا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں سے جس قربانی کا مطالبہ کیا، اس پر سب سے پہلے خود عمل کیا۔ یہ سیرت و کردار یقیناً ہر مسلمان کے لیے ایک ایسا نمونہ ہے، جس پر عمل کرنے کی کوشش اسے ہر وقت کرنی چاہیے۔

[۱۴] قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اہلِ ایمان سے کہا تھا کہ ان کے اوپر سخت آزمایشیں آئیں گی اور ان کے ایمان کو جانچا جائے گا۔

[۱۵] مدینے کے جنوب مشرقی گوشے میں بنی قریظہ کا یہودی قبیلہ رہتا تھا۔ 'میثاق مدینہ' کی رو سے یہ قبیلہ مسلمانوں کا حلیف تھا اور مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کرنے کا پابند تھا، اسی لیے مسلمانوں نے اس طرف سے بے فکر ہو کر اپنے بال بچے ان جگہوں میں بھجوا دیے جو بنی قریظہ کی جانب تھیں۔ جنگ احزاب کے دوران میں دشمنوں نے بنی قریظہ سے رابطہ کیا اور انھیں غداری کرنے پر آمادہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے انصار کے سرداروں کے ایک وفد کو حقیقت معلوم کرنے کے لیے ان کے پاس بھیجا۔ وہاں بنی قریظہ نے برملا جواب دیا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا ہے اور اب ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ انتہائی خطرناک صورت حال تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دفاعی انتظامات کر لیے۔ اِسی دوران میں ایک دشمن قبیلے غطفان کے ایک شخص نعیم بن مسعود مسلمان ہو گئے۔ ابھی لوگوں کو ان کے قبول اسلام کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ دشمن کی صفوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ چنانچہ نعیمؓ کی تدبیر سے بنی قریظہ اور قریش کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔ جس رات کو دشمن واپس چلا گیا تو اگلے دن ظہر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو حکم دیا کہ بنی قریظہ کے قلعے کا محاصرہ کیا جائے تا کہ ان کو غداری کی سزا دے دی جائے۔ یہ محاصرہ ایک مہینے تک جاری رہا۔ بنی قریظہ کے پاس خوراک کا اتنا وافر ذخیرہ موجود تھا کہ وہ مزید کافی عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس مسلمان سخت سردی کے عالم میں بنی قریظہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، تاہم اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ انھوں نے اس شرط پر اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا کہ قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ ان کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے، اسے فریقین مان لیں گے۔ انھوں نے حضرت سعد کو اس توقع پر حَکَم بنایا تھا کہ ایک لمبی مدت سے اوس اور بنی قریظہ کے درمیان دوستی کا تعلق چلا آ رہا تھا۔ لیکن حضرت سعدؓ یہ دیکھ چکے تھے کہ اس سے پہلے جن دو یہودی قبیلوں کو اپنی وعدہ خلافی کی پاداش میں مدینہ سے نکل جانے کا موقع دیا گیا تھا، وہی لوگ دراصل جنگ احزاب کے ذمہ دار تھے۔ اس آخری یہودی قبیلہ کی غداری کا سارا معاملہ بھی ان کے سامنے تھا۔ چنانچہ انھوں نے تورات کے قانون کے مطابق یہ فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے تمام قابل جنگ افراد قتل کر دیے جائیں، دوسروں کو قید کر دیا جائے اور ان کی تمام املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ جب مسلمان بنی قریظہ کے قلعے میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ جنگ احزاب میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے ان غداروں نے بہت بڑی تعداد میں اسلحہ جمع کر لیا تھا۔ اگر اللہ کی تائید مسلمانوں کے شامل حال نہ ہوتی اور ایک ہی وقت میں ایک طرف سے مشرکین حملہ کر دیتے اور دوسری طرف سے بنی قریظہ حملہ کر دیتے تو بہت بڑی خطرناک صورت حال پیدا ہو جاتی۔ اسی واقعے کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ چونکہ اس پورے قبیلے پر مکمل اتمام حجت ہو چکا تھا، ان کے سرداروں نے بارہا یہ اقرار کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور اس کے باوجود وہ اپنی انا اور تعصب کی وجہ سے اس غداری پر آمادہ ہوئے تھے، اس لیے ان کے لیے ہلاکت کی وہی سزا مقدر ہو گئی جو ہر رسول کے دشمنوں کو ملا کرتی ہے۔

[۱۶] یہ مستقبل کی فتوحات کی بشارت ہے۔ جس رات مشرکین اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان خالی پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اب آیندہ قریش کے لوگ تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے۔'' یہ حالات کا بالکل صحیح اندازہ تھا، اس لیے کہ سارے دشمن متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اپنا آخری داؤ چل چکے تھے جس میں انھیں فیصلہ کن ناکامی ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا
جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

[پارہ نمبر22]

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ
وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ
الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع

اے نبیؐ، اپنی بیویوں سے کہہ دو: ”اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینتیں چاہتی ہو تو آؤ، میں تمھیں کچھ دے دلا کر خوب صورتی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ لیکن اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کی طلب گار ہو تو اطمینان رکھو کہ تم میں سے جو بہترین نیک کام کرنے والیاں ہیں، ان کے لیے اللہ نے عظیم انعام تیار کر رکھا ہے[17]۔“

اے نبیؐ کی بیویو، تم میں سے جو کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوگی تو اس کے لیے دو چند سزا ہے۔ اللہ کے لیے یہ کام بہت آسان ہے۔ اِسی طرح تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں بردار بنی رہیں گی اور عملِ صالح کریں گی، اُن کو ہم دُہرا اجر دیں گے۔ اُن کے لیے ہم نے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے[18]۔

نبیؐ کی بیویو، تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو[19]۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو تم لہجہ میں نرمی اختیار نہ کرو تا کہ جن کے دل میں بیماری ہے (یعنی منافق) وہ (اپنی سازش میں کامیابی کی) غلط امید میں مبتلا ہو جائیں، بلکہ بات کیا کرو صاف اور سیدھی طرح[20]۔ اپنے گھروں

میں ٹِک کر رہو[21] اور سابقہ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو[22]۔ نماز کا اہتمام رکھو، زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
کرو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم اہلِ بیتِ نبیؐ سے گندگی کو دور کرے اور تمھیں پوری طرح پاک کرے[23]۔ تمھارے گھروں میں اللہ
کی آیات اور دانائی کی جو تعلیم ہوتی ہے، اُس کا چرچا کرو[24]۔ بے شک، اللہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔ ۲۸-۳۴

[۱۷] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کارِ رسالت میں آپ کی ازواج بھی آپ کی مددگار تھیں۔ بعض اوقات دشمنانِ اسلام اور منافقین ان ازواجِ مطہرات کے متعلق غلط پروپیگنڈے کرتے۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات کے اعلیٰ کردار کو ظاہر کرنے کے لیے ان کو اللہ اور رسول کی طرف سے آزادی کا پروانہ دیا گیا اور انھیں یہ پیش کش کی گئی کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی سختیاں نہ برداشت کر سکتی ہوں تو ان کو بہت کچھ مال و دولت دے کر رخصت کر دیا جائے گا۔ ازواجِ مطہرات اس آزمایش میں پوری اتریں اور سب نے بغیر کسی توقف کے یہ جواب دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر کارِ رسالت میں آپ کی مدد کریں گی۔ اس طرح سب پر ثابت ہو گیا کہ اہل بیت رسالت کا انتخاب خود اللہ نے فرمایا ہے اور اس کے اندر کسی کے لیے دراندازی کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

[۱۸] جس انسان کے قول و عمل کی دوسرے انسانوں کے لیے جتنی زیادہ اہمیت ہوتی ہے، اسی نسبت سے اسے جزا و سزا دی جاتی ہے۔ یہاں ازواجِ مطہرات کے مرتبے کو واضح کرنے کے لیے یہ بات کہی گئی۔ یعنی یہاں بھی دراصل قرآن مجید کے اسلوب کے مطابق باقی لوگوں کو بات سنانا مقصود ہے۔ خصوصی طور پر ان منافقین کو یہ بات جتائی گئی کہ اگرچہ وہ ازواجِ مطہرات کے متعلق اسکینڈل بنانے کی پوری سازش کر رہے ہیں، لیکن اس میں ان کو ناکامی ہوگی۔

[۱۹] یعنی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصی حیثیت ہے جس کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے، اسی طرح ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک خصوصی حیثیت ہے، جس کا خیال ان کو بھی رکھنا چاہیے اور ہر مسلمان کو بھی۔

[۲۰] اس بات کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ کے اندر جو منافقین بستے تھے، ان کی ہر وقت یہ کوشش ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواجِ نبی کے متعلق اسکینڈل بنائیں اور نت نئی افواہیں پھیلائیں۔ اس کے لیے ان منافقین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے ازواجِ نبی کے پاس آتے اور ان سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے تاکہ ان کے منہ سے ایسی کوئی بات نکال سکیں جس کی بنیاد پر وہ پروپیگنڈے کریں۔ چنانچہ اس کا سدِ باب قرآن مجید نے یوں کیا کہ ازواجِ نبی پر یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ کسی بھی دوسرے فرد سے بے تکلف نہیں ہو سکتیں، حتیٰ کہ لہجے میں کوئی نرمی بھی اختیار نہیں کر سکتیں تاکہ منافقین مرد اور عورتیں اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہوں۔ یہ ہدایت ازواجِ نبی کے لیے خاص تھی، اس لیے کہ باقی خواتین کو یہ اجازت ہے کہ وہ دوسری خواتین سے بے تکلف ہو سکتی ہیں، نیز اگر پختہ عمر کی کوئی خاتون کسی کو دین کی دعوت دے یا علم سکھائے تو ظاہر ہے کہ اسے ایسا نرم لہجے میں کرنا پڑے گا۔

[۲۱] ازواجِ نبی کے منصب کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بلاضرورت گھومنے پھرنے اور عام عورتوں کی طرح تقریبات میں جانے سے پرہیز کریں، اس لیے کہ ازواجِ نبی کا اصل کام یہ ہے کہ ان کو اپنے گھروں میں قرآن و سنت کی جو تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست ملتی ہے، اسے دوسری خواتین تک پہنچائیں۔ جب بھی خواتین انفرادی یا اجتماعی شکل میں دین سیکھنے ان کے ہاں آئیں تو ازواجِ نبی اپنے اپنے گھروں میں موجود ہونی چاہییں تاکہ کسی خاتون کو تعلیم و تربیت ملنے میں رکاوٹ پیش نہ آئے۔ یہ حکم بھی ازواجِ نبی کے لیے خاص ہے، کیونکہ عام خواتین پر ایسی پابندیاں نہیں ہیں۔

[۲۲] 'تبرج' کے معنی نمایاں ہونے، ابھرنے اور کھل کر سامنے آنے کے ہیں۔ ہر زمانے میں بادشاہ کی بیگمات پوری سوسائٹی میں سب سے نمایاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے زیورات، چال ڈھال، نوکروں کی فوج ظفر موج اور لباس کی شان و شوکت غرض یہ کہ ہر چیز میں سب سے نمایاں ہوتی ہیں۔ ان کی سواری

اوران کے رہنے سہنے کا انداز بھی سب سے الگ ہی ہوتا ہے۔ اسلام سے پہلے کے دور جاہلیت میں بھی یہ چیز بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ قرآن مجید نے ازواج نبی سے کہا کہ بے شک، تمھارا خاوند اب حکمران ہے اور تم خواتین اول ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ رسول بھی ہے اور تم ایک رسول کی بیویاں ہو، اس لیے تم پر لازم ہے کہ سابقہ دور جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو۔ تمھارے ہاں کوئی شان وشوکت، زیب وزینت، زیورات کی فراوانی، عالی شان لباس اور ملازمین کی فوج ظفر موج نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ تمھارا اصل کام دوسری خواتین کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانا ہے۔ یہ حکم بھی ازواج نبی کے لیے خاص ہے، اس لیے کہ عام خواتین کے لیے زینت کے احکام مختلف ہیں جن کا تذکرہ سورۂ نور میں کیا گیا ہے۔

[۴۳] نماز اور زکوٰۃ اتنی ضروری چیزیں ہیں کہ قرآن مجید ہر جگہ ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے یہاں بھی ان کا تذکرہ کیا۔ یہ دونوں چیزیں اتنی اہم ہیں کہ پروردگار رسول کو بھی ان کی طرف علیحدگی سے توجہ دلاتا ہے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ رسول کے لیے بعض احکام پوری امت سے مختلف ہیں۔ سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر ۴۵ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ وہ نماز کا اہتمام کریں۔ مفتی محمد شفیع اور مولانا مودودی کے مطابق چونکہ یہاں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے جو سب مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان آیات کی ہدایات باقی مسلمان عورتوں کے لیے بھی لازم ہیں۔ مگر استاذ محترم جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر اس سے مختلف ہے۔ ان کے مطابق سورۂ عنکبوت آیت ۴۵ میں حضور کو نماز پڑھنے کی ہدایت دی گئی ہے، حالانکہ نماز سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ چنانچہ جس طرح سورۂ عنکبوت کی متعلقہ آیت سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی مسلمانوں کے لیے ساری ہدایات یکساں ہیں، اسی طرح ان آیات میں نماز وزکوٰۃ کے تذکرے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ازواج نبی اور باقی مسلمان عورتوں کے لیے ساری ہدایات یکساں ہیں۔ مولانا اصلاحی کے مطابق بھی یہ آیات ازواج نبی کے لیے خاص ہیں۔ تاہم انھوں نے اس سے نکلنے والے نتیجے سے براہ راست تعرض نہیں کیا۔

[۴۴] یہاں قرآن مجید نے وہ اصل مقصد بیان کر دیا ہے جس کی خاطر ازواج نبی کو درج بالا ساری ہدایات دی گئیں۔ یعنی یہ کہ ان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کریں اور پھر ان تعلیمات کو دوسری خواتین تک پہنچائیں۔ ظاہر ہے کہ ازواج نبی سے بڑھ کر کون یہ ذمہ داری پوری کر سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی انھی کے سامنے تھی اور بے شمار معاملات میں صرف ازواج نبی ہی یہ تعلیم دوسرے مسلمانوں کو دے سکتی تھیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وعمل جتنا آپ کی ازواج مطہرات ؓ کے ذریعے سے پھیلا ہے، اس کی مقدار دوسرے صحابۂ کرام ؓ کے ذریعے سے پھیلے ہوئے علم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس ذمہ داری پر خود اللہ نے ازواج نبی کو مامور فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عام مسلمانوں کی نسبت زیادہ نکاح کرنے کی خاص اجازت کی ایک اہم مصلحت یہ بھی تھی۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ
وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ

صَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

فِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ

يَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾

یقیناً

○ اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں،

○ ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں،

○ فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں،

○ سچائی پر قائم مرد اور سچائی پر قائم عورتیں،

○ صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں،

○ عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں،

○ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں،

○ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں،

○ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں،

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں،

ن سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔[25]

سی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے

املے میں (خود فیصلہ کرنے کا) اختیار باقی رہ جائے۔ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی ہوئی گمراہی

۲

پڑا۔ ۳۵-۳۶

[۲] اس سے پہلے کی آیات میں صرف ازواج نبی کو مخاطب کیا گیا تھا، اس لیے وہاں یہ کہہ دیا گیا کہ ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویو، تم عام عورتوں کی

ں ہو۔'' اب اس آیت میں سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس آیت میں جن صفات کا ذکر ہوا ہے، وہ تعداد میں دس ہیں اور

ان میں اسلام اور اسلامی اخلاق و کردار کے تمام پہلو سمٹ کر آ گئے ہیں۔ ان کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی۔ اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ عبادت و اطاعت اور اخروی درجات و فضائل میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت کو مذکورہ بالا صفات کے معیار پر ہر وقت اپنے آپ کو جانچنا اور پرکھنا چاہیے۔ یہ صفات جب کسی کے قول و فعل میں راسخ ہوتی ہیں تو وہ بندہ اتنا ہی اللہ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔

[۲۶] اس آیت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دین نام ہے قرآن و سنت کا۔ درج بالا ہدایات کے معاً بعد اس آیت کا آنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان اقدار و صفات کی پیروی ہر مسلمان مرد و عورت کا فرض ہے۔ جب کوئی انسان اپنے قول و فعل میں یہ صفات لے آتا ہے تو باقی دین پر عمل درآمد اس کے لیے نہایت آسان بن جاتا ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ
مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا
یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا
كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا
مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾ مَا
كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۴۰﴾ ع

(اے نبیؐ، یاد کرو وہ موقع) جب تم اُس شخص (یعنی زیدؓ بن حارثہ)، جس پر اللہ نے بھی انعام فرمایا تھا اور تم نے بھی انعام کیا، سے کہہ رہے تھے: ''اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔'' اے نبیؐ، اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ پس جب زیدؓ نے اس سے اپنا رشتہ کاٹ لیا تو ہم نے اُس خاتون (یعنی حضرت زینبؓ بنت جحش) کا نکاح تم سے کر دیا تا کہ مومنوں کے لیے اُن کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے، جبکہ وہ اُن خواتین سے اپنا تعلق کاٹ چکے ہوں۔ اللہ کا فیصلہ تو یقیناً عمل میں آنا ہی تھا۔ ۲۷

نبیؐ کے لیے اللہ نے جو کچھ فرض کیا ہے، اُس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ اللہ کی یہی سنت اُن سب پیغمبروں کے معاملے میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ پچھلے پیغمبر بھی اللہ کے پیغامات کو پہنچاتے تھے اور صرف اللہ ہی سے

ڈرتے تھے۔ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور حساب لینے کے لیے صرف اللہ ہی کافی ہے۔

اے لوگو، محمدؐ تمھارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ ۲۸

۳۷-۴۰

[۲۷] حضرت زیدؓ بن حارثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت محبت تھی اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بھی بنایا ہوا تھا۔ حضرت زینبؓ بنت جحش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی شادی کرادی تھی، لیکن طبیعتوں کے فرق کی وجہ سے دونوں کے درمیان ان بن رہنے لگی۔ حضرت زینبؓ قریش کے ایک نہایت اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، جبکہ حضرت زیدؓ بہت دور دراز کے رہنے والے ایک سابقہ غلام تھے۔ جب حضرت زیدؓ نے طلاق دینے کا فیصلہ کرلیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روکنے کی بہت کوشش کی، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس طلاق کے بعد پھر حضرت زینبؓ کو انتہائی صدمے کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس صدمے کا واحد مداوا یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیں۔

اس وقت عرب معاشرت میں منہ بولے بیٹے کو بالکل اپنے بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا، اسے وراثت میں حصہ بھی ملتا تھا اور اس کی مطلقہ بیوی سے اس کے منہ بولے باپ کا نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس سے پہلے قرآن مجید یہ بات واضح کرچکا تھا کہ اصل رشتہ یا تو خون کا ہے یا رحم کا یا رضاعت کا۔ اس کے علاوہ کسی رشتے کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ عرب معاشرت کے اُس وقت موجود رسم ورواج کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت سخت اندیشہ تھا کہ منافقین اس معاملے کو بھی ایک بڑا اسکینڈل بنالیں گے۔ دوسری طرف یہ مسئلہ بھی تھا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں چار بیویاں تھیں اور اگر حضرت زینبؓ بھی آپ کے نکاح میں آجاتیں تو دشمنان اسلام یہ پروپیگنڈا کرتے کہ معاذ اللہ اس شخص نے خود اپنے لیے اپنے قانون کو توڑ ڈالا ہے۔ تاہم پروردگار کا منشا کچھ اور تھا۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں اس غلط رسم کو ٹوٹنا ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کی گئی کہ جب حضرت زیدؓ طلاق دے دیں اور حضرت زینبؓ عدت کا وقت پورا کرلیں تو پھر آپ کو حضرت زینبؓ سے نکاح کرنا ہے۔ چنانچہ جب آپ نے حضرت زینبؓ کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو انھوں نے غور وخوض کے بعد اس کو قبول کرلیا۔ قرآن مجید نے اس پورے معاملے کی تاریخ کو قیامت تک کے لیے اس وجہ سے محفوظ کردیا کہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ پیغمبر کا کیا مقام ومرتبہ ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے اسے کیسی کیسی آزمایشوں سے گزارا جاتا ہے۔

[۲۸] یعنی چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ آپ کے زمانے میں موجود ہر غلط طریقہ خود آپ کے ہاتھوں سے ختم ہوجائے۔ یہاں قرآن مجید نے واضح اعلان کردیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سب لڑکوں کی وفات نابالغی میں ہوئی ہے اور یہ کہ حضرت زیدؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے نہیں ہیں۔

یہاں لفظ 'خاتِم' نہیں بلکہ 'خاتَم' استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں اس کے معنی 'مہر' کے ہیں۔ 'مہر' کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ایک مہر بند کرنا، (seal) اور دوسرے 'مہر تصدیق ثبت کرنا' (stamp)۔ چنانچہ 'خاتم النبیین' کے معنی نبیوں کی مہر (Seal of the Prophets) ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے ذریعے سے سلسلۂ نبوت کو مہر بند کردیا گیا ہے۔ حضور نے اپنے بعد آنے والے کسی اور نبی کے لیے تصدیق بھی نہیں فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ
عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ
يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾
وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ
الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ
فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾

اے اہلِ ایمان، اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔ وہی اللہ تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (تمھارے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ اللہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ اللہ مومنوں پر نہایت مہربان ہے۔ جس دن یہ مومن اللہ سے ملیں گے، اُن کا استقبال سلام سے ہوگا۔ اللہ نے ان کے لیے بڑا باعزت اجر تیار کر رکھا ہے۔

اے نبیؐ، ہم نے تم کو گواہی دینے والا، خوش خبری پہنچانے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ نے تمھیں اپنی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر (بھیجا ہے)۔ مومنوں کو بشارت دو کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑا فضل ہے۔ منکرینِ حق اور منافقین کی باتوں کا دھیان نہ کرو اور اُن کی طرف سے پہنچے والی تکلیفوں کو نظر انداز کر دو۔ اللہ ہی پر بھروسا کرو کیونکہ اللہ ہی اعتماد کے لیے کافی ہے۔[29]

اے اہل ایمان، جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو اُن کے بارے میں تم پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورا ہونے کا تم مطالبہ کر سکو۔ پس انھیں کچھ مال دو اور ان کو بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔[30] ۴۱-۴۹

[۲۹] ان آیات میں پیغمبر کی شخصیت کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی مثال ایک ایسے چراغ سے دی گئی ہے جو ہر طرف روشنی پھیلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دشمنان اسلام اس روشنی کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ ان کی طرف سے غلط پروپیگنڈوں اور الزامات کی کوئی پروانہ کرو۔ کامیابی آپ کا مقدر ہے۔

[۳۰] اس زمانے میں یہ سوال بھی پیش آ گیا تھا کہ اگر کسی خاتون کے ساتھ نکاح ہو جائے، لیکن ابھی رخصتی کی نوبت نہ آئی ہو تو کن باتوں کا خیال رکھا جائے۔ چونکہ آگے کی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کے متعلق خصوصی قانون زیر بحث آیا ہے، اس لیے اسی سلسلۂ بیان میں یہ ہدایت بھی دی گئی کہ ایسی صورت میں عدت کی کوئی پابندی نہیں ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسی خواتین کو اپنی استطاعت کے مطابق مال دے کر باعزت طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔ سورۂ بقرہ میں بھی 'سراح جمیل' کے الفاظ آئے ہیں اور یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر مہر مقرر کیا گیا ہو تو رخصتی سے پہلے طلاق کی صورت میں آدھا مہر دینا ہوگا۔ یہاں وہ صورت بیان کی گئی ہے جب ابھی مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ گویا اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ جب بھی میاں بیوی میں جدائی کی نوبت آئے تو یہ جدائی اس طریقے سے ہو کہ مطلقہ بیوی کو کوئی مالی تکلیف نہ ہو اور خوب صورتی کے ساتھ معاملہ نمٹا لیا جائے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ
وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمّٰتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ
وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ عَلِمْنَا مَا
فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُئْوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ
حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

اے نبیؐ، ہم نے تمھارے لیے تمھاری ان بیویوں کو جائز کیا جن کے مہر تم دے چکے ہو، تمھاری ان مملوکات کو جو اللہ نے تمھیں عطا فرمائیں، تمھاری چچا کی بیٹیوں، پھوپھیوں کی بیٹیوں، ماموں کی بیٹیوں اور خالاؤں کی بیٹیوں، جنھوں نے تمھارے ساتھ ہجرت کی ہے اور اُس مومن عورت کو بھی تمھارے لیے حلال کیا جو اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کر دے بشرطیکہ نبیؐ اُس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں۔ یہ قانون خاص تمھارے لیے ہے، مسلمانوں سے الگ۔ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اُن مومنوں پر ہم نے ان کی بیویوں اور مملوکات کے بارے میں کیا فرض کیا ہے۔ (تمھارے لیے خاص قانون اس لیے ہے) تاکہ (دین کے کام میں) تمھارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے۔

اللہ غفور و رحیم ہے۔ تم اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو، جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو اور جسے چاہو الگ رکھنے کے بعد پھر اپنے پاس بلالو۔ اس معاملے میں تم پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ توقع ہے کہ اس طرح اُن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی، وہ رنجیدہ نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی تم ان کو دو گے، وہ اس پر راضی رہیں گی۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے۔ اللہ علم رکھنے والا اور بہت نرم سلوک کرنے والا ہے۔ اِن کے علاوہ دوسری عورتیں تمھارے لیے حلال نہیں ہیں اور تمھارے لیے اس بات کی اجازت بھی نہیں ہے کہ تم موجودہ بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کرلو، خواہ اُن کا حسن تمھیں کتنا ہی پسند ہو، سوائے تمھاری مملوکات کے۔ اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔[۳۱] ۵۰-۵۲

[۳۱] درج بالا آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں سے متعلق خصوصی قانون بیان کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دو شادیوں کو چھوڑ کر باقی ساری شادیاں کارِ رسالت کی انجام دہی کے لیے کی گئیں۔ آپ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ تھیں۔ اس شادی کے وقت آپ کی عمر پچیس برس کی تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس۔ اس شادی سے پہلے حضرت خدیجہؓ تین دفعہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اگلے چوبیس برس تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد بیوی تھیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری جوانی ایک ادھیڑ عمر بیوہ خاتون کے ساتھ گزاری۔ آپ انھی کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ نے ہمیشہ اس کا اظہار کیا۔ جب حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو کچھ مہینے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ سے نکاح کر لیا۔ یہ بھی مکی دور کی بات تھی۔ حضرت سودہؓ بھی پچاس سال کی ایک پختہ عمر کی بیوہ خاتون تھیں۔

ہجرت مدینہ کے بعد خواتین کے نقطۂ نظر سے چند اہم ضروریات سامنے آگئیں۔ مسلمانوں کی آبادی بہت تیزی سے بڑھنے لگی اور مسلمان عورتوں کی تربیت کے لیے ایسی خواتین کی ضرورت تھی جو براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت یافتہ ہوں۔ بعض اہم ترین قبیلوں سے مسلمانوں کی بڑی لڑائیاں ہو رہی تھیں اور ان قبیلوں کو امتِ مسلمہ میں پوری طرح ضم کرنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ ان کی رشتہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم کر دی جائے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ آپ کی وفات کے بعد ایسی خواتین موجود ہوں جو دوسری خواتین کو تعلیم دیں۔ سرزمین عرب میں معاشرت سے متعلق کچھ ایسے غلط رواج بھی تھے جنھیں توڑنا ضروری تھا۔ ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے زندگی کے آخری دس سالوں میں کئی نکاح کیے۔ ان میں صرف حضرت عائشہؓ کنواری تھیں۔ باقی سب کی سب بیوائیں یا مطلقہ تھیں۔ چنانچہ درج بالا آیات میں قرآن کے ذریعے سے وہ فہرست مسلمانوں کو بتا دی گئی جن کے اندر رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کرنے تھے۔ کسی خاتون کا اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے ہر حق سے دست بردار ہو کر صرف یہ چاہتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نسبت ہو جائے۔ چونکہ ان تمام شادیوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ یہ خواتین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھ کر پھیلائیں، اس لیے ان خواتین کے ساتھ تعلق کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی پابندی نہیں رکھی گئی اور قرآن نے یہ بتا دیا کہ اس کے باوجود یہ تمام خواتین نہایت خوش رہیں گی اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی، اس لیے کہ دنیا کے فقر و فاقہ کی وجہ سے انھیں آخرت کی عظیم خوشیاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر آئے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دو اضافی پابندیاں عائد کی گئیں۔ ایک یہ کہ اس فہرست سے باہر کی کسی خاتون کے ساتھ آپ نکاح نہیں کر سکتے اور دوسرا یہ کہ موجودہ بیویوں کو آپ طلاق بھی نہیں دے سکتے۔ قرآن مجید نے یہ تمام تفصیلات قیامت

تک کے لیے اس وجہ سے محفوظ کردی ہیں کہ ہمارے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت اور کارِ رسالت کی ذمہ داریوں کا شعور زندہ رہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا
دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ
مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ
لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ
ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا
جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ
وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ
يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

اے اہلِ ایمان، نبیؐ کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے۔[۳۲] نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں، اگر تمھیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، مگر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ یہ باتیں نبیؐ کے لیے اذیت کا باعث تھیں، مگر وہ تمھارا لحاظ کرتے تھے، جبکہ اللہ حق بات کرنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ جب تم کو ازواجِ نبیؐ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو (دروازے پر لگے ہوئے) پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔[۳۳] تمھارے اور اُن کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمھارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ تم خواہ کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

ازواجِ نبیؐ کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، ان کے میل جول کی عورتیں اور ان کی لونڈیاں اُن کے گھروں میں آئیں۔ اے ازواجِ نبیؐ، اللہ سے ڈرتی رہو۔ بے شک، اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔[۳۴]

بے شک، اللہ اپنے نبیؐ پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے (نبیؐ کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔ اے اہلِ ایمان، تم بھی نبیؐ کے لیے رحمت کی دعا کرو اور آپ پر اچھی طرح سلام بھیجو۔[۳۵] ۵۶-۵۳

[۳۲] اس آیت کے ذریعے سے سب مسلمانوں پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ ان میں سے کسی کو بھی امہات المومنین کے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ آگے کی آیات میں دو رعایتیں دی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کھانے کی دعوت کے لیے بلائے جانے کی صورت میں ان کو اندر آنے کی اجازت ہے اور دوسری یہ کہ کچھ افراد کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

[۳۳] اس آیت میں لفظ 'حجاب' آیا ہے، اس لیے اس آیت کو آیت حجاب بھی کہا جاتا ہے۔ اس بات کی پوری تفصیل یہ ہے کہ اس زمانے میں منافقین کی شرارتیں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ (اس کی طرف اشارہ اسی سورہ کی آیات ۵۸-۶۰ میں آجائے گا)۔ یہ منافقین ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی کے متعلق اسکینڈلز بنانے کی کوشش کرتے تھے تا کہ (نعوذ باللہ) آپ کی اور امہات المومنین کی اخلاقی حیثیت مجروح ہو۔ حضورؐ کے زمانے میں آپ تمام مہمانوں کے ساتھ مسجد میں ملاقات کرتے تھے۔ عام مسلمان بھی وہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے۔ مسجد سے متصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بیوی کا الگ الگ گھر تھا اور مسجد کے کمرے کو صرف ایک پردہ ایک دوسرے سے جدا کرتا تھا۔ اس زمانے میں کسی بھی گھر میں مہمانوں کے لیے علیحدہ کمرے یعنی 'ڈرائینگ روم' کا رواج نہیں تھا، چنانچہ منافقین نے یہ کام بھی شروع کیا کہ جب وہ حضورؐ کے ساتھ محفل میں بیٹھے ہوتے تھے تو وہ پانی پینے کے بہانے سے اٹھتے اور بغیر اجازت کے پردہ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور وہاں موجود دوسری خواتین سے پانی یا کھانے کی کوئی چیز مانگتے۔ اس سے اصل مراد ان کی یہ ہوتی تھی کہ اندر کی کچھ باتوں کی سن گن بھی لے لیں اور ازواج مطہرات کو ان کے گھر کے اندر بے تکلفی کے عالم میں دیکھ کر اس کے متعلق اسکینڈلز بنا سکیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ گھر کے اندر خواتین تو ایک بے تکلف لباس میں ہی ملبوس ہوتی ہیں۔ ان منافقین کی دیکھا دیکھی بعض سادہ لوح مسلمان بھی یہی حرکتیں کرنے لگے۔ چنانچہ پروردگار نے سب لوگوں کو اس بے ہودہ عادت سے روک دیا اور ہدایت کی کہ آئندہ اگر کسی کو کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ دروازے پر لگے ہوئے پردے کو نہ اٹھائے، بلکہ اس کے پیچھے سے آواز دے کر مانگے۔ ''حجاب'' کے معنی اس پردے کے ہیں جو دروازے پر لٹکایا جاتا ہے تا کہ ایک طرف کے لوگوں اور دوسری طرف کے لوگوں کے درمیان ایک آڑ ہو۔

[۳۴] اگرچہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم باقی مسلمانوں کے لیے ماؤں کی مانند تھیں، اس لیے سب ہی مسلمان ان کے لیے محرم کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن امہات المومنین کی خصوصی حیثیت کے پیش نظر اس آیت کے ذریعے سے اُن چند افراد کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ امہات المومنین کے گھروں میں آسکتے ہیں۔ اس آیت میں اور سورۂ نور کی وہ آیات جو عام لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے کے متعلق نازل ہوئی ہیں، میں چند اہم بنیادی فرق ہیں۔ اُن آیات میں ایک کیٹیگری ''وہ زیر دست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں'' بھی شامل تھی، جبکہ یہاں امہات المومنین کے ضمن میں یہ کیٹیگری شامل نہیں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو تعارف، اجازت اور سلام کے بعد کسی دوسرے مسلمان کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی، لیکن امہات المومنین کے ضمن میں یہ اجازت سرے سے ہی نہیں دی گئی اور صرف درج بالا چند افراد ہی کو یہ اجازت تھی کہ وہ ازواج نبی کے گھروں میں آسکتے ہیں۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ جتنی خواتین ازواج نبی سے دین سیکھنے کے لیے آئیں، ان کو زحمت نہ ہو۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ منافقین کے لیے اسکینڈلز بنانے کا راستہ مکمل طور پر بند کرنا تھا۔

[۳۵] یہ پوری کائنات رحمت ومحبت کے اصول پر قائم ہے۔اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد دراصل پوری انسانیت کے لیے اللہ کی رحمت کا اظہار ہے۔جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعا میں یاد کرتے ہیں تو یہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت کا اظہار ہے اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت مسلسل بڑھتی ہے۔اس دعا سے ہمارے دلوں کو پاکیزگی نصیب ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وکردار کی پیروی کرنے کے لیے ہمارا دل پہلے سے زیادہ آمادہ ہوتا ہے۔اس دعا کو عام طور پر درود وسلام بھی کہا جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ
یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ ع
لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا
یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ
فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا معانقة
تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

بے شک، جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں، ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور اُن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بے قصور تکلیف دیتے ہیں، انھوں نے ایک بڑے بہتان اور واضح گناہ کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے۔ ۳۶

اے نبیؐ، اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔اللہ غفور ورحیم ہے۔ ۳۷

اگر منافقین، وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں سنسنی خیز افواہیں پھیلا رہے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اے نبیؐ، اُن کے خلاف (کارروائی کرنے کے لیے) ہم تمھیں اٹھا کھڑا کریں گے اور پھر وہ اس شہر (مدینہ) میں مشکل ہی سے تمھارے ساتھ رہ سکیں گے۔ ان پر (ہر طرف سے) پھٹکار ہوگی، وہ جہاں بھی ہوں گے پکڑے جائیں گے اور بے دریغ قتل کر دیے جائیں گے۔ یہی اللہ کا طریقہ ہے جو نبیؐ کے دشمنوں کے معاملے میں پہلے سے چلا آ رہا ہے اور تم اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں

۳۸
پاؤ گے ۵۷-۶۲

[۳۶] اس زمانے میں منافقین کی سازشیں اور پروپیگنڈے حد سے بڑھ گئے تھے۔ یہ لوگ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ہر طرح کے اسکینڈل بناتے تھے جس کا ایک نمونہ واقعۂ افک تھا۔ اسی طرح یہ لوگ مخلص مسلمان مردوں اور مسلمان خواتین کے متعلق بھی طرح طرح کے پروپیگنڈے کر کے اسلام کی دعوت کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے۔ 'بے قصور اذیت دینے' کا مطلب شریف خواتین کو تنگ کرنا، ان پر آوازیں کسنا، ان سے بے ہودہ ہنسی مذاق اور ان کے متعلق غلط الزامات لگانا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کو بے حد تکلیف اور اذیت پہنچتی تھی، لیکن دین کے وسیع تر مفاد میں وہ ان چیزوں کو برداشت کرتے تھے۔ چنانچہ یہاں قرآن مجید نے اعلان کیا کہ ایسے سب مجرموں کو قیامت کے دن سخت سزا دی جائے گی۔

[۳۷] منافقین کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا تھا کہ جب مسلمان خواتین دور کے محلوں میں ان کے پاس سے گزرتیں تو یہ اوباش اور آوارہ لوگ ان پر آوازیں کستے، غلط قسم کی فقرہ بازیاں کرتے اور ہنسی مذاق کرنے کی کوشش کرتے۔ جب بعد میں ان سے باز پرس کی جاتی تو یہ بہانہ بناتے کہ ان کے خیال میں یہ ان کی اپنی عورتیں تھیں جن سے وہ بے تکلفی کر رہے تھے۔

اس زمانے میں عرب معاشرت کے رسم و رواج کے مطابق جب شریف خواتین گھروں سے باہر نکلتیں تو اپنے کپڑوں کے اوپر ایک چادر لے لیتیں اور اس سے سر بھی چھپا لیتیں۔ اس طرح کی ملبوس خواتین کو کوئی تنگ کرنے کی جرأت نہ کرتا کیونکہ سب جان جاتے کہ یہ شریف خواتین ہیں۔ چنانچہ یہاں قرآن مجید نے مسلمان خواتین کو یہ احتیاطی تدبیر سکھا دی کہ جب بھی وہ اس طرح کے غیر محفوظ علاقوں میں جائیں، جہاں انھیں تنگ کیے جانے اور ستائے جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ایک بڑی چادر لے لیا کریں۔ اس طرح آوارہ اور اوباش عناصر کی بدمعاشیوں سے محفوظ رہنا زیادہ ممکن ہوگا۔ 'یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں' کا مطلب یہ ہے کہ ان کو شریف خواتین کی حیثیت سے پہچان لیا جائے گا اور غلط کار لوگ انھیں ستانے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

اس سے ہمارے لیے بھی یہ ہدایت نکلتی ہے کہ جب بھی خواتین کو ایسی جگہوں میں جانا پڑے جو غیر محفوظ ہوں تو وہ ایک بڑی چادر اوڑھ کر جایا کریں۔

'یدنین علیھن من جلا بیبھن' کا لفظی ترجمہ ہے: ''نیچے لٹکا لیں تھوڑی سی اپنی چادریں''۔ 'جلباب' بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ 'نیچے لٹکا لیں تھوڑی سی' کے الفاظ میں وسعت و رخصت کا پہلو موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر جگہ خطرے کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ کسی جگہ آوارہ لوگوں کے جمگھٹے لگے رہتے ہیں اور کوئی جگہ نسبتاً محفوظ ہوتی ہے۔ اسی طرح جانی اور انجانی جگہوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جانی پہچانی گلیوں اور محلوں میں کسی کی جرأت نہیں ہوتی کہ خواتین کو تنگ کرے۔ اسی طرح ہر خاتون کے حالات میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اس کے پاس سامان ہے یا اس کی گود میں بچہ ہے۔ پھر ہر خاتون کی عمر کے لحاظ سے بھی فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے ایسے الفاظ استعمال کیے جن پر ہر خاتون اپنے حالات کے لحاظ سے عمل کر سکے۔ مفسرین و فقہا کے درمیان اس آیت کی تفسیر میں بہت اختلاف ہوا ہے۔ اس کے بارے میں کسی حد تک بحث اس عاجز نے اپنی کتاب ''اسلام اور عورت'' میں کی ہے۔

[۳۸] یعنی مسلمانوں کی طرف سے اتنی احتیاطی تدابیر اور اتنے صبر و تحمل کے بعد بھی اگر منافقین کی طرف سے سازشوں اور پروپیگنڈوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب ان دشمنانِ اسلام پر اتمام حجت ہو چکا ہے اور رسول کے دشمنوں کے لیے اللہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا ہے کہ ایسے دشمنوں کو اسی دنیا میں بھی ہلاکت کی سزا ملتی ہے، وہی سزا ان منافقین کا بھی مقدر بن جائے گی۔ ان کی دنیا بھی تباہ ہو جائے گی اور آخرت بھی۔ بعد کی تاریخ سے ہمیں یہ معلوم ہے کہ ایسے منافقین کی ایک بڑی تعداد جلد ہی مر کھپ گئی اور جو باقی رہ گئے انھوں نے اپنے نفاق سے توبہ کر لی۔ یوں کسی کے خلاف کارروائی کرنے

اور اسے شہر مدینہ سے نکالنے کی نوبت نہ آئی۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ
اللّٰهَ لَعَنَ الْكَافِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ
تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا
ع وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
ع وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع

اے نبیؐ، یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ تم کہہ دو: ”اُس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اور تمھیں کیا معلوم، شاید کہ وہ قیامت قریب ہی آ لگی ہو۔“

بے شک، اللہ نے منکرینِ حق پر لعنت کی ہے۔ اللہ نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ جس دن ان کے چہرے آگ پر اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: ”اے کاش، ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔“ وہ مزید کہیں گے: ”اے ہمارے رب، ہم نے تو اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی اور انھوں نے ہمیں بے راہ کر دیا۔ اے ہمارے رب، ان کو دُگنی سزا دے اور ان پر بہت بھاری لعنت کر۔“

اے اہلِ ایمان، اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰؑ کو اذیتیں دی تھیں، پھر اللہ نے اُن لوگوں کی تہمتوں سے موسیٰؑ کو

بری ٹھہرایا اور وہ اللہ کے نزدیک باوقار ٹھہرا۔ اے اہلِ ایمان، اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو۔ اللہ تمھارے اعمال سُدھارے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں تو انھوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔[۳۹]

ہم نے اپنی امانت کو آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اُس کو اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس امانت سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اِس امانت کو اٹھالیا۔ بے شک، وہ (عدل وحق کا شعور رکھتے ہوئے) ظلم کا مرتکب ہونے والا ہے اور (وہ علم وصبر کی صلاحیت کے باوجود جہل اور) جذبات سے مغلوب ہو جانے والا ہے۔[۴۰] (ایک دن آئے گا جب انسان سے اِس امانت کے متعلق پوچھا جائے گا) تاکہ اللہ منافق مردوں، منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اپنی رحمت سے نوازے۔ اللہ درگزر فرمانے والا اور رحیم ہے۔[۴۱] ۶۳-۷۳

[۳۹] بنی اسرائیل میں ایک بڑی تعداد منافقین اور ایسے لوگوں کی تھی جو اپنے دین کے لیے کوئی قربانی نہیں دینا چاہتے تھے۔ اسی لیے قرآن مجید نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ اس زمانے کے بنی اسرائیل کی طرح نہ ہو جائیں اور اس کے برعکس ہر وقت درست اور ٹھیک بات کر کے اپنے آپ کو نفاق سے بچائیں۔

[۴۰] ارادہ واختیار کی آزادی اور روز قیامت اس کی جواب دہی کی امانت اللہ نے کائنات کی مختلف چیزوں کے سامنے پیش کی، لیکن ان سب نے اس سے انکار کیا۔ آسمان وزمین اور پہاڑوں کی یہ معذرت زبان حال سے بھی ہو سکتی ہے اور زبان قال سے بھی۔

جس امانت کو دوسرے نہ اٹھا سکے، اس کو انسان نے اٹھالیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ انسان اپنے مادی وجود کے اعتبار سے ایک حقیری ہستی ہے، لیکن اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے وہ آسمان سے اونچا، زمین سے وسیع اور پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ درحقیقت انسان کے اندر ایسے دو متضاد داعیے موجود ہیں جن کی بنا پر وہ اس امانت کا اہل قرار پایا۔ انسان 'ظلوم' ہے یعنی وہ عدل وحق کا شعور بھی رکھتا ہے اور اس کے باوجود ظلم کا مرتکب بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان 'جھول' ہے یعنی وہ علم اور صبر کی صلاحیت کے باوجود جہل اور جذبات سے مغلوب ہو سکتا ہے۔ اگر وہ عدل وعلم کے راستے پر چلتا ہے تو اس کی بندگی بہت اونچی ہے اور اگر وہ ظلم وجذبات کے راستے پر چلتا ہے تو گمراہی کی سخت گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔

[۴۱] اس بارِ امانت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں انسان سے اس امانت کے متعلق سوال کیا جائے۔ اسی سوال کے جواب میں انسان کی کامیابی یا ناکامی پوشیدہ ہے۔

اسی کے ساتھ اس مبارک سورہ کا اختتام ہوتا ہے اور اس طرح قرآن مجید کے چوتھے گروپ کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔